سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقی اردو (نمبر ۱)

البیرونی

نوشتہ

سید حسن برنی بی اے ال ال بی (علیگ)

باہتمام محمد مقتدیٰ خاں شروانی

مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ میں طبع ہوا ۱۹۲۷ء ۱۳۴۶ھ

طبع دوم (بعد نظر ثانی و اضافہ)

ایک ہزار جلد

فہرست مطبوعات انجمن ترقی اردو

انتخاب کلام میر | میر تقی میر مشہور شاعر اردو کے کلام کا انتخاب ہے۔ مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو نے یہ انتخاب ایک مدت کی سعی و محنت کے بعد کیا ہے اور شروع میں میر صاحب کی خصوصیات شاعری پر پچیس صفحہ کا ایک عالمانہ مقدمہ لکھا ہے قیمت مجلد دو روپیہ کلدار

قواعد اردو | مؤلفہ جناب مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو۔ یہ دوسرا ایڈیشن اصلاح و ترمیم کے بعد نہایت صحت سے چھپائی گئی ہے دو باب رموز و اوقاف اور ... کا اضافہ کئے گئے ہیں قیمت مجلد دو روپیہ آٹھ آنہ۔ غیر مجلد دو روپیہ

نکات الشعرا | اردو شاعروں کا سب سے پہلا تذکرہ استاد الشعرا میر تقی میر مرحوم کی تالیف ہے۔ اس میں ایسے شعرا کے حالات ملیں گے جو عام طور پر معلوم نہیں۔ میر صاحب کی تنقید اور ... بعض ... پڑھنے کے قابل ہیں۔ مولوی حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی صدر الصدور امور مذہبی سرکار عالی نے اس پر ایک نہایت مفید اور دلچسپ مقدمہ لکھا ہے۔ قیمت مجلد ... کلدار

تذکرہ شعرائے اردو | مؤلفہ میر حسن دہلوی۔ میر حسن کے نام سے کون واقف نہیں۔ ان کی مثنوی کو جو قبول عام نصیب ہوا شاید ہی اردو کی کسی کتاب کو نصیب ہوا ہو۔ یہ تذکرہ انہی کی ... اور نامور استاد کی تالیف ہے۔ یہ کتاب بالکل نایاب تھی بڑی کوشش سے بہم پہونچا کر طبع کی گئی ہے۔ میر صاحب کا نام اس تذکرہ کی کافی شہادت ہے۔ اس پر جناب مولانا محمد حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی نے ایک بسیط نقادانہ اور عالمانہ تبصرہ لکھا ہے جو قابل پڑھنے کے ہے۔ قیمت فی جلد مجلد ایک روپیہ چودہ آنہ کلدار غیر مجلد عہ کلدار

علم المعیشت | اس کتاب کی تصنیف سے پروفیسر محمد الیاس صاحب ایم اے نے ایک بہت بڑا احسان کیا ہے۔ معیشت پر یہ کتاب جامع و مانع ہے۔ مبہم و مشکل مسائل کو پانی کر دیا ہے کہ اکثر باب نہایت عجیب و غریب ہیں۔ اشتراکیت کا باب قابل دید ہے۔ حجم ۹۵ صفحے قیمت مجلد عہ کلدار

مقامات الطبیعات | انگریزی میں ڈرمنڈ انگلستان کے مشہور سائنس داں اور فلسفی کی کتاب ہے جس کا نام کتاب کی کافی ضمانت ہے۔ اس میں نظام فطرت کی بحث ہے۔ دلکش کتاب علم و فضل کا مرقع ہے۔ قیمت غیر مجلد دو روپیہ کلدار مجلد عہ کلدار

البیرونی

نوشتہ

سید حسن برنی رحؒ

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ طبع دوم

بارہ برس ہوئے جب میں نے انجمن ترقی اُردو کے لیئے اس کتاب کو لکھا تھا جس کا دوسرا ایڈیشن نظر ثانی اور اہم تبدیلیوں اور اضافوں کے بعد اس وقت ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ختم ہوئے ایک عرصہ ہوچکا ہے اور دوسرے ایڈیشن کے لیئے میرے محترم اور فاضل دوست مولوی عبدالحق صاحب سکرٹری انجمن ترقی اُردو و بعض دیگر اصحاب کا مدت سے تقاضا تھا۔ جو تاخیر اس دوسرے ایڈیشن

کی تیاری میں ہوئی وہ بلا وجہ نہ تھی۔ دیباچۂ دوم

البیرونی میں نے طالب علمی کے زمانہ میں لکھی تھی جب کہ میری عمر بیس سال کی تھی۔ اگرچہ اس کتاب کی قدر اُمید سے بڑھ کر ہوئی، لیکن مجھے بہت جلد اُس پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت محسوس ہونے لگی تھی۔ سرسری طور پر طبع دوم کے لیئے نظر ڈال لینا کوئی بڑا کام نہ ہوتا لیکن میرا ارادہ اس سے زیادہ تھا البیرونی کے شائع ہونے کے بعد دوران مطالعہ میں بکثرت مواد فراہم ہو گیا تھا جس کا میں لانا ضروری اور اُس کے لیئے کم از کم کتاب کے بعض حصّوں کا از سرِ نو لکھنا ناگزیر تھا۔ عدیم الفرصتی کے باعث موقع نہیں ملتا تھا۔ بالآخر میں نے تھوڑا تھوڑا وقت نکال کر اِس کام کو شروع کیا اور خدا کے فضل سے اختتام کو پہونچا دیا۔

اس دوسرے ایڈیشن میں دوسرا تیسرا اور ساتواں باب اور پہلا اور تیسرا ضمیمہ نئے ہیں۔ سابق ایڈیشن کا صرف پہلا باب خارج کیا گیا ہے، جس کی جگہ دوسرے اور تیسرے باب لکھے گئے ہیں۔ اس طرح موجودہ ایڈیشن میں البیرونی کے واقعات زندگی جن کے لیئے پہلے ایڈیشن کے بعد بہت سی قیمتی معلومات فراہم ہو گئی تھیں اور البیرونی کی مساحت کرۂ ارض کے حالات، جو اُن مضامین سے ماخوذ ہیں جو اس مبحث پر میں بعض رسائل میں شائع کرا چکا ہوں از سرِ نو لکھے گئے ہیں، قانون مسعودی کا دیباچہ اور البیرونی کے حالات کے مآخذ و اسناد بھی بالکل جدید ہیں۔ یہ ایڈیشن اگرچہ پہلے ایڈیشن پر مبنی ہے، لیکن فی الواقع اُس میں جو کچھ تبدیلیاں اور اضافے ہوئے

ہیں وہ نوعیت اور مقدار میں بہت زیادہ ہیں اور محض کتاب کے حجم بڑھ جانے تک محدود دیباچہ دوم
تصور نہ کیئے جائیں۔ اُن ابواب میں جو نظر ثانی کے بعد خفیف ترمیمات کے ساتھ برقرار رکھے گئے ہیں صرف ایک باب ایسا ہے جسے میں ضرور از سر نو لکھتا اگر خاص وجوہات درپیش نہ ہوتے۔ یہ باب وہ ہے جو کتاب الہند کے متعلق ہے۔ اس کو اس وقت ہاتھ نہ لگانے کا خاص سبب یہ ہے کہ میں البیرونی کی کتاب الہند کا اُردو میں ترجمہ کر رہا ہوں جس کی پہلی جلد عنقریب پریس میں جانے والی ہے۔ اُس کتاب کی تنقید کے لیئے اتنا مواد فراہم ہو گیا ہے کہ وہ مستقل اور جُدا گانہ حیثیت سے لکھے جانے کے قابل ہے اور اُس کا کتاب الہند کے ساتھ ہی شائع ہونا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اگر اُس کو پورے طور پر لکھا جاتا تو البیرونی کے کئی باب بھی اُس کے لیے کافی نہ ہوتے۔

اب سے بارہ برس پہلے البیرونی کے لکھنے میں جو انداز بیان اختیار کیا گیا تھا وہ فی الجملہ اُس سے جُدا ہے جو اس وقت اُن ابواب میں اختیار کیا گیا ہے جو نئے طور پر لکھے گئے ہیں۔ گزشتہ انداز تحریر قدرے رنگین جذبہ انگیز اور خطیبانہ اور اُس جوش طبع کے موزوں ہے جو نوعمر طالب علم کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے۔ میں اس قسم کے انداز بیان کو تاریخ کے لیئے خالی از خطرہ نہیں سمجھتا۔ یہ حُسن اتفاق ہے کہ ممدوح البیرونی ہے جس کے تذکرہ میں خطابت سے چنداں نقصان پیدا ہونے کا اندیشہ نہیں ہے ورنہ مورخ اور تذکرہ نویس کا یہ انداز بیان باوجود اس قدر عام ہونے کے ایسا اندیشہ ناک ہے جیسا کہ تاریک راستہ میں راہگیر کے لیئے کنواں۔ نظر ثانی میں اعتدال

دیباچہ دوم قایم کرنے کے لیئے جابجا الفاظ قلم زد کیئے گئے ہیں اور کبھی کبھی فقرات کو دوبارہ لکھا گیا ہے۔ ان تمام ابواب میں جو واقعات کی لغزشیں خواہ اتفاقیہ غلط فہمی یا ناواقفیت کی وجہ سے تھیں رفع کر دی گئی ہیں اور کہیں کہیں کچھ اضافہ بھی کیا گیا ہے۔

اِس کتاب کے پہلے باب میں چوتھی یا پانچویں صدی ہجری کے مسلمانوں کی سیاسی اور علمی حالت کا ایک سرسری خاکہ کھینچا گیا ہے، جس کا مقصد البیرونی کے گرد و پیش کے حالات کو پیش کرنا ہے۔ یہ خاکہ بیّن طور پر جزئی ہے اور نہایت جزئی، اس مبحث پر وسیع اور غایر مطالعہ ہو سکتا اور نہایت دل چسپ اور مفید تاریخ ترتیب پا سکتی ہے جس کے لیئے ہمیں کسی ایسے مصنف کا انتظار کرنا ہوگا جو اس عہد کو اپنے لیئے مخصوص کر لے۔ اسلامی تاریخ کی یہ اہم صدیاں ہیں۔ اس تبصرہ میں جابجا یہ غلطی ہو گئی تھی کہ مُسلمانوں کی علمی تاریخ کو عربوں کی علمی تاریخ سے تعبیر کیا گیا تھا اور عجمیوں کے علمی کارناموں کو عربوں کے مقابلہ میں ثانوی اور تحتانی حیثیت دیدی گئی تھی جو اصلیت کے بالکل برعکس ہے۔ اسی بارے میں میرے خیال میں اطالوی مستشرق نلّینو کا طریق زیادہ صحیح ہے۔ اُس نے علمی تاریخ کے لیئے لفظ عرب کو مخصوص اصطلاحی معنی میں استعمال کیا ہے اور اُس کے دائرہ میں بلا امتیاز قومیت و مذہب اُن تمام علما و مُصنّفین کو شامل کر لیا ہے جو عربی زبان کو اپنے اظہار خیالات کے لیئے استعمال کرتے تھے میں نے غلطی سے یہ لفظ طبیعی معنی میں استعمال کیا تھا اور عجمیوں کے مقابل استعمال کیا تھا، جس کی

وجہ سے بڑی بے ترتیبی اور غلط فہمی پیدا ہوتی تھی۔ نظر ثانی میں اس اہم غلطی کو رفع کر دیا گیا ہے اور مسلمانوں کی علمی تاریخ کو بلا امتیاز قومیت دیکھا گیا ہے۔ دیباچہ دوم

اس کتاب کے باب اول کو پڑھتے وقت ابن خلدون کے یہ الفاظ یاد رکھنے چاہئیں۔

"من الغریب الواقع ان حملۃ العلم
فی الملۃ الاسلامیۃ اکثرھم العجم
لا من العلوم الشرعیۃ ولا من العلوم
العقلیۃ الا فی القلیل النادر
وان کان منھم العربی فی نسبۃ
فھو عجمی فی لغتہ، و مرباہ و مشیختہ
مع ان الملۃ عربیۃ وصاحب شریعتھا
عربی"

یہ عجیب واقعہ ہے کہ ملت اسلامی میں اکثر حاملان علم
(خواہ علوم شرعیہ ہوں خواہ علوم عقلیہ) بجز چند
مستثنیات کے عجمی ہیں۔
اگر بعض نسبت کے لحاظ سے عربی ہیں تو
بھی زبان اور نشو و نما اور تربیت کے لحاظ
سے عجمی ہیں حال آں کہ مذہب عربی ہے اور صاحب شریعت عربی ہیں
حالانکہ ملت اسلامی و صاحب شریعت عربی ہیں

مسلمانوں کی علمی تاریخ کے متعلق یہ امر پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ خلفائے راشدین کا زیادہ تر زمانہ حروب داخلیہ، فتوحات خارجیہ اور نظم و نسق مملکت میں گزرا۔ سیاسیات اور جنگ کے علاوہ اس دور کے مسلمان صرف امور دینی اور شعر کی طرف متوجہ رہے ہے۔ خلفائے بنو امیہ کے عہد میں بھی زیادہ تر ایسی ہی حالت رہی۔ امور سیاست و جنگ سے جو وقت بچتا تھا وہ علاوہ دینیات کے علوم جاہلیت شعر

دیباچۂ دوم اور اخبار کے نذر ہوتا تھا۔ بنو اُمیہ کے اخیر عہد میں علوم عقلی کی کچھ ابتدا ہو گئی تھی
چنانچہ امیر خالد بن یزید بن معاویہ (متوفی ۸۵ھ مطابق ۷۰۴ء) نے جو "حکیم آل مروان" کے نام سے
مشہور ہے اپنے لئے طب نجوم اور کیمیا کی کچھ کتابیں عربی میں ترجمہ کرائی تھیں۔ پوری
پہلی صدی ہجری اور دوسری صدی ہجری کے اوائل میں علوم عقلی کو کوئی فروغ
نہیں ہوا۔ دولت امویہ کے اخیر زمانہ میں اسلامی سلطنت بلاد ماوراء النہر سے
اُندلس تک پھیل گئی تھی اور عربی زبان اُن تمام ملکوں میں جو اس وسیع سلطنت میں
شامل تھے عام ہو چکی تھی اور اُن ملکوں کی اصلی زبانوں پر فاتح قوم کی طرح غالب آچکی
تھی۔ مذہبی اور لسانی یک رنگی کی وجہ سے تمدّن میں بھی یک رنگی پیدا ہو گئی تھی
چنانچہ جب وقت آیا تو فارس، عراق، شام اور مصر کے رہنے والوں نے علوم قدیمہ کو
جو عجمی زبانوں میں محفوظ تھے جدید اسلامی ادب میں جس کا مدار عربی زبان پر تھا
منتقل کر دیا۔

تاریخ تمدّن کے مُطالعہ سے ظاہر ہے کہ ہر قوم جس نے دنیا کی تاریخ میں عروج
و زوال کی منزلیں طے کی ہیں سب سے پہلے ایسے علوم کی طرف متوجہ ہوتی ہے جن سے
روزمرہ کی ضرورتیں پوری ہوں۔ علوم نظری کی چنداں وقعت نہیں ہوتی لیکن رفتہ
رفتہ تمدّن کی ترقی کے ساتھ ساتھ یہ علوم بھی داخل ہوتے جاتے ہیں۔ مسلمانوں کی
علمی تاریخ کی بھی یہی کیفیت ہے۔ اوّل اُنھوں نے علوم عملی کی طرف توجہ کی
اور طب اور کیمیا اور نجوم کی پرستش ہوئی۔ جب ۱۳۲ھ میں بنو اُمیّہ کا دور ختم ہو گیا اور

بنو عباس کا عہد شروع ہوا، عراق مرکزِ خلافت قرار پایا اور عجمیوں دیگر غیر عرب اقوام دیباچہ دوم
سے معاشرت و تعلقات بڑھے تو اُنھوں نے عربی زبان میں علوم عقلی کو منتقل کرنا
شروع کیا اور وہ رفتہ رفتہ تمام اسلامی ممالک میں پھیل گئے۔

مامون کا عہد ان علمی ترقیوں کے لیئے خاص طور پر ممتاز ہے۔ چوتھی اور پانچویں
صدی ہجری میں جو البیرونی کا زمانہ حیات ہے تقریباً تمام علوم عقلیہ جو مسلمانوں کی علمی
تاریخ میں شمار ہو سکتے ہیں عربی زبان میں منتقل ہو چکے تھے اور وسط ایشیا میں جہاں
البیرونی پیدا ہوا رائج اور اُن ملکوں کے علما ان علوم کی ترقی میں مصروف و ساعی
تھے۔ اُسی علمی بیداری کے عالم میں البیرونی پیدا ہوا اور اُس نے اُسی آب و ہوا
میں پرورش پائی۔ البتہ وہ اپنے معاصرین سے سبقت لے گیا۔

اِس کتاب کا دوسرا اور تیسرا باب خاص اہتمام سے لکھے گئے ہیں۔ البیرونی
کے ماحول کی سیاسی اور علمی تاریخ اور اُس کے ذاتی حالات بہترین اور قدیم ترین
ماخذوں سے لیئے گئے ہیں۔ پہلے باب میں ایک وسیع اور عام نظر ڈالی گئی تھی۔
دوسرے اور تیسرے باب میں اس مُطالعہ کو اُس حد تک محدود کر دیا گیا ہے جس حد تک
کہ البیرونی کی ذات کا تعلق ہے۔ خوارزم اور اُس کے نواح کے ممالک جرجان،
خراسان بخارا اور سلطنت غزنہ کے پُرپیچ سیاسی حالات بالتفصیل لکھے گئے ہیں اور
اُن حالات سے البیرونی کا جس قدر تعلق ہے واضح کر دیا گیا ہے۔

اِن تمام حالات میں محمود اور البیرونی کے تعلقات کی بابت ایک سخت غلط فہمی

دیباچہ دوم پیدا ہو گئی تھی جو ایک بڑی حد تک رفع ہو گئی ہے، لیکن ابھی تک یہ تاریخی مسئلہ بالکل صاف بھی نہیں ہوا ہے۔ میں اس کتاب کے پہلے ایڈیشن میں جرمن مستشرق سخاو (Sachau) کا (بر خلاف متداول روایات کے جو بعض کتابوں میں دستیاب ہوتی تھیں) ہم آہنگ تھا کہ البیرونی کے محمود سے تعلقات خوشگوار نہیں تھے اور اُس نے البیرونی کی سرپرستی نہیں کی۔ یہ خیال جو تمام تر قرائن و قیاسات پر مبنی تھا صحیح نہیں ہے۔ اس کی تردید کے لیئے خود البیرونی کی سند موجود ہے۔ جس وقت البیرونی کا پہلا ایڈیشن شایع ہوا ہے اُس وقت تک مورخ و جغرافی یاقوت حموی (متوفی ۶۲۶ھ) صاحبِ معجم البلدان" کی کتاب "ارشاد الادیب فی معرفۃ الاریب" المعروف بمعجم الادبا (جلد ششم) جس میں عربی زبان کے سربرآوردہ ادیبوں کے تذکرے بترتیب حروف تہجی درج ہیں شایع ہو کر ہم تک نہیں پہونچی تھی۔ اس کتاب میں یاقوت نے البیرونی کو ادیبوں میں شمار کرتے ہوئے اُس کا تذکرہ لکھا ہے، جس سے البیرونی کے حالات پر نہایت قیمتی روشنی پڑتی ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ البیرونی کی ہمہ گیر فطرت نے عربی ادب کو خالص ادب کی حیثیت سے بھی نظر انداز نہیں کیا تھا۔ وہ شعر بھی کہتا تھا، اگرچہ بقول یاقوت اُس کی شاعری اوّل درجہ کی نہیں مانی جا سکتی لیکن اُس جیسے شخص کے لیئے جس کا میدان ریاضیات و علوم نظری تھے بسا غنیمت ہے۔

البیرونی نے ایک مدحیہ قصیدہ لکھا تھا جس کے آغاز میں اپنے حالات زندگی پر گویا ایک طرح کا مختصر تبصرہ کیا ہے۔ اس قصیدہ کا یہ حصہ گریز کے شعر تک یاقوت نے

نقل کیا ہے اور اُس میں البیرونی نے صاف الفاظ میں محمود کے احسانات اور اُس کی سرپرستی کا اعتراف کیا ہے۔ اس کے بعد یہ کہنے کا حق نہیں رہتا کہ محمود اور البیرونی کے تعلقات اچھے نہیں تھے۔ لیکن اصلی دشواری اس مسئلہ میں جو پیش آتی ہے وہ البیرونی کے ہندوستان میں رہنے اور علوم ہند سیکھنے کے متعلق ہے۔ کتاب الہند کے ایک مقام سے جو ہم نے تیسرے باب میں نقل کیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ البیرونی کو یہ شکایت ہے کہ وہ ہندوستان میں رہ کر پورے طور پر آزاد نہیں تھا اور گویا ایک طرح پر اُس کی نگرانی کی جاتی تھی، جس کی وجہ سے اُسے دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ مقام اس قدر مغلق اور کنایہ آمیز عبارت میں لکھا گیا ہے کہ اُس سے کوئی یقینی نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بات ناممکن نہیں ہے کہ محمود نے اُس بے اعتباری اور احتیاط کی نظر سے جو اُس کے مزاج کا خاصّہ تھی البیرونی کو دورانِ قیام ہندوستان میں اُن تعلقات کی وجہ سے جو اُسے خوارزم کے دربار میں اُس ملک کے فتح ہونے اور محمود کی سلطنت کا جزو بننے سے قبل حاصل تھے کامل آزادی نہ دی ہو۔ بہرحال ہمیں خوشی ہے کہ وہ ناانصافی جو ہم سے محمود کے متعلق پچھلے ایڈیشن میں ہو گئی تھی ایک حد تک رفع ہو گئی ہے۔ ہمیں کوئی حق نہیں ہے کہ "فردوسی" کے ساتھ بغیر یقینی ثبوت کے البیرونی کا نام بھی اُن لوگوں میں شریک کیا جائے جنھیں محمود سے کسی قسم کا شکوہ تھا۔

دیباچہ طبع دوم

البیرونی کو اگرچہ ایک ہمہ گیر مصنف کہا جا سکتا ہے، لیکن جیسا کہ اُس نے

دیباچہ دوم قانون مسعودی کے دیباچہ میں لکھا ہے اُس کا اصلی میدان ریاضیات بالخصوص علم ہیئات تھا۔

۱۹۱۴ء میں جب یہ کتاب پہلی مرتبہ شایع ہوئی ایک موہوم اُمید تھی کہ البیرونی کی سب سے اہم تصنیف "قانون مسعودی" جو مسلمانوں کی تاریخ علم ہیئات میں سب سے بلند پایہ رکھتی ہے شایع ہو کر دنیا کے سامنے آجائیگی۔ اُس کے نشر و اشاعت کا اہتمام اُس زمانہ میں مدرستہ العلوم علی گڑھ میں کیا جا رہا تھا۔ بارہ برس گزر گئے ہیں اور مدرستہ العلوم نے اس دوران میں یونیورسٹی کا چولا پہن لیا ہے لیکن اس کتاب کا ایک ورق بھی نہیں چھپا۔ اس کا سبب یہ نہیں ہے کہ سرمایہ نہ تھا جو اس کام میں لگتا۔ سرمایہ تھا، لیکن بُری طرح تلف ہوا۔ اس کا محاسبہ و مواخذہ اُن لوگوں پر ہے جنھوں نے اس مہتم بالشان علمی کام کا نام لے کر اب تک تکمیل کو نہیں پہنچایا۔ کاش یہ خیال یورپ کے کسی مستشرق کے دل میں پیدا ہوا ہوتا یا قوم کی کسی ایسی جماعت کے ہاتھ میں ہوتا جس میں فرض شناسی کا احساس بھی موجود ہوتا، تو کبھی کا پورا ہو چکا ہوتا۔ علی گڑھ کی آب و ہوا ایسے کاموں کے لیئے ایک عرصہ سے ناساز گار ہے۔

اس کتاب کی اہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے علاوہ اُس باب کے جو ہم نے البیرونی کی مساحت کرۂ ارض کے متعلق اضافہ کیا ہے، ہم نے قانون مسعودی کا دیباچہ بھی مع ترجمہ بطور ضمیمہ بڑھا دیا ہے۔ یہ دیباچہ البیرونی کی عربی ادبیت اور اُس کے بلیغ و دقیق اندازِ تحریر کا نمونہ ہے۔ ایک سے زیادہ مرتبہ اس کا

دیباچہ دوم

ترجمہ شایع کیا گیا ہے، لیکن اُن میں بے شمار غلطیاں پائی جاتی ہیں، جن کا اس جگہ بیان کرنا غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ باوجود اس انتہائی کوشش کے جو ہم نے اُس پر غور کرنے اور حتی الامکان صحیح ترجمہ کرنے میں کی ہے ہم کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں۔ ایسی حالت میں اگر اس دیباچے کے ترجمے یا کتاب کے کسی دوسرے مقام پر غلطیاں پائی جائیں تو اُن کے لیئے ہم ناظرین سے معذرت چاہتے اور معافی کے خواستگار ہیں۔

تاریخ علوم میں البیرونی کی صحیح عظمت سمجھنے اور سمجھانے کے لیئے غیر معمولی تبحر درکار ہے۔ ہمیں نہایت صدق دل سے اعتراف ہے کہ ہم اپنی کھلی ہوئی علمی بے بضاعتی کی وجہ سے اُس خدمت کو انجام دینے کی پوری اہلیت نہیں رکھتے، البتہ اُمید کرتے ہیں کہ وہ زمانہ ضرور آئیگا جب کہ البیرونی کی اُن تصانیف کا جو کہ باقی رہ گئی ہیں اور جن میں خوش قسمتی سے اُس کی سب سے زیادہ مہتم بالشان تصانیف شامل ہیں۔ غایر مطالعہ کیا جائیگا اور ماہرین و مبصّرین کی ایک جماعت اُس حق کو جو ابھی ادا ہونا باقی ہے ادا کریگی۔

اُن عزیز دوستوں میں جن کا اصرار و ہمت افزائی البیرونی کے حالات لکھنے کا موجب ہوئے تھے ایک ایسا دوست بھی تھا، جو سب سے زیادہ دلچسپی رکھتا تھا لیکن اس کتاب کو مطبوعہ شکل میں نہ دیکھ سکا۔ عابد حسین خاں مرحوم (علیگ) غیر معمولی

دل و دماغ لے کر آئے تھے، لیکن افسوس کہ عمر نے وفا نہیں کی اور وہ اور اُن کے دو اور بھائی مظفر حسین خاں بی اے (علیگ) اور زاہد حسین خاں (علیگ) جو انھیں کی طرح لایق و ہونہار تھے یکے بعد دیگرے عین عالم شباب میں وفات پا گئے۔ ان بھائیوں کی وفات کو میں قوم کے ناقابل تلافی نقصانات سے تعبیر کرتا ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ مرحومین کے بھائی ڈاکٹر ذاکر حسین خاں پی ایچ ڈی پرنسپل جامعہ ملیہ تکمیل تعلیم کے بعد ملک و قوم کی خدمت میں مصروف ہیں اور دوسرے بھائی تعلیم پا رہے ہیں۔ خدا ان سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور دنیا کو اُن کے فیوض سے متمتع ہونے اور اُن کو دل سے عزیز رکھنے والے دوستوں کو خوش ہونے کا موقع دے۔

اپنے محترم دوست مولوی عبدالحق صاحب سکرٹری انجمنِ ترقی اُردو اور اپنے محترم بزرگ مسٹر محمد الیاس برنی ایم اے ال ال بی (علیگ) پروفیسر معاشیات عثمانیہ یونی ورسٹی کا نہایت ممنون ہوں جن کا اصرار خاص طور پر اس دوسرے ایڈیشن کی تکمیل کا موجب ہوا۔ نیز اپنے فاضل اُستاد مولوی لطافت علی صاحب کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی نظر سے اس کتاب کے بعض عربی عبارات کے اُردو ترجمے گزرے ہیں اور جن سے مجھے اس بارہ میں قیمتی مشورہ اور مدد ملی ہے۔

سید حسن برنی

دیباچہ طبع اوّل

آج سے پورے تین سال پہلے کا ذکر ہے کہ ابوریحان بیرونی کی دو تصانیف "آثار الباقیہ" اور "کتاب الہند" میری نظر سے گزری تھیں۔ ان کتابوں کے مُطالعہ سے بیرونی کی جو وقعت میرے دل میں پیدا ہوئی اُس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ میں نے باوجود عدیم الفرصتی اور علمی بے بضاعتی کے اُسی وقت سے بیرونی کے مفصل حالات بہم پہونچانے اور اہلِ ملک کی خدمت میں پیش کرنے کا مُصمم قصد کر لیا۔ تقریباً ایک سال کی تلاش و جستجو کے بعد میں اس قابل ہوا کہ میں نے ایک رسالے میں حکیم موصوف کے حالات قلم بند کر دیئے بعض وجوہ سے اِس رسالے کی اشاعت معرضِ التوا میں رہی اور اب تک اُس کے چھپنے کی نوبت نہ آئی۔

ابتدا میں بیرونی کی ذات سے جو دل بستگی مجھے پیدا ہو گئی تھی وہ ایسی نہ تھی کہ رسالۂ مذکور کی تحریر کے ساتھ ختم ہو جاتی۔ میں اس کے بعد بھی اُس کی تصانیف

دیباچہ طبع اوّل میں برابر ویسی ہی دل چسپی لیتا رہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جہاں میری معلومات میں روز بروز اضافہ ہوا وہاں بیرونی کی عظمت کا نقش میرے دل میں اور بھی گہرا ہو گیا۔ بالآخر میں نے محسوس کیا کہ جو رسالہ میں بیرونی کے حالات میں لکھ چکا تھا وہ نہ صرف نظرِ ثانی کا محتاج ہے، بلکہ اُس کے اکثر حصّے کو دوبارہ لکھنا ضروری ہے۔ اس خیال کا پیدا ہو جانا آسان تھا، لیکن جب دوبارہ قلم ہاتھ میں لیا اور نئے سرے سے بیرونی کا تذکرہ لکھا تو معلوم ہوا کہ اپنی قوت کا اندازہ کرنے میں اس مرتبہ بھی دھوکا کھایا۔ بہر حال اس کوشش کا اتنا نتیجہ ضرور نکلا کہ دوسرے رسالے کا حجم پہلے سے سہ چند ہو گیا، بہت سی ضروری باتیں، جو پہلے درج ہونے سے رہ گئی تھیں، بڑھ گئیں، جو زیادہ ضروری نہ تھیں، یا تو بالکل نکال دی گئیں یا اختصار سے درج ہو گئیں۔ موجودہ رسالہ اُسی اخیر کوشش کا حاصل ہے اور اپنی کم علمی کا اعتراف کرتے ہوئے بکمالِ ادب اسے ناظرین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

جہاں تک مجھے معلوم ہے اُردو میں بیرونی کے حالات میں صرف ایک چھوٹا سا رسالہ لکھا جا چکا ہے جسے مؤلف رسالہ مولوی محمد عنایت اللہ صاحب بی اے (علیگ) نے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس ہفتم منعقدۂ دہلی (دسمبر ۱۸۹۲ء) میں پڑھا تھا۔ اس کے علاوہ ماسٹر عبداللہ خاں صاحب نے اپنی کتاب "مشاہیر عالم" (حصّۂ اوّل) میں چند صفحے بیرونی کے حالات میں تحریر کیے ہیں۔ افسوس ہے کہ جو کچھ لکھا گیا ہے اُس میں پوری تحقیق اور احتیاط سے کام نہیں لیا گیا ہے، اور اس وجہ

دیباچہ طبع اوّل
سے جا بجا غلطیاں پائی جاتی ہیں۔ کیسے تعجب کی بات ہے کہ ہمارے ملک میں اس وقت تک اس جلیل القدر شخص کے حالات لکھنے کی نہایت معمولی اور سرسری کوششیں کی گئی ہیں۔ جس نے آج سے نوصدی پہلے برسوں کی لگاتار محنت کے بعد ہند اور اہلِ ہند کے بارے میں نہایت مستند تصانیف لکھی تھیں۔

حاشا میرا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ میں اس علّامہ اجل کے حالات لکھنے میں بالکل کامیاب ہوگیا ہوں۔ میں ایسے دعوے کی اہمیت سے بخوبی واقف ہوں ہاں اگر میں اپنی کوشش میں بالکل ناکام نہیں رہا، اور موجودہ مضمون ناظرین کے دلوں میں بیرونی کی سچّی عزت پیدا کرسکتا ہے (جو اس کا اصل مقصد ہے) تو میں بیرونی کے اس حق سے جو اس کا دلی مداح ہونے کی حیثیت سے مجھ پر واجب ہے سبکدوش ہونے کا ضرور کسی قدر فخر کرسکتا ہوں۔

مشہور جرمن مستشرق ایڈورڈ سخاؤ (E. Sachau) کے کتاب الہند اور آثار الباقیہ کے انگریزی تراجم، اور اُن دیباچوں اور حواشی کا، جو اُن کتابوں پر فاضل موصوف نے لکھے ہیں، میں نہایت زیر بار احسان ہوں۔ اس رسالے کی تحریر میں اُن سے بہت بڑی مدد ملی ہے۔

سب سے بڑھ کر سپاس گزاری کے مستحق میرے محترم اور شفیق استاد شمس العلماء مولانا خلیل احمد صاحب مدظلہٗ ہیں۔ جو ہمارے زمانے

دیباچہ طبع اول

میں متقدمین علمائے اسلام کے تبحر وفضل کی زندہ مثال ہیں[1]۔ جب کبھی میں نے
خواہش کی استاد موصوف نے اپنی بیش بہا مدد عطا فرمانے سے دریغ نہ کیا
نیز میں اپنے ان احباب کا بے حد شکر گزار ہوں جنھوں نے رسالۂ ہذا
کے غیر مکمل مسودے کو دیکھ کر اس کی تکمیل پر اصرار کیا تھا، اور فی الحقیقت یہ
اُنھیں کی ہمت افزائی اور اصرار کا نتیجہ سمجھنا چاہیئے کہ میں اس کے شائع
کرنے کی جرأت کرتا ہوں۔

بلند شہر
نومبر سنہ ۱۹۱۴ء

سید حسن برنی

---

[1] افسوس کہ مولانا ممدوح کا انتقال ہو چکا ہے۔ علمی میدان میں شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ کا اردو ترجمہ آپ کی یادگار ہے۔

عرضِ مکرّر

دیباچہ طبع دویم کتاب کے لیئے دیا جاچکا تھا کہ سینیور یوسف غبریئیلی (Giuseppe Gabrieli) امین اکادیمیہ لینچائی الملکیہ (R. Accadamia Nazionale dei Lincei) روما نے از راہ کمال تلطف موسسہ کائتانی (La Fondzione caetani) کے حالات اور اس کے کتب خانہ کی فہرست مخطوطات کی ایک جلد ہمیں بھیجی۔ یہ موسسہ اٹلی کے امیر کبیر اور نامور شید اے تاریخ اسلام و مؤرّخ عہد اسلامی لیونے کائتانی (Leone Caetani) نے قایم کیا ہے اور موسسہ مذکورہ کے کتب خانہ میں خاص طور پر تواریخ اسلام کا بہترین قلمی، عکسی و مطبوعہ ذخیرہ فراہم کیا گیا ہے۔ ان عظیم الشان علمی خدمات کا جو کہ کائتانی اور اس کے حلقہ احباب نے (جن میں غبریئیلی بھی شامل ہے) تاریخ اسلام کے متعلق انجام دی ہیں تذکرہ شرح و بسط کا محتاج ہے جس کا یہاں موقع نہیں ہے۔ ان اصحاب کو جو کائتانی کے علمی کارناموں سے واقف ہونا چاہیں ہم ان دو مضامین اور ان کے متعلق تمہیدی نوٹوں کی طرف متوجہ کرتے ہیں جو ہم نے بعنوان "کیا کتب خانہ اسکندریہ کو عربوں نے جلایا" اور "ہندوستان پر عربوں کا پہلا حملہ" رسالۂ اردو اکتوبر ۱۹۲۶ء و رسالۂ علی گڑھ میگزین دسمبر ۱۹۲۶ء و جنوری و فروری ۱۹۲۷ء میں شایع کئے ہیں۔ ان دونوں نوٹوں میں ہم نے کائتانی کے علمی کوششوں

پر روشنی ڈالی ہے اور ہر دو مضمون براہِ راست اُس کی تاریخ کبیر (annalie dele Islam) سے ترجمہ کیئے گئے ہیں ۔

کائتانی کے دیگر کارناموں کے ساتھ اس موسسہ کا قایم کرنا بھی نہایت مہتم بالشان کارنامہ ہے، جو خیراتِ حسنہ جاریہ کی حیثیت رکھتا ہے ۔

اِس موسسہ کے علمی پروگرام میں بعض نادر و بیش بہا اسلامی تصانیف کی اشاعت بھی شامل ہے، ازاں جملہ ایک البیرونی کی القانون المسعودی بھی ہے، جس کا ملخص ترجمہ زیر تجویز ہے۔ علاوہ ازیں حبش (الحاسب) (آغاز دہم صدی، واحد قلمی نسخہ برلن) اور ابن یونس متوفی ۱۰۰۹ء (قلمی نسخہ لیڈن و پیرس) کی تصانیف علم ہیئت کے تراجم بھی اس اسکیم میں شامل ہیں ۔

موسسہ کائتانی کی جماعت انتظامیہ کا صدر خود کائتانی اور اُس کا سکرٹری نالینو (Carlo Alfonso Nallino) ہے دیگر ممبران جن کی تعداد صرف پانچ ہے اٹلی کے وہ سربرآوردہ مستشرق ہیں جو مباحثِ اسلامیہ سے خاص طور پر وابستگی رکھتے ہیں۔ من جملہ اُن کے گوئیڈی (Ignazio Guidi) کے نام سے اکثر علم دوست حضرات واقف ہونگے ۔

غبریلی امین کتب خانہ موسسہ کائتانی بعض علمی مشاغل میں کائتانی کا شریک ہے ازاں جملہ (Onomasticon Arabicum) ہے جس کی ابھی تک صرف دو جلدیں شائع ہو چکی ہیں ۔ یہ مشاہیر اسلام کی فہرست ہے جو بترتیب حروف

تبھی وبحوالہ مآخذ واسناد متعدد جلدوں میں ختم ہوگی۔

عرض مکرر

ہمیں قلبی مسرت ہے کہ موسسہ کائیتانی کی جماعت میں نلینو جیسا جامع الکمالات مستشرق بھی شامل ہے جس کی وجہ سے یقین ہوتا ہے کہ انشاءاللہ قانون مسعودی کے متعلق ہماری دیرینہ آرزو جلد پوری ہو سکے گی۔ اٹلی کے ان فدائیان علم مستشرقین سے ہمارے قوم کے علم دوست اصحاب کو سبق لینے کی ضرورت ہے۔

اخیر میں ہم غبرئیلی کا شکریہ ادا کرتے ہیں جس کی مہربانی سے ہمیں اس موسسہ سے واقف ہونے اور قانون مسعودی کے متعلق مژدۂ جاں فزا سننے کا موقع ملا۔ خدائے بزرگ وبرتر ان شیدائیانِ علم کو اس عظیم الشان علمی کارنامہ کی تکمیل کی جلد از جلد توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

سب سے اخیر میں ہمارا خوش گوار فرض مولوی محمد مقتدیٰ خاں صاحب شروانی منیجر مسلم یونیورسٹی پریس کا شکریہ ادا کرنا ہے جن کی مہربانی اور توجہ سے البیرونی کی طبع دوم بحسن وخوبی انجام پاکر ناظرین کے ہاتھوں تک پہونچی ہے۔ مولوی صاحب موصوف سے ہمیں مدت سے شرف نیاز حاصل ہے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ اس کتاب کی طباعت میں انھوں نے خاص ذاتی دلچسپی سے کام لیا ہے جس کے ہم نہایت ممنون ہیں۔

۱۴ مئی ۱۹۲۷ء

سید حسن برنی

باب اوّل

اسلام کی سیاسی حالت اور علمی ترقیات چوتھی پانچویں صدی ہجری میں

تاریخ اسلام میں چوتھی اور پانچویں صدی ہجری ترقی علم و حکمت کا ایک بے مثل دور تھا۔ پیروانِ اسلام میں ایک عالم گیر علمی روح پھیلی ہوئی تھی، جس کی وجہ سے ہر طرف علمی مستعدی اور مصروفیت کے آثار روشن تھے۔ اس عہد کی تاریخ کو جب نظر غایر سے مطالعہ کیا جاتا ہے تو اُس میں دو مابہ الامتیاز خصوصیتیں نظر آتی ہیں۔ اول یہ کہ سیاسی حیثیت سے یہ زمانہ ایک نہایت پُر آشوب زمانہ ہے دوم یہ کہ اس زمانے میں مسلمانوں کا شغفِ علمی معراج کمال کو پہنچا ہوا ہے ایک لحاظ سے اس وقت کی تاریخ اسلامی تاریخ کا ایک تیرہ و تار حصہ ہے اور دوسرے لحاظ سے وہ ایک نہایت روشن اور تابناک باب ہے۔

بادی النظر میں ان دونوں حالتوں کا اجتماع جمع اضداد معلوم ہوتا ہے اس لیئے کہ ترقی علوم و فنون کے لیئے بدنظمی، رات دن کے انقلابات، جنگ و جدل اور فقدانِ امن سے بڑھ کر کوئی چیز ناموافق نہیں ہو سکتی۔ جس ملک میں امنِ استمراری اور نظم و نسق مستقل خواب و خیال ہوں، اور مطلع سیاست پر آئے دن طوفان بلاخیز آتے رہیں وہاں علمی چرچوں اور علمی مجلسوں کا سان و گمان بھی نہیں ہو سکتا۔ خیال ہوتا ہے کہ ایسے زمانے میں سوسائٹی

باب کی تمام تر توجہ فنونِ حرب و جنگی آراستگیوں میں صرف ہونی چاہیئے اور پوری قوتیں سیاسی کشمکش کے نذر ہوجانی چاہئیں۔

جس زمانے کا ہم یہاں ذکر کر رہے ہیں یہ وہ زمانہ ہے جب اسلام کی مجتمعہ قوت قصۂ ماضی ہوچکی تھی اور مسلمانوں کا عصائے جہانبانی ایسے ہاتھوں میں تھا، جو اُس کے بوجھ سے کانپ رہے تھے اسلامی اقبال و حکومت کی شمع عشرت پسند خلفا اور امراء کے محلات میں ٹمٹما رہی تھی اور چاروں سمت سے اُٹھنے والی آندھیوں کے جھوکوں سے اُس کی ہستی معرض خطر میں رہتی تھی۔ عبدالملک اور ولید[1] کے پُرشکوہ زمانے داستان پاستان اور ہارون و مامون کے قرونِ اقبال خواب و خیال ہوچکے تھے سیاست اسلامی کا مریض بستر زوال پر دراز مرض سے گھُل رہا تھا اور گو اپنی سخت جانی سے اس حالت میں بھی مدتِ مدید تک پابندِ حیات رہا! اور اُس کی خشم آلود نگاہیں اعدا کے قلوب پر بجلیاں گراتی رہیں لیکن اُس کی یہ زندگی جیسی زندگی تھی اور جو کچھ ایسی زندگی کا مآل ہونے والا تھا ظاہر ہے۔

ایسا ضرور ہوتا تھا کہ جہاں تہاں آثارِ اُمید زندہ ہوجاتے تھے اور اتفاقاً کسی حکمراں کی غیر معمولی استعداد سے کچھ توانائی بھی عود کر آتی تھی لیکن ازالۂ مرض نہ ہونے کی وجہ سے بہیئت مجموعی و بطریق مستقل حالت نہ سدھرنی تھی اور نہ سدھری۔ اس عہد میں جو ہمارے پیش نظر ہے مسلمانوں کا وسیع رقبۂ حکومت اُندلس سے لے کر ماورائے نہر جیحوں

---

[1] ولید بن عبدالملک کا عہدِ خلافت (۸۶-۹۶ ہجری) (۷۰۵-۷۱۵ ع) مسلمانوں کی فتوحات کا نہایت کامیاب دور تھا۔ مشرق میں قتیبہ بن مُسلم نے جو سلطنت چین کی فتح کے لیئے روانہ ہوا تھا، سمرقند، خوارزم، فرغانہ، شاش، کاشغر وغیرہ ممالک وسط ایشیا کو فتح کیا، اور ولید کی وفات کی وجہ سے فغفور سے خراج لیکر واپس آیا۔ محمد بن قاسم جو ہند کی فتح کے قصد سے روانہ ہوا تھا ولید کی بے وقت موت کے باعث سندھ فتح کرکے لوٹ گیا، طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر نے اسپین اور جزائر مجارقہ و منارقہ کو فتح کیا، غرض ایک ہی وقت میں عربوں کے عساکر مشرق و مغرب میں فتح و نصرت کے پرچم اُٹھا رہے تھے اُس کے بعد یہ نیکوں کا یہ زمانہ دیکھنا نصیب نہ ہوا

تک کثیر التعداد آزاد اور خود مختار حکومتوں پر تقسیم ہو گیا تھا جن میں فی الواقع کوئی سیاسی اتحاد قایم نہ تھا بلکہ زیادہ تر رات دن کے باہمی تصادم سے ایک حکومت دوسرے کے درپے تھی اور غیروں کے لیئے راستہ بناتی تھی[1]۔ باب

اِس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ خیر القرون کے بعد مُسلمانوں میں مشکل سے باہمی اتحاد و اتفاق قایم رہا۔ اور سیاسی تخالف و تصادم کو کچھ اسی دور کے لیئے مخصوص نہیں کیا جا سکتا، لیکن قرون ماسبق اور اس زمانے کی حالت میں یہ بڑا فرق ہے کہ اب وہ بہت گھٹ گیا تھا اور باہمی مخالفتیں حد سے زیادہ بڑھ گئی تھیں۔

زوالِ بنو اُمیہ کے بعد بنو عباس کی حکومت مُسلمانوں کی سب سے بڑی سلطنت تھی اور لاریب خلافتِ شرقی کے عہدِ زرّیں نے خلافتِ اُندلس کے پہلو بہ پہلو مسلمانوں کے

---

[1] مندرجہ ذیل فہرست سے، جو سرسری طور پر تیار کر لی گئی ہے اور نامکمل ہے، اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس زمانے میں مسلمانوں کی حکومت کی تقسیم کی کیا حالت تھی:- (۱) افریقہ و ایشیا: (۱) فاطمیہ ۲۹۷ھ (۹۰۹ء) - ۵۶۷ھ (۱۱۷۱ء) (۲) اخشیدیہ (مصر) ۳۲۳ھ (۹۳۵ء) - ۳۵۸ھ (۹۶۹ء) ہجری (۳) ہمدانیہ (موصل حلب وغیرہ) ۳۱۷ھ (۹۲۹ء) - ۳۹۴ھ (۱۰۰۳ء) (۴) مرداسیہ (حلب) ۴۱۴ھ (۱۰۲۳ء) - ۴۷۲ھ (۱۰۷۹ء) - (۵) عقیلیہ (موصل وغیرہ) ۳۸۶ھ (۹۹۶ء) - ۴۸۹ھ (۱۰۹۶ء) (۶) مروانیہ (دیار بکر) ۳۸۰ھ (۹۹۰ء) - ۴۸۹ھ (۱۰۹۶ء) (۷) مزیادیہ (حلہ) ۴۰۳ھ (۱۰۱۲ء) - ۵۴۵ھ (۱۱۵۰ء) (۸) کاکویہ (کردستان، اصفہان) ۳۱۸ھ - ۳۳۳ھ (۹) حسنویہ (کردستان، ہمدان) ۳۴۸ھ (۹۵۹ء) - ۴۰۶ھ (۱۰۱۵ء) (۱۰) خوارزمیہ ۴۰۷ھ (۱۰۱۶ء) (۱۱) زیاریہ (جرجان، طبرستان) ۳۱۶ھ (۹۲۸ء) - ۴۳۴ھ (۱۰۴۲ء) (۱۲) بوئیہ (عراق، اہواز، کرمان) ۳۲۰ھ (۹۳۲ء) - ۴۴۷ھ (۱۰۵۵ء) (۱۳) بوئیہ (کرمان) ۴۰۳ھ (۱۰۱۲ء) - ۴۴۸ھ (۱۰۵۶ء) (۱۴) بوئیہ (عراق) ۴۱۱ھ (۱۰۲۰ء) - ۴۴۷ھ (۱۰۵۵ء) (۱۵) بوئیہ (رے، ہمدان وغیرہ) ۳۲۰ھ (۹۳۲ء) - ۴۱۴ھ (۱۰۲۳ء) (۱۶) بوئیہ (فارس) ۳۲۰ھ (۹۳۲ء) - ۴۴۷ھ (۱۰۵۵ء) (۱۷) غزنویہ (افغانستان و پنجاب) ۳۵۱ھ (۹۶۲ء) - ۵۸۲ھ (۱۱۸۶ء) (۱۸) سامانیہ (ماوراء النہر) ۲۶۱ھ - ۳۸۹ھ (۱۹) سلجوقیہ (حکومت مشرقی) ۴۲۹ھ (۱۰۳۷ء) - ۵۵۲ھ (۱۱۵۷ء)۔

اس فہرست میں شمالی افریقہ کی ریاستیں، مراقش، طلمسان وغیرہ شمار نہیں کی گئی ہیں۔ اسپین میں بھی پانچویں صدی کے آغاز میں، جب طوائف الملوکی شروع ہوئی تو بہت سی خود اختیار حکومتیں قایم ہو گئی تھیں، جن میں سے چند مشہور کے نام لکھے جاتے ہیں۔ (۱) قرطبہ (۲) غرناطہ (۳) طلیطلہ (۴) اشبیلیہ (۵) سرقسطہ (۶) مراعہ (۷) المیریہ (۸) دانیہ (۹) بیجاس۔

باب ۱ تیچھلے تزک و احتشام کو بھی بھلا دیا تھا۔ ہارون اور مامون کے یادگار دورِ اقبال میں مطلع سیاست زیادہ تر صاف رہا اور گو اُسی زمانے میں وہ مواد بھی جمع ہو رہے تھے جنھوں نے بنو عباس کے اقتدار کو گھن لگا دیا، لیکن یہ عہد علوم و فنون کی ترقی کے لیئے ہر طرح موزوں تھا اور تمدن کی تاریخ میں سدا زندہ رہنے والے "بیت الحکمت" کی سرپرستی کے لیئے سوسائٹی کے ہر طبقے کو کافی اطمینان میسر تھا۔ زیبا تھا کہ مامون کی عبائے شاہانہ کی آستینیں "شکلِ عروسی" سے مرصع کی جاتی تھیں، خواب میں معلمِ اوّل کی بزرگوار صورت خلیفہ سے ہم کلام ہو کر اُس کے آتشِ شوق کو مشتعل کرتی تھی اور معارِ روم و یونان، ہند و ایران کی پرانی اور از یاد رفتہ کتابیں اونٹوں پر بار ہو کر بغداد میں لائی جاتی تھیں، جہاں الکِندیؔ، الخوارزمی اور اُن کے ہم پیشہ و ہم مشرب علماء کا

لہ ابو یعقوب بن اسحاق الکندی (قبیلۂ کِندہ سے) عربی النسل تھا۔ سلمان بن حنان نے لکھا ہے کہ اسلام میں کندی کے سوا کوئی شخص فلاسفر کے لقب سے ممتاز نہیں ہوا۔ بعض حکمانے اُسے ارسطو کا ہم پلہ مانا ہے۔

مدینہ کوفہ میں جہاں ابو یعقوب کا باپ حاکم تھا، حکیم موصوف (تیسری صدی ہجری کے آغاز میں) پیدا ہوا اور بصرۂ و بغداد میں جو اُس زمانے میں سب سے بڑے علمی مرکز تھے اُس نے تعلیم پائی۔ مامون الرشید نے بیت الحکمت کے مہتممین و مترجمین میں مقرر کیا لیکن متوکل کے زمانے میں سلسلۂ ملازمت منقطع ہوگیا۔ کندی کی تاریخ ولادت و وفات کا پتہ نہیں چلا لیکن ۲۵۶ھ (۸۷۰ء) میں وہ بقیدِ حیات تھا۔ ابو یعقوب کندی اسلامی تاریخ میں ایک غیر معمولی قابلیت کا شخص گذرا ہے اور اُس کے علمی کارناموں کے پورے تذکرے کے لیئے شرح و بسط درکار ہے۔ وہ ریاضی، ہیئت، نجوم، منطق، فلسفہ، طبیعیات، طب، موسیقی اور تاریخ تمدن و جغرافیہ میں ماہر کامل تھا اور یونانی و سریانی زبانوں میں دست گاہ رکھتا تھا اور اُس نے بہت سی یونانی کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا۔ چونکہ وہ علوم سے مجتہدانہ واقفیت رکھتا تھا، ترجمے کے وقت اصل کتاب کی پیچیدگیاں نہایت خوبی سے دُور کر دیتا تھا۔ اس کے شاگردوں میں بڑے بڑے فاضل علما گزرے ہیں جو علمی مشاغل میں اپنے اُستاد کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ ابن ابی اُصیبعہ نے اپنی کتاب طبقات الحکما میں اُس کی تصانیف کی جو فہرست لکھی ہے اُس میں دو سو بیاسی ۲۸۲ کتابیں ہیں۔ طبیعیات اور ریاضی کو جن کا فلسفہ افلاطون و فیثاغورث پر بڑا اثر ہے، کندی کے فلسفے میں بڑا دخل تھا۔ اُس کا قول ہے کہ بغیر ریاضی جانے کوئی شخص حکیم ہونے کا حق نہیں رکھتا۔ ابو نصر فارابی سے پہلے کندی کی کتبِ منطق داخلِ درس تھیں۔ (بقیہ بر صفحہ ۵)

باب ۱ گروہ انھیں ہاتھوں ہاتھ لے کر حکومت اور جمہور کی علمی تشنگی کے بجھانے کا سامان مہیّا کرتا تھا۔ کچھ تعجب نہیں کہ اُس وقت خلفائے بغداد کے ظلِّ عاطفت میں علمی دلچسپیاں سوسائٹی کا وظیفۂ شبانہ روزی ہو گئی تھیں۔ ہاں تعجب ہو سکتا ہے جو چوتھی پانچویں صدی کی علمی جد و جہد پر جب آب و ہوا کے ناسازگار ہونے کا قوی احتمال ہو سکتا ہے۔

مرکزِ خلافت کی یہ حالت تھی کہ خلفاء کی دلچسپیاں حرم کی چار دیواری سے باہر باریاب نہ ہو سکتی تھیں اور وہاں بھی اُنھیں اطمینان یا آزادی مُیسّر نہ تھی۔ دار السلام بغداد میں عناد و فساد کے ہولناک شعلے متواتر مشتعل ہوتے رہتے تھے جن کی وجہ سے امن و امان دنیا سے رخصت ہو گئے تھے۔

مہماتِ سلطنت کا انصرام پورے طور پر قابو طلب عجمیوں کے ہاتھوں میں منتقل ہو گیا تھا۔ بنو عباس سے اسلامی تاریخ کا جو باب شروع ہوتا ہے اُس کی تمہید عجمیوں کا حصولِ اقتدار ہے اور خلافت کے انحطاط کے پہلو بہ پہلو عجمیوں کی ترقی کی تاریخ نظر آتی ہے۔ اصل یہ ہے کہ بنو اُمیہ کے مقابلہ میں بنو عباس کو کامیابی عجمیوں کی بدولت نصیب ہوئی تھی، جس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ عجمی حکومت میں شریک ہو گئے۔ بنو عباس نے اپنا مرکزِ حکومت عجمیوں کے گھر میں قایم کیا تھا اور اسی غرض سے قایم کیا تھا کہ اُن کی مدد ہر وقت بہ آسانی میسّر آتی رہے۔ اس کا نتیجہ

(بقیہ ص ۴) ۵۲ محمد بن موسیٰ خوارزمی مشہور ریاضی داں، مہندس اور عالم علم ہیئت تھا، وہ منجملہ ان علما کے ہے جنھوں نے بیت الحکمت کی طرف سے فنِ ہیئت میں مشاہدات کیے۔ "زیج خوارزمی" مدتوں ہیئت کی ایک ہر دل عزیز کتاب رہی، جس کی اشاعت کی وجہ سے یورپ میں ہیئت کا ابتدائی شوق پیدا ہوا، سند ہند (سدھانت) کا خلاصہ بھی لکھا تھا۔ اُس کی تصانیف میں الجبر والمقابلہ ایک نہایت معرکۃ الآرا تصنیف اور عربوں کی فنِ ریاضی میں حیرت انگیز جدت کا بیّن ثبوت ہے، اس کا ترجمہ روزن (Rosen) صاحب نے مع حواشی مفیدہ انگریزی زبان میں کیا ہے۔

الخوارزمی کا زمانۂ وفات ۲۳۲ھ / ۸۴۸ء ہے۔ ۱۲

باب جہاں یہ ہوا کہ عجمی تمدن نے اہلِ عرب پر گہرا اثر ڈالا وہاں عجمیوں پر بھی عربی اوضاع و اطوار کا پورا اثر ہوا۔ مرکزِ حکومت کے قرب و سرپرستی کی بدولت عجمیوں کا میلانِ طبع روز بروز حصول فضل و کمال اور دماغی و علمی ترقیات کی طرف بڑھتا گیا اور انھوں نے عربی زبان پر جو کہ مسلمانوں کے مذہب اور سلطنت کی زبان تھی کامل دسترس حاصل کر کے علمی مشاغل کو روزافزوں ترقی دینی شروع کی۔ ہارون اور مامون کے زمانے میں جو عزت اور رسوخ عجمیوں کو نصیب ہوا وہ محتاج بیان نہیں۔ رفتہ رفتہ اُن کا اقتدار ایسا بڑھا کہ تیسری صدی ہجری سے عنانِ حکومت بھی عربوں کے اختیار سے نکل کر عجمیوں کے ہاتھ میں آگئی۔

سامانیوں کے بعد جب دیلمیوں یعنی آل بُویہ کا ستارۂ اقبال (چوتھی صدی کے خمس اول میں) چمکا تو رہا سہا عربی اقتدار بھی خاک میں مِل گیا۔ خلفاء بنو عباس آلِ بویہ کے دست نگر ہو گئے اور میدان عمل سے گویا اُن کی ہستی ہمیشہ کے لیئے ناپید ہو گئی۔ اُس وقت سے اُن کی صرف ایک حیثیت رہ گئی یعنی وہ امیر المومنین اور خلیفۃ المسلمین مانے جاتے تھے اور ریاست دینی اُن کے لیئے مخصوص تھی۔ از دست رفتہ اراضیِ خلافت میں اکثر جگہ اُن کا خطبہ پڑھا جاتا تھا، سکّے میں نام شامل ہوتا تھا اور بارگاہ خلافت سے القاب و خطابات حاصل کرنا شان ریاست کی تکمیل کے لیئے بالعموم ضروری سمجھا جاتا تھا۔ دربارِ خلافت سے خطابات اس دریا دلی سے عطا کیئے جاتے تھے کہ دوست دشمن کی تمیز نہ تھی۔ اور خطاب والوں کی تعداد حد و شمار سے متجاوز ہو چکی تھی۔ ایک دو خطاب مِل جانا تو معمولی بات تھی حضرت خلافت سے مُلقّبین کو "دولہ" "امّہ" اور "ملّہ" پر ختم اور "ذی" سے شروع ہونے والے القاب دیئے جاتے تھے اور بارُ بڑنے پر "شاہنشاہ" کا مفتخر خطاب بھی دستیاب ہو جاتا تھا۔ ایک ہی شخص کو شاہنشاہیت کے سوا ذی الریاستین، ذی الکفایتین، ذی الفضلین،

ذی السیفین وغیرہ خطابات میں سے کچھ نہ کچھ مل جاتا تھا اور وہی شخص "بہاء الدولہ ضیاء الملہ باب
اور غیاث الامہ" بھی ہو سکتا تھا۔ خطابوں کا دینا کچھ بارگاہ بغداد کے لیئے مخصوص نہ تھا،
بلکہ ہر ذی اختیار حکمراں اگرچہ اُس نے اپنے لیئے حضرتِ خلافت ہی سے خطاب حاصل کیا
ہو اپنے حوالی موالی کو ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر خطاب دیتا تھا، آل بویہ نے اس بارے
میں بہت ہی غلو سے کام لیا۔ اُن کے یہاں ایک سے ایک جدت آمیز خطاب گڑھا جاتا تھا۔
"کافی الکفاۃ، کافی الاوحد اور اوحد الکفاۃ" اور خدا جانے اسی قبیل کے کیا کیا خطابات
تھے، جن کو پاکر آلِ بویہ کے حلقہ بگوش اپنے جاموں میں پھولے نہ سماتے تھے۔[1]

اُس زمانے کی سیاسی حالت دیکھ کر اپنے ملک کی اٹھارویں انیسویں صدی عیسوی
کی تاریخ یاد آتی ہے جب بابر اور اورنگ زیب کے تاج و تخت کے وارث دہلی کے قلعہ معلّٰی میں
تاج شاہنشاہی زیب سر کیئے بزعم خود اپنے آپ کو اس عظیم الشان برّ اعظم کا مالک تصور کرتے
تھے اور حالت یہ تھی کہ معمولی انسانی آزادی بھی اُنھیں نصیب نہ تھی لیکن ملک کے خود مختار
اور آزاد حکمراں بارگاہِ دہلی سے القابات و خطابات اور فرمان و پروانہ حاصل کرنا سندِ حکومت
تصور کرتے تھے۔

یہاں ہمیں چوتھی پانچویں صدی ہجری کی سیاسی تاریخ لکھنا مقصود نہیں ہے گو بجائے خود
یہ ایک نہایت دل چسپ مشغلہ ہو سکتا ہے اور قومی عروج و زوال کی تاریخ کا ایک عبرت خیز
مبحث قرار دیا جا سکتا ہے۔ اوپر جو سیاسی حالت کا ایک عام نقشہ کھینچا گیا ہے اُس سے صرف

---

[1] چوتھی صدی ہجری کے اخیر میں خلافت عباسیہ کی جو حالت تھی اُس کا تذکرہ بیرونی نے آثار الباقیہ میں کیا ہے۔
القاب کی ایک فہرست دی ہے اور صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ خطابات کی اتنی کثرت تھی کہ اُس کی وجہ سے اُن کی توقیر
بالکل جاتی رہی تھی (دیکھو آثار الباقیہ ص ۱۳۲-۱۳۵)۔

باب۱ اتنی بات دکھانا مرکوزِ خاطر ہی کہ اقتضائے زمانہ علمی روح کی غیر معمولی نشو و نما کے لیئے موزوں نہ تھا۔ اب یہ دیکھنا باقی ہی کہ اس زمانے میں اِس علمی شوق اور انہماک کی وجہ کیا تھی۔

حقیقت الامر یہ ہی کہ جب فتوحات کا دَور ختم ہوا یعنی کشورستانی کے اکثر معرکے سر ہو چکے اور فاتح قوم کے سکون و قیام کا وقت آیا تو وہ عہد شروع ہوا جو امن و مدنیّت کا لازمی نتیجہ تھا یعنی علم و فن کی طرف توجہ شروع ہوئی۔ تقدیر نے مُسلمانوں کو ابتدا سے ان ملکوں کا مالک کیا تھا جو آفتابِ تمدّن کے آسمان رہ چکے تھے اور جہاں سے اطراف و اکنافِ عالم میں علم و تہذیب کی روشنی پھیلی تھی۔ وادیِ نیل، دو آبۂ فرات و دجلہ، ارض فلسطین اور علاقۂ فارس یہ وہ اقطاعِ عالم تھے، جنھوں نے نوبت بہ نوبت علم و فن اور تہذیب و تمدن کی معلّمی کی تھی۔ سرزمین یونان اس وقت تک مُسلمانوں کے محروسہ رقبہ سے خارج تھی لیکن یونان وہ یونان نہ رہا تھا، جو افلاطون و ارسطو کے زمانے میں تھا۔ مدّتوں پہلے روما الصغریٰ کے متعصب عیسائی سلاطین کے مظالم نے وہاں کے بچے کھچے عَلَم بردارانِ علم و حکمت کو وطن کے خیرباد کہنے اور مشرقی ممالک میں پناہ گزیں ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ جب مسلمانوں کا زمانۂ حکومت شروع ہوا تو یونانی علم و حکمت کے جو کچھ نام لیوا تھے وہ بکثرت اُس رقبۂ حکومت میں آباد تھے جو مُسلمانوں کے زیر اثر تھا۔

ان موافق حالات سے مُسلمانوں نے پورا فائدہ اُٹھایا۔ دورِ فتح و نصرت کے بعد تدوین علوم و فنون کا کام تن دہی اور دل چسپی کے ساتھ جاری ہوا۔ سچ یہ ہی کہ علم کا شوق مسلمانوں کا ایک مذہبی عنصر تھا۔ اس سے انکار کرنے کی مشکل سے کوئی شخص جرأت کر سکتا ہی کہ جس مذہب کے پیرو ہو کر وہ دُنیا میں نکلے تھے وہ مذہب صحیح طور سے علم کا بہت بڑا حامی تھا، اور اس زمانے میں حامی تھا جب ہر جگہ جہالت کی گھنگھور گھٹا چھائی ہوئی تھی اور انسان قعرِ جہالت میں پڑا ہوا تھا۔

باب تقدیر نے مسلمانوں کی قسمت میں لکھا تھا کہ اُن کی عالم گیر جہانبانی کے ساتھ آفتابِ علم از سرِ نو طلوع کرے اور اُس کی ایسی روشنی پھیلے کہ اقوامِ عالم بیدار ہو کر ارتقائے تمدّن کے مدارج اعلیٰ طے کرنے لگیں۔ یہی وجہ ہے کہ کم از کم اس لحاظ سے تاریخ اسلامی نہایت شاندار رہی اور اس وجہ سے اس کا مطالعہ ہمیشہ اپنوں اور غیروں کی دلچسپی اور تعجب کا باعث رہیگا۔ برخلاف اس کے اسلامی سیاسیات کی بنیاد خیر القرون کے تھوڑی مدت بعد ہی ٹیڑھی پڑ گئی اور ایسی ٹیڑھی پڑی کہ پھر سیدھا ہونے کا نام نہ لیا۔ جب اسلامی جمہوریت کے صدر نشینوں یعنی خلفائے راشدین کا عہد مسعود ختم ہو گیا اور جہانبانی تاجداروں اور اُن کے وارثوں کی ملکیت قرار پا گئی تو پھر اسلامی تاریخ میں اُن ابتدائی حالات کا اعادہ نہ ہوا۔ لیکن بہرنہج ایک خصوصیت عرصۂ دراز تک اسلامی تاریخ کا جزو لاینفک رہی۔ انتقالِ تاج و تخت، انقلاب ملوک و سلاطین، اختلافِ نسل و قوم، افتراقِ امت، غرض کسی تبدّل و تغیر کا دیرپا اثر اس خصوصیت پر نہ ہوا۔ یہ خصوصیت مسلمانوں کی علم پرستی اور ہنر پروری ہے۔ دربار کو چھوڑ دو جہاں رات دن زر و جواہر اہلِ علم کے قدموں پر نثار ہوتے تھے، بزم کو جانے دو جہاں علمی دلچسپیاں

سلہ تاکہ غلط فہمی کا موقع پیدا نہ ہو جائے یہاں اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ میری مراد اس فقرے سے یہ نہیں ہے کہ آفتابِ اسلام کے طلوع سے آج تک ہمیشہ مسلمانوں کا مذاقِ علمی صحیح ڈگر پر قایم رہا ہے اور اُس میں لغزش پیدا نہیں ہوئی۔ دراصل میرا یہ منشا ہے کہ اگرچہ بہت سے اوقات میں، بالخصوص چھٹی صدی ہجری کے بعد مسلمان اعلیٰ مذاق علمی سے دور ہو گئے اور ایسی حالتوں میں عام طور سے اس قسم کی نظیریں جیسی ہماری پیش نظر ہیں تلاش کرنا بے سود ہیں لیکن علم مناسبت مذاق اہل زمانہ، بہ نسبت دنیا کی کسی قوم کے مسلمانوں میں سب سے زیادہ شائع و رائج رہا۔ یہ سچ ہے کہ بعض اوقات مذاقِ علمی بہت نیچے درجے تک آ پہونچا جیسا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کا، جن کا منتہائے فضل و کمال ایک وقت میں فارسی ادب کی چند کتابیں قرار پا گئی تھیں لیکن باوجود اس اختلاف مذاق کے جو مختلف زمانوں میں مختلف اور کبھی نہایت پست رہا مسلمانوں میں علم ایک عام چیز رہی۔ اس کی یہ وجہ ہے کہ برخلاف اکثر اقوام عالم کے مسلمانوں میں علم کسی مخصوص طبقے کے ساتھ وابستہ نہیں تھا اور جس قوم میں صلاحیت ہوتی اور موقع ملتا تو وہ تحصیل علم کر لیتا تھا۔ یہ فرق اس طرح بہ آسانی سمجھ میں آ سکتا ہے کہ اس علم کی اشاعت گزشتہ زمانوں میں عام نہ ہونے کا خاص سبب یہ تھا کہ علم ایک خاص طبقہ یعنی برہمنوں کے ساتھ مخصوص تھا۔

سوسائٹی کا عام مشغلہ تھیں، رزم کو تو جہاں ہر شخص شمشیر بکف ہے اور گمان ہی نہیں ہو سکتا کہ جو ہاتھ تلوار پکڑے ہوئے ہیں اُنھوں نے کبھی قلم بھی چھوا ہوگا۔ لیکن اسلامی تاریخ کی ورق گردانی کرتے چلے جاؤ، جا بجا جہاں جدال و قتال کا نقشہ جما پاؤ گے وہاں سیکڑوں بلکہ ہزاروں ایسی صورتیں نظر آئینگی جو قلم کی بھی ویسی ہی دھنی ہیں جیسی تلوار کی۔

ہر چند کہ علم کی سرپرستی حکومتِ اسلامی کا عام شیوہ تھا، لیکن مسلمانوں کی ترقیِ علم کا مدار محض دولت پر نہ تھا بلکہ زیادہ تر اُن پرستارانِ علم کی ذاتی جدّ و جہد پر تھا، جو بجز فضل و کمال اور علم و دانش کے کسی دوسری چیز کے سامنے اپنی پشت خم کرنا علم و فضل کی توہین تصوّر کرتے تھے۔ اِسی بے نیازی اور استغنا کا نتیجہ تھا کہ حکومت و دولت کی گردن اکثر اُن کے در پر جھکتی تھی۔ علم کی عام قدر و منزلت اور وسیع اشاعت کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ خود مُسلمان فرماں روا اپنے لیئے تحصیلِ علم کو طرۂ امتیاز تصوّر کرتے تھے۔ تاریخ بہت سے ایسے مُسلمان تاجداروں کے نام گنوا سکتی ہے، جنھیں علم و فضل کے دربار میں بھی ممتاز جگہ ملیگی، جو صاحبِ قلم ہونا، یا کم از کم اس لقب سے ملقب ہونا، صاحبِ تاج و سیف ہونے سے کم نہیں سمجھتے تھے اور اُن کی مدح و ستایش کے کلمات کی فہرست اس وقت تک بالکل نامکمل سمجھی جاتی تھی جب تک اُس میں اُن کی علم پروری اور ہنر پسندی کے متعلق کافی الفاظ مدحیہ شامل نہ ہو جاتے تھے۔ نظم و نثر، کتاب و لوح، توقیع و فرمان، ہر جگہ دانش پژوہی اُن کے نام کی زینت کے لیئے طرۂ تاج متصور ہوتی تھی۔ اس سے ہمارا یہ منشا نہیں ہے کہ تمام سلاطینِ اسلام علم کے دیوتا تھے اور جو تاجدار ہوتا تھا اُس کے سر پر فضل و کمال کی دستار بھی ہوتی تھی، بلکہ دکھانا صرف اتنی بات ہے کہ علم کی قدر و فضیلت کا تصوّر سوسائٹی کے ہر طبقے میں جاگزیں تھا اور بنا بریں مسلمانوں کا علمی شغف سیاسی حالت کا چنداں پابند نہ تھا، یا بالفاظ دیگر تحصیل علم کی جد و جہد

کی فطرتِ ثانی نے مسلمانوں کے دل ودماغ پر ایسا تصرف حاصل کر لیا تھا کہ مدتِ مدید تک سخت سے سخت موانع بھی اس خاص غرض وغایت کی حصول سے انھیں باز رکھنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ بابا

جو کچھ ہم نے اوپر بیان کیا ہے اُس کا غالباً بہترین ثبوت اُس دور کی اسلامی تاریخ ہے، جو اس وقت ہمارے پیش نظر ہے۔ شاید اسلامی تاریخ میں مشکل سے کوئی دوسرا دور ایسا نظر آئیگا، جس میں فضل وکمال کی ایسی تابناک اور متعدد مثالیں موجود ہوں جیسی چوتھی پانچویں صدی نے دُنیا کے سامنے پیش کی ہیں۔ خواہ کوئی اسے اتفاق وقت سمجھے، یا ہماری طرح اس عہد کی عام اسلامی فطرت کا ایک مظہر تصور کرے یہ واقعہ ہے کہ خاص طبقۂ علماء سے گزر کر فضل وکمال کی شیفتگی اسلامی دنیا کے کثیر التعداد حکمرانوں اور اُمرا کے دل ودماغ پر قابض تھی۔ ان میں سے اکثر خود علم وفضل سے آراستہ تھے اور ظاہر ہے کہ اُن سے بڑھ کر فضلا وکملا کی قدردانی اور کون کر سکتا ہے۔ قدر علوم اور عزتِ اہلِ علم کی رفعت کی وجہ سے علما و فضلا کے طبقات ترقیِ علم میں جو بذلِ جد وجہد کرتے تھے اُس کا اندازہ محض تصور یا تخیلہ سے کرنا دشوار ہے۔ اس کے لیئے ضروری ہے کہ خاموشی اور غیر جنبہ داری سے ان لوگوں کی کوششوں کی بچی کھچی، مٹی مٹائی یادگاروں پر نظر ڈالی جائے اور واقعات کی بنا پر کوئی رائے قایم کی جائے۔

جیسا کہ اوپر کی تفصیل سے ظاہر ہو چکا ہے اس دور میں خلافت مشرقی میں آلِ بویہ سے بڑھ کر کسی کو اقتدار حاصل نہ تھا۔ ہمیں اُن کی سیاسی افعال سے کوئی بحث نہیں البتہ اُن کی علم دوستی بغیر خراجِ تحسین لیئے نہیں رہ سکتی۔ اُن کے عہدِ دولت میں بے شمار علما و فضلا گزرے اور اُن میں سے اکثر نے آل بویہ کے جود ومراحم سے بہرہ یاب ہو کر علم وحکمت

ب کی خدمت میں عمر بسر کی۔ اسی دور میں جو ہمارے پیشِ نظر ہے، عراق، خراسان، ورما وراء النہر کے اندر محض ماہرین ہیئت و ہندسہ کی ایک طویل فہرست پیش کی جا سکتی ہے، جو اپنے شعبۂ علم میں امتیاز تاریخی رکھتے ہیں اور جن میں سے اکثر اپنی شہرت کے لیے آلِ بویہ کے تلطفات کے رہینِ منت ہیں۔

ابو محمود حامد بن الخضر الخجندی[۱]، ابو سہل ویجان بن رستم الکوہی[۲]، ابو الحسن کوشیار[۳]

---

[۱] الخجندی، کبار فلکیین میں سے تھا اور اس کا تعلق امیر فخر الدولہ دیلمی کے دربار سے تھا جس کے نام پر اس نے ایک آلۂ رصد موسوم بہ "سدس الفخری" ایجاد کیا تھا۔ اس آلے کی مدد سے امیال و عروض البلاد کی ترصید کی جاتی تھی۔ سدس الفخری سے پہلے علمائے ہیئت ضبطِ ثوانی پر قادر نہ تھے، بلکہ صرف درجات اور دقایق نکال سکتے تھے اس آلے کی وجہ سے، جس سے ثوانی بھی معلوم ہو جاتے تھے، علوم فلکیہ کو بہت ترقی ہوئی۔ سدس جسے انگریزی میں سکسٹانٹ (Sextant) کہتے ہیں اس کا استعمال اب تک اجرام سماوی کے ارتفاع، میل البلاد، عروض البلاد اور مسافات معلوم کرنے کی غرض سے رصدگاہوں میں ہوتا ہے۔ بیرونی نے اس کی تعریف لکھی ہے اور ابی الحسن المراکشی نے اس آلے کی کیفیت بیرونی سے نقل کی ہے۔ عربی کے رسالہ المشرق جلد (۹) میں الخجندی کا ایک رسالہ شائع ہوا تھا جس میں آلۂ سدس الفخری کے ساتھ مقام رے میں خجندی کے (علمائے ہیئت کے گروہ کی مدد سے) ترصید شمس کرنے کی توضیح ہے۔ بیرونی نے جو اس آلے کی کیفیت لکھی ہے اسے بھی المشرق میں نقل کیا ہے۔ الخجندی کے رسالے سے دو اہم امور ماخوذ ہوتے ہیں (۱) الخجندی اختلاف انحناءِ فلک البروج سے واقف تھا، جو اس کے زمانے میں ۲۳° ۲۲′ ۱۸″ تھا اور ہر سال ۰۸ء۴۰ دقیقے کم ہو جاتا تھا (۲) عرض البلد معلوم کرنے کے متعلق وہ یہ قاعدہ جانتا تھا کہ تمام کواکب کا میل ارتفاعِ سمت کے برابر ہے اور اس لیے ارتفاع قطب کے برابر ہے جو اس کے عرض البلد کے برابر ہے جہاں کا عرض نکالنا مقصود ہے۔ یہ قاعدہ فی زمانہ رواج رکھتا ہے، لیکن متأخرینِ مغرب کی طرف منسوب ہے حالانکہ خجندی نے اس سے کام لیا ہے۔ الخجندی نے ۳۸۲ ہجری (۹۹۲ء) میں انتقال کیا۔

[۲] الکوہی کا تعلق شرف الدولہ کے دربار سے تھا جس نے ایک رصدگاہ قائم کرائی تھی، جہاں الکوہی نے عرصہ تک حرکاتِ کواکب کے متعلق مشاہدات کیے تھے۔ اعتدالین ربیعی و خریفی کے بارے میں الکوہی کی تحقیقات نہایت درست اور مقبول ہیں۔ الکوہی کا آخر زمانہ ۳۹۰ھ (۱۰۰۰ء) کے قریب کا ہے۔ [۳] بر صفحہ ۱۳

ابن کنان الجیلی، ابو الوفاؒ محمد بن محمد البوزجانی الصفاتی، ابو نصرؒ منصور بن علی بن عراق مولی باب

(بقیہ حاشیہ ص ۱۲) زیج کوشیار ایک مشہور تالیف فن ہیئت میں تھی۔ مؤرخین نے بیان کیا ہے کہ کوشیار نے ایک نہایت عمدہ رصد خانہ تیار کیا تھا، جہاں اس نے ۳۵۹ھ ہجری میں کثیر مشاہدات کیے۔ کوشیار کی ایک دوسری تالیف کا نام "زیج الجامع والسامع" ہے۔

لے ابو الوفا علمائے ہیئت میں نہایت مشہور و معروف شخص ہوا ہے قصبۂ ابوزجان واقع خراسان میں پہلی رمضان ۳۲۸ھ (۱۰ جون ۹۴۰ء) کو پیدا ہوا تھا۔ ۳۴۸ھ ہجری (۹۵۹ء) میں وطن سے عراق کو مراجعت کر گیا اور وقت وفات تک وہیں رہا۔ بقول ابن اثیر رجب ۳۸۸ھ ہجری (جولائی ۹۹۸ء) میں وفات پائی۔ اس کی تصانیف میں سے حسب ذیل کتابیں یورپ و مصر کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔

(۱) کتاب ما یحتاج الیہ الکتّاب و العمّال من علم الحساب (لیڈن و قاہرہ)

(۲) الکتاب الکامل۔ جس کے بعض حصے فرنسیسی میں ترجمہ ہوئے ہیں۔

(۳) کتاب متعلق مساحت و ہندسہ (کتب خانۂ ایا صوفیہ) اس کتاب کا اصل نسخہ اور ایک فارسی ترجمہ ہے۔ پیرس کی لائبریریوں میں بھی اس کے نسخے ہیں۔

اقلیدس اور الخوارزمی کے متعلق ابو الوفا نے جو شرحیں تحریر کی تھیں وہ کہیں موجود نہیں۔ "الواضح" کا بھی جو ہیئت کے متعلق تھی پتہ نہیں چلتا۔ "الزیج الشامل" جس کے نسخے پیرس اور برٹش میوزیم میں موجود ہیں معلوم ہوتا ہے ابو الوفا کی تصنیف سے ہے یا کم از کم اُسی کی تالیفات سے ماخوذ ہے۔

ابو الوفا کی شہرت کا باعث یہ ہے کہ اُس نے علم المساحت اور علم المثلثات میں بہت سے نئے قواعد نکالے تھے جن کی وجہ سے ان علوم میں بہت کچھ ترقی پیدا ہو گئی۔ جیوب (Tangents) اور خطوط قاطع (Secants) کے استعمال سے مثلثات اور ہیئت میں اُس نے نہایت مفید کام لیے۔ اختلاف قمر (Variation) کے متعلق اُس نے دنیا میں سب سے پہلے نظریہ اختراع کیا، حالانکہ خیال کیا جاتا ہے کہ ٹائکو براہی (TychoBrahe) جو ابو الوفا سے چھ سو سال بعد یورپ میں ہوا ہے اس نظریہ کو سب سے پہلے معلوم کرنے والا شخص ہے۔ ملے بر صفحہ ۱۴

باب امیر المومنین[۱] ابو علی بن اللیث الخولی، ابو سعید[۱] احمد بن محمد عبد الجلیل السنجری ابو الحسن[۲] اخور بن اُستاد حمص احمد بن عبد اللہ[۳] حبش، ابو علی الحسن بن الحسین البصری، ابو عبد اللہ محمد بن احمد السبتی

(بقیہ صفحہ ۱۳ سے) ابو نصر منصور عالم ہیئت بیرونی کا اُستاد اور دوست تھا اور اُس نے بیرونی کے نام پر کئی کتابیں لکھی تھیں جو آگے چل کر بیرونی کی تصانیف کے فہرست میں مذکور ہونگی۔ ابو نصر کا ۴۲۷ء؁ ۱۰۳۶ ہجری سے پہلے انتقال ہو گیا تھا جیسا کہ بیرونی کے خط سے ظاہر ہوتا ہے۔ اُس کی تصانیف میں سے تین کتابیں یورپ کے کتب خانوں میں موجود ہیں:

(۱) رسالہ فی البرھان علی حبش فی مطالع السمت فی زیجہ

(۲) رسالہ دربارہ علم المثلثات۔

(۳) رسالہ فی جدول الدقائق

[۱] بیرونی نے اس عالم ہیئت سے جو سجستان کا متوطن تھا آثار الباقیہ ص ۴۲ (۱۷) میں اہل سجستان کے مہینوں کے متعلق ایک روایت بیان کی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو سعید بیرونی کا ہم عصر اور دوست تھا۔ نیز کتاب استیعاب میں لکھا ہے کہ اُس نے ایک بڑی اصطرلاب تیار کی تھی جس میں کرۂ ارض کی حرکت کو تسلیم کر کے مسائل ہیئت کے نکالنے کے طریقے استنباط کئے تھے یہ اصطرلاب بیرونی کو بہت پسند آئی تھی۔ بیرونی کے مذکورۂ بالا قول سے ثابت ہوتا ہے کہ علمائے اسلام میں ابو سعید موصوف حرکت ارض کا قائل تھا اور جدت طبع اختراعی قابلیت میں ممتاز حیثیت رکھتا تھا۔ افسوس ہے کہ اس فاضل کے زیادہ حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

[۲] کئی جگہ پر بیرونی نے ابو الحسن اخور بن اُستاد یزدان خسیس کا ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بیرونی کے دوستوں میں سے تھا اور علم ہیئت میں مہارت کامل رکھتا تھا۔ جو روایات بیرونی نے اُس سے منقول کی ہیں وہ بتاتی ہیں کہ ابو الحسن اخور قدیم فارسی روایات اور عقائد و مراسم میں نہایت عمدہ بصیرت رکھتا تھا۔ دیکھو آثار الباقیہ ص ۴۲ (۹) ب۔

[۳] احمد بن عبد اللہ حبش مشہور علمائے ہیئت میں سے تھا اور اس کی تصانیف کی شرح اور اُس کے اعمال ہیئت کی تصدیق میں بیرونی اور اُس کے دوست ابو نصر نے متعدد اور ضخیم تالیفات لکھی تھیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ فضلائے عصر میں وہ غیر معمولی وقعت اور احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔

حبش (مشہور بہ "الحاسب") پہلا شخص ہے جس نے علم مساحت میں جیوب (Tangents)، فضل جیوب (Contangents) اور خط قاطع (Secants) کا استعمال دنیا میں رائج کیا۔ یہ ایک ایسا اضافہ تھا جس کی وجہ سے اس شعبۂ ریاضی میں بہت سی سہولتیں پیدا ہو گئیں۔

ابو جعفر الخازن، ابو عبید الضریر الجوزجانی، احمد الصاغانی متوفی ۳۷۹ھ (۹۸۹ء)، ابو سعد القبیصی سہل، ابو عبد اللہ[1] باب
محمد بن جابر البتّانی یہ اُن لاتعداد ازیادہ رفتہ فضلا میں سے چند افراد ہیں، جو ہیئت و ہندسہ
کے آسمان میں آفتاب ہو کر چمکے۔ امیر عضد الدولہ، جو خاندان بویہ کا ایک نامور حکمراں ہوا ہے،
اور جس کے فضل و کمال کی تاریخ ہمیشہ شاہد رہیگی، شریف بن الاعلم[2] اور عبد الرحمٰن[3] الصوفی

---

[1] ابو محمد عبد اللہ محمد بن جابر بن سنان البتّانی الحرّانی الصابی (۲۴۴ھ-۳۱۷ھ ہجری، ۸۵۸ء-۹۲۹ء) غالباً حرّان کے نواح میں پیدا ہوا۔ اس نے شہر رقہ میں جو فرات کے داہنے کنارے تھا زندگی کے اکثر دن گزارے، بیس سال کی عمر سے مشاہدۂ افلاک شروع کیا اور پچاس سال سے زیادہ مدت تک اسی مشغلے میں گزارے اکثر مشاہدات ہیئت دمشق میں کیے۔ البتانی کی تصانیف میں سے حسب ذیل تصانیف کے نام ہمیں معلوم ہیں۔ (۱) کتاب معرفت مطالع البروج فی ما بین ارباع الافلاک (۲) مائۃ مسئلہ (۳) رسالہ فی تحقیق اقدار الاتصالات (۴) شرح المقالات الاربع البطلیموس (۵) زیج البتانی۔ یہ اس کی خاص تصنیف ہے۔ اس پر بیرونی نے بھی ایک کتاب (جلاء الاذہان) لکھی تھی۔ زیج البتانی اس وقت بھی بعض کتب خانوں میں موجود ہے۔ اس کتاب کا نہ صرف ہیئت عرب پر اثر ہوا بلکہ یورپ میں عہد وسطی اور نشأۃ جدید (Renaissance) میں فن ہیئت کی ابتدا و ترقی میں اس سے نہایت مدد ملی سنہ ۱۱۱۳ء اور دوازدہم صدی عیسوی کے نصف اول میں اس کے لاطینی ترجمے ہوئے اور الفانسو دہم نے عربی سے ہسپانوی زبان میں ترجمہ کرایا۔ البتانی نے نہایت صحت کے ساتھ انحراف منطقۃ البروج (Obliquity of the Ecliptic) مقدار سال شمسی طریق الشمس (Solar Orbits) کو معلوم کیا اور بطلیموس کی اس رائے کو نہایت قوی دلائل کے ساتھ غلط ثابت کیا کہ اوج شمس (Solar Apogee) غیر متحرک ہے نیز اس نے قمر اور دیگر سیاروں کے دوائر حرکت (Orbits) کی تقسیم کی طلوع قمر کے ساعات معلوم کرنے کے متعلق ایک نیا اور جدت آمیز قاعدہ نکالا۔ بطلیموس کی مقدار استقبال نقطۃ الاعتدالین (Becession of the Equinoxes) کی اصلاح کی اور مساحت کروی میں قسطیع کرہ (Orthagraphic Projection) کے متعلق نئے قواعد وضع کیے۔ ڈن تھارن (Dun thorne) نامی فاضل ہیئت نے ۱۷۴۹ء میں البتانی کے مشاہدات کسوف شمس و قمر کی مدد سے حرکت قمر کا اوسط نکالا۔ غرض البتانی کا علم ہیئت پر بڑا احسان ہے اور وہ منتخب فضلا میں سے شمار کیے جانے کا مستحق ہے۔

۱۵۳۷ء میں یورپ میں ایک مجموعۂ البتانی کا شائع ہوا تھا جس کا نام "علم الکواکب" (De Scientia Stellarum) تھا۔ یورپ میں البتانی، البتغی (Albategni) اور البتینیس (Albateinus) کے ناموں سے معروف تھا۔ بقیہ ۳۲ بر صفحہ ۱۶

باب ۱ کی شاگردی پر فخر کیا کرتا تھا۔ قدردانی کا یہ حال تھا کہ مشہور نحوی اور لغوی ابوعلی فارسی کے حق میں جو ایک وقت امیر موصوف کے زمرۂ علما میں شامل تھا، بے ساختہ یہ فقرہ نکلا تھا، جو اُس کی ہنر پروری کو بقائے دوام کے خلعت سے سرفراز کرتا ہے کہ "میں ابوعلی کے ادنیٰ غلامانِ غلام میں سے ہوں"۔ یہ الفاظ اُس شخص کے منہ سے نکلے تھے، جو خود ایک جید نحوی کی حیثیت رکھتا تھا، اور ابوعلی کی "ایضاح" جیسی کتاب اُس کے معیار پر پوری نہ اُتری تھی اور مصنف کو تکملہ لکھ کر اپنی ساکھ قایم رکھنا ضروری معلوم ہوا تھا۔ اسی صاحب فضل کے دربار میں فاضل متبحر حکیم ابوعلی بن مسکویہ[۱] اور طب کا فخر زمانہ عالم علی بن عباس بھی تھے

(بقیہ ص ۱۵ ح ۲) شریف ابن الاعلم (متوفی ۳۷۵ہجری ۹۸۵ء) عبدالرحمٰن صوفی کا معاصر تھا۔ فن ہیئت میں اُس کی جداول شہرتِ خاص رکھتی تھیں، مفصل حالات ہمیں معلوم نہیں۔

ح ۳ ابوالحسین عبدالرحمٰن بن عمر الصوفی الرازی اکابر ماہرین ہیئت میں سے تھا۔ رے میں ۲۹۱ہجری (۹۰۳ء) میں پیدا ہوا اور ۳۷۶ہجری (۹۸۶ء) میں وفات پائی۔ عبدالرحمٰن اور شریف دونوں عضدالدولہ کے اُستاد تھے۔ عبدالرحمٰن کی تالیفات میں حسب ذیل تصانیف یورپ کے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں۔

(۱) کتاب الکواکب الثابتہ (الصور السمائیہ) اس کے نسخے برلن، پیرس، آکسفورڈ، برٹش میوزیم، انڈیا آفس سینٹ پٹرزبرگ اور ایا صوفیہ کی لائبریریوں میں موجود ہیں اور اُن کا فرانسیسی ترجمہ ۱۸۷۴ء میں سینٹ پٹرزبرگ میں شائع ہو چکا ہے (۲) کتاب التذکرہ فی مطارح الشعاعات (۳) مدخل فی الاحکام، اس کے نامکمل نسخے پیرس اور انڈیا آفس میں موجود ہیں (۴) رسالہ فی الاصطرلاب، موجودہ پیرس، ایا صوفیہ، سینٹ پیٹرزبرگ۔

عبدالرحمٰن کے بیٹے ابوعلی بن ابوالحسین نے "ارجوزہ" نام کی ایک کتاب ثوابت کے متعلق لکھی تھی جس میں نہایت کوشش سے اشکال ہیئت شامل کی تھیں، اس کتاب کے نسخے پیرس، میونخ، گوتھا، بولون اور قاہرہ کی لائبریریوں میں موجود ہیں۔

ح ۱ ابوعلی مسکویہ پانچویں صدی ہجری کا مشہور طبیب، فلسفی، ادیب اور مورخ ہوا ہے، ایک زمانے میں وہ عضدالدولہ کا خزانچی تھا اور سلطان موصوف سے اس کے دوستانہ مراسم تھے۔ اُس کی چند تصانیف اس وقت بھی متداول ہیں۔ منجملہ اُن کے اصول شرع کے متعلق ایک فلسفیانہ کتاب بھی ہے، جو نہایت عزت کی نظر سے دیکھی جاتی ہے، ابن مسکویہ کا انتقال ۹ صفر ۴۲۱ھ (۱۰۳۰ء) میں ہوا۔ محقق طوسی نے ابن مسکویہ کی تہذیب الاخلاق و تطہیر الاعراق کا فارسی ترجمہ کیا تھا جس کا نام اخلاقِ ناصری ہے۔

باب حامد خجندی کا تعلق فخر الدولہ دیلمی سے تھا جس کی قدرِ علوم اور عزتِ اہلِ علم کی شکرگزاری (بقول خجندی) طبقاتِ علما، انکشافات و معلومات جدیدہ میں اعمالِ فکر اور بذلِ جد کے ذریعہ سے کرتے تھے۔ اس کے حکم سے ماہرانِ ہیئت نے رے میں ایک رصدگاہ قایم کر رکھی تھی، جہاں اُن کا جمِ غفیر ذوات الحلق وغیرہ آلات کی مدد سے مشاہدات کیا کرتا اور "زیج الفخری" کے لیے مواد بہم پہونچاتا تھا۔ شمس الدولہ امیر ہمدان اور علاؤ الدولہ، امیر اصفہان کے نام بحیثیت ابن سینا کے اولیاے نعمت ہونے کے شہرتِ خاص رکھتے ہیں۔ علاؤ الدولہ کے علمی مذاق کی یہ کیفیت تھی، کہ ہمیشہ شبِ جمعہ کو مجالس علمی منعقد ہوا کرتی تھیں، جہاں وہ بہ نفسِ نفیس شریک ہو کر دادِ فضل دیتا تھا۔ صرفِ کثیر سے ایک رصدخانہ قایم کرایا تھا، جس میں ابن سینا اور اُس کے شاگرد رشید ابو عبیدہ نے آٹھ سال تک مشاہدات کیئے۔ متقدمین کی بہت سی غلطیاں نکالیں اور جدید معلومات بہم پہونچائیں۔

سیف الدولہ بن حمدان، جس کی شان میں عرب کے شہرۂ آفاق شاعر متنبّی نے قصائد کہے اور جس کے دربار میں ابو علی فارسی عرصے تک عز امتیاز رکھتا تھا اپنی علم پروری کے لیئے موخرین کی وقعت کا مستحق ہے۔ اسلام کا نامور حکیم ابو نصر فارابی[1] جس کے قوۂ ذہنی کی غیر معمولی

---

[1] ابو نصر فارابی نے تحصیل علوم بغداد میں کی۔ بغداد سے حلب گیا جہاں سیف الدولہ کی توجہات کی بدولت فکرِ معاش سے مستغنی ہو کر عزلت گزیں رہا اور تصنیف و تالیف میں عمر کاٹی۔ جب سیف الدولہ دمشق گیا تو فارابی کو اپنے ہمراہ لیتا گیا وہیں ۳۳۹ھ (۹۵۰ء) میں اُس کا انتقال ہوا۔ فارابی ایک کثیر التصنیف عالم ہوا ہے اور متقدمین میں نہایت احترام اور پایہ کا حکیم سمجھا گیا ہے۔ افسوس ہے کہ ہم تک اُس کی بہت کم کتابیں پہونچی ہیں۔ فلسفہ و منطق اور تصوف سے ذوقِ فطری رکھتا تھا علاوہ ازیں اُسے موسیقی میں مہارتِ کامل تھی کئی راگ اُس کی طرف منسوب ہیں اور فنِ موسیقی میں نہایت بیش قیمت تالیفات چھوڑی تھیں۔ سیف الدولہ فارابی کے نغمہاے داؤدی کا بہت دلدادہ تھا۔ یورپ میں عہدِ وسطی میں فارابی کی تالیفات منجملہ اُن کتبِ حکمت کے تھیں جن پر اُس زمانے کے محبانِ حکمت کا دار و مدار تھا۔

حالت کا اعتراف دنیائے علم نے اُسے "معلمِ ثانی" کا تمغۂ امتیاز عطا کرکے کیا ہے۔ اسی امیر کی قدر شناسی کا مرہونِ احسان تھا۔ بابا

وسط ایشیا کے اسی عہد سے تعلق رکھنے والوں میں ابوبکر محمد بن زکریا الرازی[1] بھی ہے

---

[1] ابوبکر محمد بن زکریا الرازی (متوفی ۳۱۱ھ ہجری بمطابق ۹۲۳ء) اطبائے اسلام میں نہایت سربرآوردہ شخص گزرا ہے۔ فنِ طب میں اُس نے چھوٹی بڑی دو سو کے لگ بھگ کتابیں لکھی تھیں جن میں سے چند ہم تک بھی پہنچی ہیں۔ رازی ایک عرصے تک رے، جندیشاپور اور بغداد کے شفاخانوں کا افسرِ اعلیٰ تھا، سامانی بادشاہ ابوصالح منصور بن اسحاق کی عنایات اُس پر خاص طور پر مبذول تھیں چنانچہ اُس نے اپنی معرکۃ الآرا تصنیف "المنصوری" اسی بادشاہ کے نام پر معنون کی تھی۔ ابوبکر رازی کیمیا کا نہایت پرجوش حامی تھا اور گویا اس فن کی حمایت میں اُس کی جان گئی۔ اُس نے علم کیمیا کے ثبوت میں ایک کتاب "اثبات الکیمیا" لکھ کر منصور کی خدمت میں پیش کی تھی۔ بادشاہ نے دیکھ کر حکم دیا کہ بعض تجربے، جو اُس کتاب میں لکھے گئے تھے، اُس کے سامنے کرکے دکھائے جائیں۔ اتفاق وقت سے رازی بعض تجربوں کے سرانجام دینے میں عدم ناکام رہا۔ منصور جو ایک نہایت مغلوب الغضب شخص تھا اس قدر ناراض ہوا کہ اُس نے بہت زور سے ایک چابک رازی کے منہ پر مارا، جس کی وجہ سے رازی کی آنکھ جاتی رہی اور اس صدمے سے وہ جاں بر نہ ہو سکا۔ رازی کی سب سے مشہور تصنیف "الحادی" ہے۔ بعض تصانیف کے نام ہمیں معلوم ہو سکے ہیں وہ ہم ذیل میں درج کیے دیتے ہیں:-

(۱) الضوء (۲) المدخل فی الطب (۳) علل المفاصل (۴) التریاق (۵) امراض الجلد (۶) الاقسام (۷) الاغذیہ (۸) التدابیر (۹) الاکسیر (۱۰) الحجر (۱۱) الترتیب (۱۲) نکتۃ الرموز (۱۳) شرف الصناعہ (۱۴) الحیل (۱۵) الاسرار (۱۶) رسالۃ الخاصہ (۱۷) الحجر الاصغر (۱۸) الرد علی الکندی فی ردہ علی صناعہ (الکیمیا)۔

نیز رازی کا ایک رسالہ چیچک کے اوپر ہے جس کا ترجمہ بھی یورپ میں ہوا ہے اور ڈاکٹروں میں بہت مقبولیت کی نظر سے دیکھا گیا ہے۔ مسعودی کی کتاب "مروج الذہب" کے انگریزی ترجمے (جلد اول ص ۳۹) میں مترجم نے ایک نوٹ لکھا ہے کہ لیڈن لائبریری میں رازی کا ایک رسالہ ہے جس کا نام "کتاب الباہ" ہے جس میں اس مبحث خاص کے متعلق نہایت بیش از قدر معلومات درج ہیں۔ مترجم مروج الذہب اس کتاب کو عربی طب کی ایک اعلیٰ یادگار تصور کرتا ہے۔

عہد وسطیٰ میں یورپ میں رازی کی چند تصانیف ترجمہ ہو کر پہنچ گئی تھیں، جنھوں نے علمائے یورپ میں مذاقِ طب میں نئی روح پھونکی۔ ابوبکر رازی کو یہ لوگ رازز (Rases) کے نام سے جانتے تھے۔

جو طبقۂ اطبائے اسلام میں ہمیشہ مایۂ ناز تصور کیا گیا ہے۔ نیز فلسفیانِ اسلام کی مشہورِ عالم انجمن باب "اخوان الصفا"[1]، جس کے رسائل آج تک دلچسپی اور فائدے کی غرض سے پڑھے جاتے ہیں، اسی دَور کے شیدایانِ حکمت کی ایک بزم تھی۔

اِس زمانے میں مصر میں خلفائے فاطمیہ کا دور دورہ تھا اور بلاشبہ عربی حکومتوں میں اُن کا آفتابِ اقبال نصف النہار پر تھا۔ عزیز باللہ (۳۶۵ھ ۹۷۵ء – ۳۸۶ھ ۹۹۶ء) اور حاکم بامر اللہ (۳۸۶ ہجری ۹۹۶ء – ۴۱۱ھ ۱۰۲۱ء) کے زمانے میں قاہرہ مرکز علوم تھا، جہاں حکومت کی قدردانی نے قریب و بعید سے اہلِ فضل لا جمع کئے تھے۔ مشہور مہندسین ابن یونس[2] اور ابن البندی کا اسی

(بقیہ حاشیہ ص ۱۸) ابوریحان بیرونی نے اپنے خط میں ابوبکر رازی کی جودتِ طبع و حدت فہم اور حذاقت و تبحر کا قوی الفاظ میں اعتراف کیا ہے۔ البتہ رازی کے فلسفیانہ اور مذہبی خیالات کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا ہے۔

[1] اِن مشہور و معروف رسائل کا زمانۂ تالیف ۳۶۰ ہجری (۹۷۰ء) سے لیکر ۳۷۰ ہجری (۹۸۰ء) تک ہے۔

[2] علی بن یونس نامور متبحرین میں سے گزرا ہے۔ وہ ایک نغز گو شاعر بھی تھا، لیکن اُس کی شہرت کا مدار فنِ ہیئت پر ہے۔ اس نے اپنے مشاہدات کے نتائج کو "زیج الحاکمی" میں جمع کیا تھا۔ یہ کتاب فنِ ہیئت کی مقبول ترین تالیفات میں سے تھی۔ عمر خیام اور نصیر الدین طوسی نے اپنی زیجات کے تیار کرنے میں اس کتاب کو بطور نمونہ پیشِ نظر رکھا تھا بلکہ اس کا ترجمہ اور نقل چینی (۱۲۸۰ء) اور یونانی زبانوں تک میں ہوا تھا۔ چین میں ابن یونس کے جدول جمال الدین کے ذریعہ سے پہونچے جہاں کوچیو کنگ نامی چینی ہیئت داں نے اُسے چینی زبان میں نقل کیا تھا۔ ابن یونس کا ۳۹۹ ہجری (۱۰۰۹ء) میں انتقال ہوا اور اُس کے بعد اُس کے مشاہدات کو ابن البندی اور حسن ابن الہیثم نے جاری رکھا۔

ابن یونس پہلا شخص ہے جس نے پینڈولم کے حرکات کے ذریعہ سے وقت کی شمار کا حال معلوم کیا نیز اُس نے انحراف مدار الشمس (Obliquity of the Ecliptic) کو ۲۳ درجہ ۳۵ دقیقہ پایا، جو کہ تحقیقات جدیدہ سے تقریباً مطابق ہے۔ یورپ کے اندر ابن یونس کی زیج کی طرف اٹھارویں صدی عیسوی کے اواخر میں لوگوں کی توجہ مبذول ہوئی تھی (laausen) کاسن نامی ایک فرانسیسی عالم نے ۱۸۰۴ء میں لیڈن یونیورسٹی کے ایک قلمی نسخے سے اس کتاب کا ترجمہ کیا تھا۔ اس میں ۲۸ کسوفات بتعلق الاعتدالین (Equinoces)، ایک انحراف مدار شمس کے مشاہدات درج ہیں نیز شمس و قمر کے مشاہدات کی بھی ایک جدول ہے۔

باب دربار سے تعلق تھا۔

دارالسلام بغداد کی اس زمانے میں جو خستہ خراب حالت تھی اُس کا حال اوپر درج ہو چکا ہے۔ لیکن اس گئی گزری حالت میں بھی جب بغداد میں ابن سمعون جیسے سحر بیان، اور خطیب بغدادی جیسے محب وطن مورخ پیدا ہوئے رہتے تھے، وہاں بنو امجور[1] جیسے ہیئت دانوں کا مطالعہ فلک میں مستغرق ہونا اُس دور کی اسلامی روح علمی کا ایک عام مظہر سمجھنا چاہیئے۔

ممالک مذکورۂ بالا سے گزر کر جب ہماری نظر اُس محسن کش سرزمین پر پڑتی ہے، جہاں آج وادی کبیر عربی اقبال و تمدن کی نوحہ خوانی کر رہا ہے، تو ہم دیکھتے ہیں کہ یہ زمانۂ خلافت غربی کا زریں عہد علمی ہے جس کی نظیر اس بدقسمت ملک کی تاریخ میں کبھی نہیں ملیگی۔ یہاں سیاسی انتزاع کا آغاز پانچویں صدی ہجری سے ہوتا ہے۔ لیکن علمی ترقی و رفعت کا دور دوسرے ممالک اسلامی کے دوش بدوش ہے۔ عبدالرحمن اعظم (عبدالرحمن ثالث) (۳۰۰ تا ۳۵۰ ہجری ۹۱۲ تا ۹۶۱ء) کا نامور سپوت حکم (۳۵۰ تا ۳۶۶ ہجری ۹۶۱ تا ۹۷۶ء) اسی دور کی دایہ کی گود میں پلا اور مورخ یہ حق نہیں رکھتا کہ اُس کے ضرب المثل علمی مشاغل اور فضل و تبحر کو عام اسلامی مذاق سے کوئی جداگانہ شئی تصور کرے۔ یہ سچ ہے کہ حکم ثانی اپنی معاصرین میں بلحاظ ذوق علوم سب سے فایق تھا[2] اور اُس کا

---

[1] یہ دو عزیز تھے جن کے نام علی ابن امجور اور ابو الحسن علی بن امجور ہیں۔ اواخر چہارم صدی ہجری میں انھوں نے حرکاتِ قمر کے متعلق قابل قدر تحقیقاتیں کی تھیں۔

[2] المستنصر باللہ الملقب بہ حکم ثانی الناصر لدین اللہ عبدالرحمن ثالث کا بیٹا تھا۔ اُس کا علمی شوق تاریخ اندلس میں شہرت عام رکھتا ہے۔ مورخین کا بیان ہے کہ اُس نے اپنے عظیم الشان کتب خانے میں چار لاکھ کتابیں جمع کی تھیں اور تقریباً سب کو مطالعہ کیا تھا اور سب پر قیمتی حواشی اپنے ہاتھ سے لکھے تھے۔ دُنیا میں اُس کے ایجنٹ کتابوں کو تلاش کرتے پھرتے تھے اور مصنفین سے تصنیف فرمایش کی جاتی تھی کہ وہ سب سے پہلا نسخہ اپنی تالیف کا قرطبہ کے کتب خانے کے لیئے دیں چنانچہ کتاب الاغانی کے مصنف نے اپنی کتاب کا پہلا نسخہ حکم کی نذر کیا تھا اور بیش از قدر صلہ پایا تھا۔

جمع اور مطالعہ کیا ہوا کتب خانہ بلحاظ انتخاب و شمار کتب اپنی نظیر نہ رکھتا تھا، لیکن جو درخشندہ عہد باب مورخ کے پیش نظر ہے اُسے دیکھتے ہوئے وہ حکم کی مثال کو محیر العقول نہیں سمجھ سکتا۔

اندلوسیہ عظمیٰ میں اس زمانے میں علوم حکمت نے ایسی ترقی کی تھی کہ ایک وقت اُس کے مقابلے میں حکومت اور تعصب کی اٹل کوششیں سولے بے سود ثابت ہونے کے کچھ نہ کر سکیں۔ یہی زمانہ تھا، جب اسپین نے ہیئت میں وہ ترقی کی جو اُس سے پہلے اور اُس کے بعد وہاں کے ارباب فضل کو میسر نہیں آئی۔ خلافت غربی کے سب سے مشہور ہیئت داں مسلمہ المجریطی[1] (متوفی ۳۹۹ھ ہجری ۱۰۰۸ء) ابن السمح (متوفی ۴۲۶ھ ہجری ۱۰۳۸ء) جابر بن افلح[2] (متوفی ۴۲۶ھ ہجری ۱۰۳۸ء) اور الزرقالی[3] (جو پانچویں صدی کے اواخر میں اسپین کا نہایت نامور ماہر ہیئت گزرا ہے) یہ وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کے واسطے ہر زمانے میں مایۂ ناز تصور کیئے جائینگے، اور دنیائے تمدن جن کی ہمیشہ رہین منت رہیگی۔ یورپ میں علم ہیئت

---

[1] مسلمہ ایک جامع العلوم والفنون شخص تھا اُس نے ممالک اسلامیہ میں خوب سیاحت کی تھی اور رسائل اخوان الصفا کو لاکر سب سے پہلے اندلس میں اسی نے شائع کیا تھا۔ کیمیا میں مہارت تامہ رکھتا تھا اور اس علم میں کنز الفضائل ایک کتاب لکھی تھی۔

[2] عہد وسطیٰ میں جابر کا نام یورپین لب لہجہ میں جیبر فیلیس افلی (Geber filius Afflah) تھا اُس کی کتاب "المثلثات الکرویۃ" کا یورپ میں ترجمہ ہوا تھا۔

[3] الزرقالی علمائے ہیئت میں عز امتیاز رکھتا ہے۔ وہ مشاہدۂ فلک میں غیر معمولی استغراق رکھتا تھا۔ کہتے ہیں کہ صرف اوج شمس کی دریافت کے لیئے اُس نے چار سو دو مشاہدات کیئے تھے اور استقبال نقطۃ الاعتدالین کے متعلق نہایت صحیح مقدار دریافت کی تھی۔ اِس کے علاوہ الزرقالی کی خاص شہرت آلات ہیئت کے ایجاد سے تعلق رکھتی ہے۔ مامون شاہ طلیطلہ کے واسطے اُس نے "اصطرلاب مامونیہ" ایجاد کی تھی۔ دُنیا میں سب سے بہتر اصطرلاب تھی جس کا اشبیلیہ کے بادشاہ معتمد بن عباد کے نام العبادیہ نام رکھا۔ لیکن ماہرین ہیئت میں یہ اصطرلاب "صفیحۃ الزرقالیہ" کے نام سے معروف ہے۔ یورپ والے اسے سفا کا (Saphaea) کہتے تھے۔

باب کی اشاعت اور جدید ہیئت کے آغاز و بنیاد کا باعث یہی اساتذۂ فن تھے۔ الفانسو دہم (۱۲۵۲ء–۱۲۸۴ء) شاہ کسٹائل (اسپین) کی لاطینی جداول نجوم، جن کی بدولت یورپ مبادی ہیئت سے روشناس ہوا، وہ جزءً و کلاً اساتذۂ اسلام کی خوشہ چینی کا نتیجہ ہیں۔

اِسی بے نظیر دور کے اواخر سے تعلق رکھنے والا اُندلس کا فقید النظیر فاضل ابوبکر بن صائغ بن باجہ اندلسی[1] تھا جس کے تذکرے کے لیئے بلاشبہ دفتر کے دفتر درکار ہیں جیساکہ

---

[1] مبدء فیض سے ابن صائغ کو وہ دماغی و ذہنی اوصاف عطا ہوئے تھے، جن کا ایک شخص کی ذات میں جمع ہونا حیر کا باعث ہوتا ہے۔ اٹھارویں صدی کے مشہور جرمن فاضل گیٹے (Goethe) کی بابت مشہور ہے کہ اُس کا دماغ ایسی مختلف خواص کا مجمع تھا، جو فردِ واحد میں شاذ ہی پائے گئے ہیں، لیکن ابن صائغ کی ہمہ گیر طبیعت کو دیکھتے ہوئے گیٹے کی وسعت دماغی (؟) کچھ حقیقت نہیں رہتی اور علی بن عبدالعزیز امام غرناطہ کے اس قول سے اتفاق کرنا پڑتا ہے کہ:- "ابن صائغ اعجوبۂ دہر تھا" ابن صائغ جیسا ذہین تھا ویسا ہی حیرت انگیز حافظہ رکھتا تھا۔ وہ طبیعیات، ریاضی، ہیئت نجوم، طب، جغرافیہ وغیرہ علوم حکمت میں نہ صرف دست گاہ کامل رکھتا تھا بلکہ اُس نے اپنے استادانہ اجتہاد سے اپنا نام صدرِ حکمائے عالم میں لکھا یا ہے۔ تمام تاریخی روایات ہم زبان ہیں کہ ابن صائغ طب اور فلسفے میں استاذ الاساتذہ مانا جاتا ہے، مابعدالطبیعیات سے عجیب و غریب اُصول اور لطیف مسائل استنباط کرکے اُصول طب سے مطابقت کی اور طبیعیات اور طب کے اعمال میں بہت کچھ دقت نظری کا ثبوت دیا۔ علوم حکمت میں تبحر کی یہ کیفیت تھی، لیکن انشا و ادب کے میدان میں بھی اُس کی طبیعت کی ایسی ہی جولانی تھی۔ عربی ادب میں ابن صائغ کی انشا پردازی اور شاعری کو بے بدل تصور کیا جاتا ہے اور مورخین کا بیان ہے کہ موسیقی میں ابن صائغ ماہرِ یگانہ تھا۔ وہ حافظ قرآن بھی تھا۔ غرض ابن صائغ طبیب تھا، فلسفی تھا، ماہرِ ریاضی تھا، اور شاعر بے بدل تھا اور فن موسیقی میں بھی مشہور و معروف تھا، لیکن اس سے بڑھ کر یہ لطف کی بات ہے کہ میدانِ عمل کا وہ بھی پورا شہسوار تھا، ابتدا میں اندلوسیہ مشرقی کے حکم امیر ابوبکر اور بعد میں یحییٰ بن سعید تاشفین فرماں روائے اندلوسیہ غربی کا وزیر رہا اور اُس کا عہد وزارت مراکو اور اسپین کی تاریخ میں ہمیشہ عدل و انتظام کے واسطے زبان زد عوام تھا حاسدوں نے زہر دے کر ایسے فاضل سے دنیا خالی کردی۔ سنہ ولادت معلوم نہیں ہے فیض میں ۵۳۳ھ ہجری میں انتقال کیا یورپ میں ابن صائغ (Avempace) اوپمپیس کے نام سے معروف ہے جو عہد وسطیٰ کی یادگار ہے۔

ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں اندلس میں انقراضِ سلطنت کا آغاز پانچویں صدی ہجری کے اوائل میں واقع ہوا۔ مشرقی ممالک کی طرح جا بجا چھوٹی چھوٹی خود مختار اور آزاد حکومتیں قایم ہو جانے پر علمی مشاغل کے مرکز نقل جدید قایم شدہ ریاستوں کے دارالحکومت قرار پائے۔ قرطبہ، اشبیلیہ، غرناطہ، طلیطلہ وغیرہ نے ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر علم پروری کا ثبوت دیا۔ جا بجا مدارس اور کتب خانے قایم تھے، جہاں ہر فن کے ماہر اور متلاشیان علوم اپنی پیاس بجھاتے اور دوسروں کو سیراب کرتے تھے۔ "علم طب میں اندلس کے اطبا کی جدید معلومات نے اتنا اضافہ کیا، جتنا جالینوس کے عہد سے اس وقت تک نہ ہوا تھا۔"[1] باب

فنون حکمت کے سوا، ادب کی یہ حالت تھی کہ یورپ میں کبھی ایسا زمانہ نہیں ہوا جب شاعری کو ایسی قبولیت عامہ نصیب ہوئی ہو جیسی کہ اس زمانے میں۔ یہ وہ عہد تھا، جب ہر طبقے کے لوگ عربی میں اس انداز کے اشعار موزوں کرتے تھے، جو ہسپانوی اور اطالوی مطربوں کے لیے نمونہ ہوتے اور جن کی تقلید وہ اپنے گیتوں اور نظموں میں کرتے تھے۔ کوئی تقریر یا مکالمہ اس وقت تک مکمل نہ ہوتا تھا، جب تک ایک آدھ بیت فی البدیہ موزوں کرکے یا موقع و محل کے لحاظ سے کسی بڑے شاعر کے کلام میں سے لیکر استعمال نہ کی جاتی۔ افریقۂ اسلامی میں سوطنجہ، فیض، مراقش، مکناسہ، طلمسان، قیروان وغیرہ جہاں کم و بیش خود مختار حکومتیں قایم تھیں، میدان علم میں قرطبہ و غرناطہ کی حریف تھیں وہاں سے بڑے بڑے استاد نکلتے تھے، جن کی قدر مشرق و مغرب میں ہر جگہ ہوتی تھی۔

جس شاندار حالت کا ہم نے اوپر ایک نہایت سرسری اور نامکمل خاکہ کھینچا ہے وہ پانچویں صدی ہجری کے بعد کچھ زیادہ دنوں تک قایم نہ رہی مغرب میں ابن طفیل (۵۸۱ھ، ۱۱۸۵ء)

---

[1] لین پول تاریخ اسپین ص ۱۴۴

باب ابن رشد (۵۹۵ھ ۱۱۹۸ء)، ابن زہر (۵۵۷ھ ۱۱۶۱ء)، ابوالقاسم اور ابن بیطار (۶۴۶ھ ۱۲۴۸ء) وغیرہ[1] کے سدا زندہ رہنے والے ناموں پر ایسا پردہ پڑا کہ پھر نہ اُٹھا۔ مشرق نے عمر خیام[2] اور محقق طوسی[3] کے ناموں پر ایسا خطبۂ اختتام پڑھا کہ پھر وہ صورتیں اور وہ مجلسیں نظر نہ آئیں۔ اس علمی مذاق کے زوال و انتزاع پر غور کرنا، ہر لحاظ سے دلچسپ اور مفید ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ ایسی وسیع اور پیچیدہ بحث ہے جو ہمارے موجودہ مبحث کے دائرے سے خارج ہے اور سوائے اس کے کوئی چارۂ کار نہیں کہ اسے کسی دوسرے وقت کے لئے اُٹھا رکھیں۔ بہر نہج ایک دفعہ انحطاط اور انتزاع کے اسباب کا غالب آنا تھا کہ دوبارہ اسلام کو وہ بے نظیر زمانہ دیکھنا نصیب نہ ہوا، بلکہ انقلاب پسند زمانے نے اُس دور کے آثار کو بھی ایسا ملیامیٹ کر دیا کہ اب اس عالم گیر اسلامی ترقی کا کامل تصور بھی دشوار معلوم ہوتا ہے۔ ہزار ہمارے دل میں یہ اُمنگ پیدا ہو کہ اس علمی زمانے

---

[1] ابن طفیل وغیرہ یہ تمام اندلس کے نامور فلسفی اور طبیب ہیں۔ عہدِ وسطیٰ میں یورپ میں ابن رشد اویروز (Averroes)، ابن زہر اوین زور (Avenzoar)، ابوالقاسم البوکیسس (Albucasis) اور ابن بیطار اوین بیطار (Aven Bethar) کے ناموں سے مشہور تھے۔ ابن طفیل نے ۵۸۱ھ ۱۱۸۵ء، ابن رشد نے ۵۹۵ھ ۱۱۹۸ء، ابن زہر نے ۵۵۷ھ ۱۱۶۱ء، ابوالقاسم نے ـــــ اور ابن بیطار نے ۶۴۶ھ ۱۲۴۸ء میں انتقال کیا۔

[2] عمر خیام (۴۱۱ھ ۱۰۱۹ء تا ۵۱۷ھ ۱۱۲۳ء) کی رباعیات اس قدر شہرت رکھتی ہیں کہ اُس کے شاعری کی بابت کچھ کہنا غیر ضروری ہے البتہ یہ بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ فلسفی اور شاعر ہونے کے ساتھ علم ہیئت میں بھی دست گاہ رکھتا تھا۔ سال شمسی کی مقدار جو خیام نے معلوم کی وہ نہایت صحیح اور متقدمین میں سب سے بہتر ہے۔ خیام کی تحقیقات سے سال شمسی ہوتا ہے (۳۶۵)، دن ۵ گھنٹے ۴۹ منٹ کا اور محققین حال کی تحقیقات کی رو سے ہوتا ہے (۳۶۵) روز ۵ گھنٹے ۴۹ منٹ ۴۸ سیکنڈ

[3] خواجہ نصیر الدین معروف بہ محقق طوسی (۵۹۷ھ ہجری ۱۲۰۱ء تا ۶۷۲ھ ۱۲۷۴ء) متقدمین حکمائے اسلام میں سے تھا۔ نصیر الدین طوسی کی خاص شہرت کا باعث علوم ریاضی ہیں ۶۵۷ھ ہجری (۱۲۵۹ء) میں ہلاکو خاں کے حکم سے مراغہ میں ایک رصدگاہ قائم ہوئی تھی، جہاں محقق مذکور نے رصد کے بعد "زیج ایلخانی" تیار کی تھی ہیئت متاخرین کا دار و مدار عہد مابعد میں صرف زیج ایلخانی اور زیج الغ بیگی (مرتبہ ۸۴۱ھ ہجری ۱۴۳۷ء) پر رہ گیا تھا۔ الغ بیگ کے اوپر گویا فن ہیئت کا عملی شوق مسلمانوں میں تقریباً ختم ہو گیا

کی جی بھر کے سیر کریں ورامتداد زمانہ کی تاریکی سے نکل کر اس روشن زمانے میں جا پہنچیں لیکن باب
موافق اسباب کا دروازہ ایسا بند ہوا ہے کہ اس آرزو کا مہد اس کا قبر بنجاتا ہے۔

سامانیہ، دیلمیہ اور سلجوقیہ کی طرح جرجان، خوارزم اور غزنی کی حکومتیں بھی جن کا اس دور سے واسطہ ہے، علم پروری میں کسی سے پیچھے نہ تھیں لیکن افسوس آج ہمارے ہاتھوں میں اس زمانے کے فضلا کی تصانیف کے پورے ذخائر موجود نہیں ہیں بلکہ اُن میں سے اکثر لوگوں کے نام بھی نامعلوم ہیں۔ یہ افسوسناک حالت وسط ایشیا کی علمی تاریخ مرتب کرتے وقت بالخصوص پیش آتی ہے۔ عہد مابعد میں ان ممالک میں بپا ہونے والے سیاسی طوفان بے تمیزی، اور اس سے پیشتر چھٹی صدی میں انقلاب خیالات نے جو معرکۂ مذہب و فلسفہ کے باعث پیدا ہوا علمی تصانیف اور علمی روح کو بڑا صدمہ پہنچایا اور مذاق علمی میں بڑا تلاطم پیدا کر دیا تعصب جہالت اور بے اعتنائی کے اوپر غلبۂ چنگیز و ہلاکو نے علمی ذخائر کی تباہی و بربادی کے دوسرے وجوہات پیدا کر دیئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس وقت ہمارے ہاتھ میں جو تواریخ اور تذکرے موجود ہیں اُن میں بجز اُن شعرا کے جو بادشاہوں یا امیروں کی شان میں قصیدے کہا کرتے یا گل و بلبل اور نائے و نوش کے مضامین باندھنے میں اپنی عمریں صرف کر دیتے تھے دیگر کملائے عہد کے حالات مفقود ہیں مقامات خواجہ ابو نصر مشکانی طبقات بیہقی تواریخ ملا محمد غزنوی تواریخ محمد وراق اور دیگر تاریخی کتابیں جن کی مدد سے غالباً اس زمانے کی علمی تاریخ کا تھوڑا بہت پتہ چل سکتا، نابود ہیں یا ناقص حالت میں پائی جاتی ہیں۔ جو تاریخیں اور تذکرے دو چار صدی بعد کے لکھے ہوئے ہیں وہ چنداں معتبر نہیں اور اکثر فقدانِ مذاق اور قلتِ مواد کے باعث متلاشی کی مایوسی کا باعث ہوتے ہیں۔

آہ زمانے سے بڑھ کر کوئی بھولنے اور بھلا دینے والا نہیں۔ دُنیا کے اسٹیج پر خدا جانے

باب کتنے لوگ آئے جو شہرت کے آسمان پر چاند سورج ہو کر چمکے لیکن غور کرو کتنے ایسے ہیں جن کی کرنیں اب بھی نور افشاں ہیں بلا شبہ بڑے خوش نصیب ہیں وہ جنھیں کسوف وخسوف کے بعد بھی شہرتِ دوام کے فلک الافلاک پر چمکنا نصیب ہو جائے۔

اگر یہ سچ ہے تو بلا شبہہ وسط ایشیا کا وہ فاضل متبحر بڑا خوش قسمت ہے جو صدیوں کنج گمنامی میں مخفی رہنے کے بعد اس زمانے میں شہرتِ دوام کے خلعت سے سرفراز ہوا ہے۔ آج سے پچاس سال پہلے کوئی نہ جانتا تھا کہ چوتھی یا پانچویں صدی کے زرّیں عہد علمی میں البیرونی کی شخصیت کیا مرتبہ رکھتی ہے یا اب دنیائے تحقیق کے ہر گوشے سے آواز آرہی ہے کہ اُس فضائے علم میں وہ شمس منیر ہے اور دنیا کی علمی تاریخ میں معدودے چند افراد اُس کی ہمسری کے مستحق قرار پا سکتے ہیں۔ یا تو البیرونی کے نام سے کان بھی نا آشنا تھے، یا اُس کے تبحر و کمال کا ایسا سِکّہ بیٹھا ہے کہ ایک اُس مصنف کے لیئے جو اسلامی تاریخ علمی پر قلم اُٹھائے ناممکن ہے کہ اُس کا نام نظر انداز کر جائے۔

بے شک البیرونی کی سوانح عمری پر تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے، موجودہ تواریخ اور تذکروں سے اُس کے حالات زندگی پورے طور پر معلوم نہیں ہو سکتے اور اُس کی کثیر التعداد تصانیف میں سے بھی چند باقی رہ گئی ہیں، لیکن جو کچھ موجود ہے، وہ اُس کا استحقاق فضیلت ثابت کرنے کے لیئے کافی اور وافی ہے۔

باب۲

باب دویم

البیرونی کے حالاتِ زندگی

ولادت سے غزنی پہنچنے تک

وسطی ایشیا کے لق دق میدانوں اور وسیع محدّب صحراؤں میں خوارزم کا ملک جسے دریاے جیحوں کا زیریں حصّہ اور اُس کے دہانے سیراب کرتے ہیں اُس سرزمین کے بہترین مرغزاروں میں شمار ہوتا رہا اور قدیم الایام سے سرسبز و شاداب اور معمور و متمدّن رہا ہے۔ پہلی صدی ہجری کے اخیر میں مسلمانوں کے تسلّط سے پہلے اس ملک میں خوارزم شاہیوں کی ایک مستقل اور جداگانہ حکومت قایم تھی، جس کی زبان اور رسم الخط بھی جدا تھے، جو خوارزمی کہلاتے تھے۔ اس روایت کی رو سے جو چوتھی صدی ہجری کے اخیر تک اس ملک میں متداول تھی کہا جاتا تھا کہ اس حکومت کی بنیاد بعثت نبیؐ سے تقریباً اُنیس سو برس پہلے کیخسرو کے ہاتھوں پڑی تھی جس کا باپ سیاوش سب سے پہلے وہاں آکر سکونت پذیر ہوا تھا۔ تاریخی قدامت کی تائید میں خوارزم شاہیوں کا طویل نسب نامہ اور بعض آثار قدیمہ پیش کیے جاتے تھے جو اُس وقت تک محفوظ تھے۔[۱]

عین اُس زمانے میں جب کہ سندھ کو محمد بن قاسم اور اندلس کو طارق اور موسیٰ فتح

---

[۱] دیکھو آثار الباقیہ ص ۳۵-۳۶۔

باب۲ کرتے رہے تھے قُتیبہ بن مسلم نے ۹۳ھ (۷۱۲ء) میں خوارزم کو فتح کیا۔ فتوحات کے بعد خوارزم شاہیوں کا سیاسی اقتدار تو ختم ہوگیا، لیکن اُن کا خاندان بحال رہا۔ فتح کے وقت سے لے کر چوتھی صدی ہجری کے وسط تک اس ملک کی تاریخ پر تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے اور ہم اُن سیاسی حالات سے جو خوارزم میں اس زمانے میں پیش آتے رہے تقریباً بے خبر ہیں، البتہ اتنا ثابت ہے، کہ خوارزم شاہیوں کے قدیم خاندان میں شاہی کا خطاب برابر محفوظ رہا۔ اور اس خاندان کے بعض افراد وقتاً فوقتاً عامل اور والی بھی ہوتے رہے۔ آخر زمانے میں ایک قریبی جدِ اعلیٰ کی نسبت سے یہ خاندان آلِ عراق کے نام سے مشہور رہا[۱] جو اغلباً بنو عباس کے انحطاط کے دَور میں جب کہ ایران اور ایشیا میں جابجا خودسری کا دور دورہ ہو رہا تھا اپنے خاندان کے کھوئے ہوئے عظمت و اقتدار کا قایم کرنے والا ہوا۔ متلاشیانِ آثار کو احمد بن محمد بن عراق بن منصور بن عبداللہ بن ترکسباسہ کے سکے ۳۴۸ھ (۹۵۹ء-۹۶۰ء) اور ۳۶۶ھ (۹۷۶ء-۹۷۷ء) کے دستیاب ہوئے ہیں[۲] جو کہ آخر خوارزم شاہ محمد بن احمد کا باپ تھا۔

البیرونی کی ولادت اسی احمد بن محمد کے عہدِ سلطنت میں نواحِ خوارزم کے ایک قریہ میں ہوئی گردابِ حوادث سے کنارِ عافیت آلگنے والے آثار میں ایک مکتوب ہے جسے البیرونی نے اپنے ایک دوست کو اپنی اور ابوبکر بن زکریا الرازی کی تصانیف کے بیان میں لکھا تھا۔ یہ رسالہ مع اُس شرح کے جو عہدِ مابعد میں ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن الغضنفر التبریزی نے (جس کا زمانۂ حیات مابین ۶۳۰ھ (۱۲۳۲ء) و ۶۹۲ھ (۱۲۹۲ء) کے تحقیق ہوتا ہے)۔ لکھی تھی[۳]۔ لیڈن کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ اس مکتوب اور اُس کی شرح سے البیرونی کی

---

[۱] دیکھو آثار الباقیہ ص ۳۶ [۲] دیکھو انسائکلوپیڈیا آف اسلام مضمون متعلق خوارزم و خوارزم شاہ
[۳] دیکھو دیباچہ سخاو بر آثار ص ۱۵۔ اس شرح کا نام "المشاطہ" لرسالۃ الفہرست ہے۔

سوانح عمری کے متعلق بعض اہم معلومات حاصل ہوتی ہیں[1]۔ اس مکتوب کو البیرونی نے سنہ ۴۲۷ھ باب ۲
(سنہ ۱۰۳۵ء) میں لکھا تھا اُس میں البیرونی نے ایک موقع پر لکھا ہے کہ اس وقت میری عمر ۶۵ سال
قمری اور ۶۳ سال شمسی ہے۔ اس طرح خود البیرونی کے بیان سے اُس کا سنہ ولادت
سنہ ۳۶۲ھ (سنہ ۹۷۳ء) تحقیق ہوجاتا ہے لیکن اس کی پوری وضاحت التبریزی کے بیان سے
ہوتی ہے جو لکھتا ہے کہ امام الشیخ استاذ الرئیس حکیم برہان الحق ابی الریحان محمد بن احمد البیرونی
. . . . تیسری ذی الحجہ پنجشنبہ کے روز صبح کے وقت سنہ ۳۶۲ھ میں خوارزم میں پیدا ہوا
تھا۔ شمار سے اس سنہ کے ۴۲۸۲۵۴ دن ہوتے ہیں اور یہ تاریخ مطابق ۶ شہریور سنہ ۳۴۲ فارسی
(یزدجردی) اور ۴ ایلول سنہ ۱۲۸۴ یونانی (اسکندری) کے ہے یونانی سنہ کے ایام کا
شمار چار لاکھ اڑسٹھ ہزار نو سو چھپن ہے۔

اس کے بعد التبریزی نے البیرونی کا زائچہ لکھا ہے۔ حساب لگانے سے یہ تاریخ
۴ ستمبر سنہ ۹۷۳ء کے مطابق ہے۔

جیسا کہ البیرونی کے نام و بعض مصنفین مابعد کے بیان سے ظاہر ہے البیرونی کا مولد خوارزم
خاص نہ تھا بلکہ مضافات خوارزم کا ایک قریہ تھا جو "بیرون" کہلاتا تھا۔ افسوس ہے کہ نہ اس
مقام کی طرف منسوب ہونے والے نے اپنے وطن عزیز کے حالات ہمارے لیئے چھوڑے
ہیں اور نہ کسی مورخ یا جغرافیہ نگار نے اُس کا مرقع کھینچنے کی تکلیف گوارا کی ہے[2]۔ اس کے متعلق

---

[1] اس رسالہ اور اس کی شرح کے ضروری اقتباسات کے لیئے دیکھو سخاو کا دیباچہ آثار الباقیہ۔
[2] البیرونی کے وطن کے متعلق بعض مصنفین کو سخت غلط فہمی ہوگئی تھی جنہوں نے البیرونی کا وطن سندھ قرار
دیدیا تھا۔ چونکہ اس غلطی کا اثر بعض اردو مصنفین تک بھی پہونچا لہذا نہایت اختصار کے ساتھ اس بین غلطی کی وجہ
لکھدینا مناسب معلوم ہوتی ہے
(۱) اس غلطی کا منبع شمس الدین محمد بن محمود شہرزوری کی کتاب "نزہۃ الارواح"

باب۲ کل معلومات اسی حد تک پہونچکر ختم ہو جاتی ہیں کہ وہ خوارزم کے بیرونی مضافات کا کوئی خاص قریہ تھا جو اس نام سے مشہور ہو گیا تھا۔ چنانچہ عبدالکریم بن محمد السمعانی متوفی وسط ششم صدی ہجری صاحب کتاب الانساب لکھا ہے:-

---

(بقیہ حاشیہ ص ۲۹) فی تواریخ الحکماء المتقدمین و المتأخرین (مصنفہ ما بین ۵۸۶ھ (۱۱۹۰ء) و ۶۱۱ھ (۱۲۱۴ء) ہے۔ اس مصنف نے البیرونی کے مختصر تذکرہ (مندرجہ دیباچہ سخاو برآثار الباقیہ ص ۵۳) میں جو تمام تر ظہیر الدین ابوالحسن علی بن ابی القاسم زید البیہقی (دیکھو یاقوت حموی کی ارشاد الاریب ج ۵ ص ۲۰۸-۲۱۸) ۴۹۹ھ (۱۱۰۵ء) ۵۶۵ھ (۱۱۶۹ء) کے تذکرہ (دیباچہ سخاو ص ۵۱) مندرجہ تتمہ صوان الحکمہ سے لیا ہے خود معلوم ہوتا ہے اپنی طرف سے یہ الفاظ لکھدئیے ہیں "و بیرون مدنیۃ بالسند" اس بارہ میں مشہور مورخ ابن ابی اصیبعہ (۶۰۰ھ (۱۲۰۳ء) ۶۶۸ھ (۱۲۷۰ء)) نے اپنی کتاب عیون الانباء فی تاریخ الاطباء میں بھی البیرونی کے تذکرہ میں یہی غلطی کی ہے نیز مورخ و جغرافیہ نویس ابوالفدا (۶۷۲ھ (۱۲۷۳ء) ۷۳۲ھ (۱۳۳۱ء)) نے ابن سعید کی سند سے اسی قول کو تحریر کیا ہے۔ موسیو رینو (Renaud) نے (جس نے کہ البیرونی کے کتاب الہند کے چند اقتباسات شائع کرکے یورپ کو البیرونی سے روشناس کیا تھا) ابوالفدا کی سند پر البیرونی کو سندھ کا باشندہ سمجھا تھا۔ سوال یہ ہے کہ سندھ میں "بیرون" نام کا کوئی مقام تھا بھی یا نہیں۔ اس کا جواب یقینی طور پر نفی میں ہے حقیقت یہ ہے کہ سندھ میں ایک مقام تھا جس کا نام نیرون (بالنون) تھا جو دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر دیبل اور منصورہ کے درمیان میں واقع تھا۔ اس کا ذکر البلاذری (متوفی ۲۷۹ھ (۸۹۲ء)) کی کتاب فتوح البلدان میں فتح سندھ کے بیان میں آیا ہے۔ نیز ابن حوقل کی کتاب المسالک کے ایک قدیم نسخے میں سندھ کا ایک نقشہ دیا ہوا ہے جس میں نیرونی کا محل وقوع دکھایا گیا ہے۔ کپتان میکمرڈو (Macmurdo) و سرچارلس ایلیٹ (Elliot) و دیگر محققین نے کافی چھان بین کے بعد ثابت کردیا ہے کہ یہ مقام بالنون ہے (دیکھو تاریخ ہند ایلیٹ و ڈوسن ج ۱ ص ۳۹۶-۴۰۱) ایلیٹ کا خیال ہے کہ نیرون کا محل وقوع زمانۂ حال کا مقام ہلائی یا ہلایہ جو کہ موضع جبرک سے ذرا نیچے کو اس سڑک پر جو ٹھٹھہ سے حیدرآباد کو جاتی ہے واقع ہے خواہ یہ تطبیق صحیح ہو یا غلط لیکن نیرون کا بالنون ہونا مسلم ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے بیرون کو سندھ کا ایک مقام سمجھا ہے انھوں نے غلطی سے نیرون کو بجائے بالنون پڑھنے کے بالباء پڑھ لیا۔ البیرونی کو خوارزمی تسلیم کرنے والی سندیں اس قدر کثیر التعداد ہیں کہ ان کا حصر مشکل ہے تھوڑی سی یہ ہیں صرف السمعانی صاحب کتاب الانساب یاقوت حموی صاحب کتاب ارشاد الاریب، حاجی خلیفہ، میرخوند صاحب روضۃ الصفا، خوندمیر صاحب حبیب السیر و فرشتہ مصنف تاریخ گلزار ابراہیمی

البیرونی بکسر الباء الموحدۃ و
سکون الیاء الاٰخر الحروف وضم
الراو بعدھا الواو فی اٰخرھا النون
ھذہ النسبۃ الی خارج خوارزم
فان بھا من یکون من خارج البلد
ولا یکون من نفسھا یقال لہ فلان
بیرونی ست و یقال بلغتھم آن
بیرونی ست والمشہور بہذہ النسبۃ
الی الریحان المنجم البیرونی۔[1]

البیرونی . . . . . . یہ خارج خوارزم کی باہر
طرف نسبت ہے اور اُس سے مقصود اُس شخص سے
ہے جو خارج خوارزم کا باشندہ ہو اور خاص خوارزم
کا رہنے والا نہ ہو۔ اُس شخص کو اہل خوارزم کہتے
ہیں فلاں بیرونی ست اور اپنی زبان میں کہتے
ہیں آن بیرونی ست اور اسی نسبت سے مشہور
ابوریحان البیرونی منجم ہے۔

اِسی قول کی تائید یاقوت حموی نے ارشاد الاریب میں البیرونی کے تذکرہ میں اس طرح کی ہے:۔

ان بیرون بالفارسیہ معناہ برّا
وسالت بعض الفضلاء عن ذلك
فزعم ان مقامہ بخوارزم کان قلیلا
واھل خوارزم یسمون الغریب
بھذا الاسم کانہ لما طالت غربتہ

بیرون کے معنی فارسی زبان میں باہر کے ہیں میں نے
ایک فاضل سے اس کے متعلق دریافت کیا تو اُس نے
کہا کہ البیرونی کا قیام خوارزم میں بہت تھوڑا رہا
اہل خوارزم مسافر کو اس نام سے موسوم کرتے تھے
چونکہ البیرونی کی مسافرت خوارزم سے بہت طول

(بقیہ حاشیہ ص ۳۰) اسما پر اکتفا کرتے ہیں۔ ان سب سے بڑھ کر کتاب آثار الباقیہ کی اندرونی شہادت اور التبریزی کا مقصد بالا بیان ہے جو نا قابل تردید ہے۔ الغرض البیرونی کا خوارزمی ہونا قطعاً یقینی ہے اور اگرچہ اپنی علمی سیاحت کے زمانہ میں البیرونی سندھ کے نواح تک پہنچا۔ لیکن اُس کا وطن سندھ کبھی نہیں تھا۔

[1] دیکھو کتاب الانساب مطبوعہ گب میموریل فنڈ ص ۹۸ ب۔

عنهم صار غریباً۔ وما اظنه یراد به — کھنچ گئی تھی اس لئے وہ گویا بمنزلہ مسافر یا اجنبی کے ہو گیا تھا۔
الا انه من اهل الرستاق یعنی — میرے خیال میں اس سے مراد یہ ہے کہ البیرونی دیہات یعنی
انه من برالبلد[1] — خارج بلدہ خوارزم کا باشندہ تھا۔"

خوارزم کا حال عربی جغرافیہ نویسوں اصطخری (وسط چہارم صدی) ابن حوقل (اواسط چہارم صدی) اور بالخصوص المقدسی نے (جس نے کہ چوتھی صدی کے اخیر حصے میں علی بن ماموں کے عہد میں اُسے دیکھا تھا) لکھا ہے۔ البیرونی کے زمانہ سے تقریباً پونے دو سو برس بعد یاقوت حموی نے بھی جہاں سوز مغلوں کے ہاتھوں ۶۱۷ھ (۱۲۲۰ء) میں برباد ہونے سے کچھ ہی دن پہلے خوارزم کو دیکھا تھا اُس نے خوارزم کا مفصل حال معجم البلدان میں لکھا تھا[2]۔ وہ لکھتا ہے کہ :-

"میں ۶۱۶ھ میں خوارزم گیا تھا میں نے اُس سے زیادہ کوئی آباد ولایت نہیں دیکھی۔ باوجود اس کے زمین کے خراب اور اکثر دلدل اور کیچڑ ہونے کے آبادی بالاتصال چلی گئی ہے۔ قریہ جات قریب قریب ہیں اور صحراؤں میں بھی مکانات اور محلات تعمیر ہیں۔ باوجودیکہ اس ملک میں درخت بافراط پیدا ہوتے ہیں، مواضعات خوارزم میں ایسا بہت کم موقع ہوگا جہاں عمارتیں موجود نہ ہوں۔ میرا ایسا خیال ہے کہ دنیا میں کوئی بقعہ خوارزم سے زیادہ وسیع نہیں ہے۔ اکثر اہالی خوارزم تھوڑی معاش پر بھی شاکر اور قلیل شے پر بھی قانع نظر آتے ہیں۔ اکثر ضلاع خوارزم میں بازار دکانات اور خیرات خانے ہیں اور ایسا گاؤں مشکل ہوگا جہاں بازار نہ

---

[1] دیکھو معجم الادبا مطبوعہ گب میموریل فنڈ ص ۳۰۸
[2] دیکھو معجم البلدان مطبوعہ مصر۔ ج ۳۔ ص ۴۷۴۔ ۴۷۹

اور ہر چیز اطمینان بخش دستیاب نہ ہو جائے۔ خوارزم میں سردی نہایت سخت ہوتی ہے حتیٰ کہ میں نے دیکھا ہے جیحوں جو ایک میل چوڑا ہے جم کر رہ جاتا ہے اور اُس پر سے قافلے اور مویشی گزر جاتے ہیں۔" باب۲

اِس بات کے باور کرنے کے قوی دلائل موجود ہیں کہ جس خوشحالی اور فارغ البالی کا مرقع یاقوت نے کھینچا ہے وہ البیرونی کے پیدائش کے وقت اور عہد طفولیت میں اُس کے وطن میں موجود تھی، جس کے باعث علم و تمدن معراج ترقی پر پہنچے ہوئے تھے۔ البیرونی کے خاندان کا حال، عالم طفولیت کے واقعات اور تعلیم و تربیت کی کیفیت جو ہمارے زمانے کے سوانح نگار کے لیے اس قدر قیمتی اور دلچسپ معلومات ہو سکتی ہیں، ان میں سے کسی کا پورا پورا پتہ نہیں لگتا۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ ہونہار بچہ کس گھر کا چراغ تھا، کن گودوں میں پلا، کن رفیقوں کے ساتھ بڑھا، کن صحبتوں میں بیٹھا اور کن اُستادوں کے سامنے اُس نے پہلوے شاگردی تہ کیا۔

اُس کے خاندان کے متعلق اتنا البتہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ وہ عجمی اور غالباً خوارزمی تھا نیز اُس کا خاندان کوئی مشہور نامور یا متمول خاندان نہیں تھا۔ البیرونی کی سرپرستی عہد طفولیت میں آلِ عراق نے کی جن میں ابو نصر منصور بن علی بن عراق نے سب سے بڑھ کر حصّہ لیا۔ ہمیں معلوم نہیں کہ آلِ عراق سے البیرونی کے خاندان اور آباؤ اجداد کے کیا تعلقات تھے جن کی وجہ سے اُسے اُن کی سرپرستی حاصل ہوئی۔

البیرونی کے گہرے سے گہرے جذبات اور طبعی رجحانات اُس کی قومیت کو ظاہر کرتے ہیں۔ خوارزمیوں کی لسے ہر ہر ادا پسند ہے عجمیوں کی فراست کا وہ خاص طور پر مداح ہے اور اُن پر فوقیت ظاہر کرنے والوں سے خواہ وہ عرب ہی کیوں نہ ہوں وہ

باب۲ وہ بحث مباحثہ اور دلایل معقول کرنے کے لیئے ہر وقت آمادہ نظر آتا ہی۔ وطن کی گزشتہ عظمت کا حسرت کے ساتھ ذکر کرتا ہی اور خوارزم کی تباہیوں سے ہمیشہ اُس کی آنکھیں پُرنم معلوم ہوتی ہیں اگر ہمدردی کا میلان قومیت اور نسل کا پتہ دے سکتے ہیں تو البیرونی کی کتاب آثار الباقیہ صاف تبلا رہی ہو کہ اُس کا لکھنے والا نسل کا عجمی اور خوارزمی ہو اور اپنی قومیت پر فخر رکھتا ہی[1]

اس میں بھی کوئی شبہہ نہیں ہو کہ البیرونی کا گھرانا متمول یا سربرآوردہ نہیں تھا آیندہ زمانہ میں جب البیرونی نے علمی دُنیا میں عروج پایا تو کسی شاعر نے اُس کی ہجو کرتے ہوئے اُس کے نسب پر چوٹیں کی تھیں اور اُسے مجہول النسب ظاہر کیا تھا، اُس کو ابولہب اور اُس کی ماں کو حمالۃ الحطب کہا تھا۔ اس پر البیرونی نے طنزیہ پیرایہ میں شاعر کا جواب نظم ہی میں دیا تھا اور لکھا تھا کہ یہ سب کچھ ٹھیک ہی، لیکن ان باتوں سے کیا حاصل جب کہ میرے نزدیک مدح و ذم یکساں ہیں :۔

یا شاعراً جائنی یخزی علی الادب	اے شاعر کہ میرے ادب کا استہزا کرتا ہوا آیا
وانی لیمدحنی والذم من ادبی	میری تعریف کرنے کے تہیۃ سے اور میرے ادب کی برائی کرتے کرتے آیا
وجدتہ ضارطاً فی لحیتی سفھاً	میں نے اُس شاعر کو از راہ حماقت میری ڈاڑھی میں گوز کرتا پایا
کلا فلحیتہ عثنونھا ذنبی	گویا کہ اُس کی ڈارھی کی لمبائی میری دُم ہے۔

---

[1] مثال کے لیئے دیکھو ص ۲۳۸ آثار الباقیہ جہاں ابو عبداللہ مسلم بن قتیبہ کے اس دعا کی جو عربوں کی علم ہیأت میں فضیلت ثابت کرنے کے لیئے اُس نے اپنی کتاب "فی تفضیل العرب علی العجم" میں کیا تھا البیرونی نے نہایت سختی سے تردید کی ہو اور لکھا ہو کہ کاش ابو عبداللہ نے تھوڑی سی فکر سے کام لیا ہوتا اور اُن لوگوں (یعنی عربوں) کے اوایل ایام کا خیال کیا ہوتا جنھیں اہل فارس پر ترجیح دی ہو تو اُسے اپنے قول کی ناراستی اور تعزلیط و تعدی کا حال معلوم ہو جاتا۔

وذاکراً فی قوافی شعرہ حسبی	وہ شاعر اپنے اشعار کے قافیوں میں میرے حسب کا ذکر کرتا ہے باب
ولست و اللہ حقا عارفا نسبی	حالانکہ بخدا میں اپنے نسب سے پورے طور پر واقف نہیں ہوں
اذلست اعرف جدی حق معرفة	جبکہ میں ٹھیک طرح پر اپنے دادا سے واقف نہیں ہوں
وکیف اعرف جدی اذجھلت ابی	اور دادا کو کیسے جان سکتا ہوں جبکہ میں اپنے باپ کو بھی نہیں جانتا
انی ابولھب شیخ بلا ادب	بے شک میں ابولہب اور بے ادب شیخ ہوں
نعم ووالدتی حمالة الحطب	اور بلاشبہ میری ماں حمالة الحطب ہے
المدح والذم عندی یا اباحسن سیّان مثل استواء الجدّ واللعب	اے اباحسن مدح اور ذم میرے نزدیک مثل ہزل و جد کے برابر ہیں
فاعفنی عنھما لا تشتغل بھما	لہذا تو مجھے ان دونوں سے معاف رکھ اور انہیں مشغول نہ ہو
باللہ لا توقعن مفساک فی تعبٍ	بخدا تو اپنی براز گاہ کو تکلیف میں نہ ڈال

البیرونی نے اپنی کسی تصنیف میں جو ہم تک پہونچی ہے اپنے نسب کا ذکر نہیں کیا ہے اور یہ بھی واقعہ ہے کہ خود البیرونی کی کسی کتاب یا کسی دوسری تصنیف میں اُس کے باپ کے نام سے آگے کسی کا نام نہیں گنایا گیا ہے۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ تاریخ اسلام کے ہزارہا دیگر مشاہیر کی طرح البیرونی کی شخصیت و شہرت بجز ذاتی فضل و کمال کے کسی دوسری چیز کی مرہونِ منّت نہ تھیں۔

علوم دینی بالخصوص علم حدیث کے ائمہ و مشاہیر کے تذکروں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان بزرگوں کے تعلیم و استفادہ اور اساتذہ و شیوخ کے حالات تفصیل کے ساتھ محفوظ کیئے گئے ہیں جن سے اُن کے حالات زندگی پر مفید روشنی پڑتی ہے۔ علوم نقلی میں

لہ دیکھو ارشاد الاریب یاقوت حموی ج ۶ ص ۳۱۳۔

باب ۱ اس التزام کی اہمیت ظاہر ہے اور اسی وجہ سے اس طرف خاص توجہ کی گئی۔ بعض اوقات دیگر علوم کے مشاہیر کے حالات میں بھی اس قسم کی معلومات دستیاب ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ البیرونی کے نامور معاصر ابن سینا نے اپنے خاندان اور ابتدائی تعلیم کے حالات اپنے شاگرد ابو عبیدہ کو قلمبند کرا دیئے تھے جو ابن القفطی اور ابن ابی اصیبعہ کی بدولت ہم تک پہنچ گئے ہیں اور نہایت دلچسپ ہیں۔ افسوس ہے کہ البیرونی کی سوانح عمری کا یہ ضروری حصّہ ہماری نظروں سے مخفی ہے۔

یہ بات حیرت کی نظر سے دیکھے جانے کے قابل ہے کہ اگرچہ وسط ایشیا کے ملکوں بخارا و خوارزم میں اسلام کا تسلط پہلی صدی ہجری کے اخیر میں ہوا، لیکن بہت زیادہ مدّت نہیں گزری تھی کہ وسط ایشیا نے بہت جلد اسلام کی علمی دنیا میں اپنا تقدم قایم کرلیا تھا۔ اِن دو ڈھائی صدیوں میں جو کہ فتوحات اسلام اور البیرونی کے زمانۂ ولادت کے مابین گزریں وسط ایشیا کا ہر ہر مقام اسلامی علوم و فنون کا مرکز بن چکا تھا اور تعلیم و تعلّم کا وسیع اور عمیق نظام ان سلطنتوں اور بڑے شہروں سے لے کر قصبات و دیہات تک پھیلا ہوا تھا اس تعلیم کا ذریعہ عربی زبان تھی جو مشرق سے مغرب تک پھیل چکی تھی اور تمام اسلامی دُنیا کے بہترین دماغ صدیوں سے اُس کی آبیاری اور ترقیات میں منہمک تھے۔ وسطی ایشیا کے ممالک میں اعلیٰ تعلیم کا معیار بہت اونچا پہنچ گیا تھا اور ان ملکوں میں البیرونی سے پہلے ہر علم و فضل میں بڑی بڑی شخصیتیں پیدا ہو چکی تھیں جن میں سے بہت سی افراد کے نام زندۂ جاوید رہینگے اور بہت سے خموش خدمات انجام دے کر گمنامی کے پردہ میں مخفی ہیں۔ البیرونی اور ابن سینا اگرچہ دو سب سے بڑے نام ہیں جو چوتھی صدی ہجری کی علمی تاریخ میں بخارا اور خوارزم کی سرزمینوں سے پیدا ہوئے، لیکن ہمیں یہ فراموش

نہیں کرنا چاہیئے کہ وہ بھی تعلیم کی اُن اعلیٰ روایات کا ثمرہ تھے جو کہ اسلام کے عجیب و غریب تمدنی انقلاب کے باعث ان ملکوں میں پھیل گئی تھیں۔ یہ بات صحیح ہے کہ اسلام نے اپنا تمدن مفتوحہ اقوام سے لیا۔ لیکن جو علمی زندگی اسلامی تمدن نے پیدا کی وہ باہر سے حاصل کی ہوئی نہ تھی بلکہ خود اسلام کی پیدا کی ہوئی تھی۔ یا تو اسلام سے قبل ان ملکوں میں کسی نامور مُصنّف و مؤلف کا نام بھی نہیں لیا جا سکتا یا اسلام کے پہونچتے ہی وہ انقلابِ عظیم ہوا جس کی مثال گزشتہ تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ہماری حیرت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب ہم اس سیاسی بدنظمی اور بے ثباتی کو اپنے پیش نظر رکھتے ہیں جو کہ مسلمانوں میں ہر طرف اُس وقت پھیلی ہوئی تھی۔ ہمارا خیال ہے کہ اس کا خاص سبب یہ تھا کہ مسلمانوں کا تعلیمی نظام حکومت کے ہاتھوں میں یا اُس کے تابع نہ تھا، اگرچہ مستقل و منتظم حکومت کا قدرتی طور پر زیادہ مفید اثر ضرور پڑتا ہے اور اخیر میں بدنظمی اور طویل بے امنی نظام تعلیم کے زوال و پستی اور رفتہ رفتہ تباہی کا بھی موجب ثابت ہوتی ہے۔

البیرونی نے آثار الباقیہ میں ایک موقع پر ابی نصر منصور بن علی بن عراق مولی امیر المومنین کو "اُستاذی" کے لفظ سے یاد کیا ہے۔ اس کے علاوہ ایک قصیدہ میں جو ابوالفتح بُستی کی تعریف میں البیرونی نے لکھا تھا اور اُس میں اپنے حالات کے متعلق بعض لطیف اشارے کیئے ہیں اور اپنے مربیوں کے احسانات کا اعتراف کیا ہے، اُس نے سب سے پہلے آل عراق کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ اُنھوں نے مجھے اپنے دودھ سے پالا، پھر آل عراق میں منصور کا خاص طور پر تذکرہ کیا ہے اور اُس کی بابت کہا ہے کہ وہ میری بنیاد قایم کرنے والا تھا۔

مضیٰ اکثر الایام فی ظل نعمۃ — اکثر زمانہ نعمت کے سایہ میں گزرا

علیٰ رتب فیھا علوت کراسیا — ایسے رتبوں پر کہ جن میں میں کرسیوں پر بلند رہا

بابۓ فآل عراق قد غذونی بدرھم آلِ عراق نے اپنے دودھ سے مجھے غذا پہونچائی

ومنصور منہم قد تولّی غراسیا[1] اور اُن میں سے منصور نے میری بنیادیں جمائیں

منصور کی شخصیت البیرونی کے حالات زندگی میں امتیاز خاص رکھتی ہے اور ہمارا یقین ہے کہ البیرونی کی تعلیم و تربیت میں اُس کا بہت بڑا حصہ اور اثر ہے۔ منصور خوارزم کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور نسب نامہ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خوارزم شاہ محمد بن احمد بن عراق کا حقیقی چچا زاد بھائی تھا لیکن منصور کے کارنامے علمی دُنیا سے تعلق رکھتے ہیں وہ چوتھی صدی ہجری کا علوم ریاضی کا نہایت بلند پایہ ماہر تھا۔ یہ البیرونی کے لیئے بڑے فخر کی بات ہے کہ اُس کے اس عالی مرتبت اُستاد نے البیرونی کے نام پر اپنی بعض تصانیف معنون کی تھیں چنانچہ اُن میں سے بارہ کتابوں کے نام البیرونی کے مکتوب میں درج ہیں۔ اس سے یہ بھی بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ منصور کو اپنے لایق شاگرد سے کس قدر محبت تھی اور وہ اُس کی کس قدر عزت کرتا تھا۔ نصیر الدین طوسی (۵۹۷ھ ۱۲۰۱ء ، ۶۷۲ھ ۱۲۷۳ء) نے کتاب الشکل القطاع میں لکھا ہے[2] کہ مثلثات کروی میں جیوب اضلاع و زوایا کی نسبتوں کے دریافت و انکشاف کا فخر ابوریحان البیرونی کے بیان کی رو سے امیر ابی نصر علی بن عراق کو حاصل ہے اگرچہ ابوالوفا محمد بن محمد البوزجانی متوفی ۳۸۸ھ (۹۹۸ء) اور ابی محمود حامد بن الخضر الخجندی (متوفی اواسط چہارم صدی ہجری) بھی اس میں اوّلیت کے مدعی تھے۔

---

[1] دیکھو ارشاد الاریب ص ۳۱۲ [2] مطبوعہ قسطنطنیہ ۱۳۰۹ھ ص ۱۰۸

[3] جرمن مستشرق و مورخ ریاضیین اسلام سوتر (Suter) نے رسالہ ابی نصر بن عراق فی برہان تناسب جیوب الاضلاع بجیوب الزوایا المقابلۃ لہا موجودہ کتب خانہ لائیڈن کا ترجمہ جرمن زبان میں ۱۹۱۰ء میں شائع کیا ہے۔

فاضل اطالوی مستشرق نلّینو نے اس انکشاف کو ریاضیات کی تاریخ میں عربوں کا ایک مہتم بالشان کارنامہ قرار دیا ہے[1]۔ ابونصر منصور کی شخصیت نہایت عزت و عظمت کی مستحق ہے۔ افسوس ہے کہ اس فاضل اجل کے حالات جو کہ اپنے زمانہ میں ایک قدیم شاہی خاندان کا رکن ہونے کے باوجود علوم ریاضیہ کا ایسا ممتاز علّامہ تھا، وسط ایشیا کے اور بہت سے سربرآوردہ فضلا کی طرح محو ہو کر رہ گئے ہیں اور اس کی تصانیف بھی بالعموم مفقود ہیں بوڈلین لائبریری میں ایک رسالہ محفوظ ہے جس کا نام "رسالہ ابونصر الی ابوریحان فی جدول الدقایق" ہے، جو فاضل اُستاد اور اُس کے نامور شاگرد کی ایک علمی یادگار کی نظر سے دیکھے جانے کا مستحق ہے۔

خوارزم شاہیاں آل عراق کا خاندان علم دوست اور ہنر پرور تھا، چنانچہ البیرونی نے آثار الباقیہ میں قدیم خوارزمیوں کے مہینوں اور تیوہاروں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ابوسعید احمد بن محمد بن عراق خوارزم شاہ نے خوارزم کی تقویم کی اصلاح کی تھی۔

ایک ایسے شخص کے متعلق جو ابتدا سے لیکر اپنی زندگی کی اخیر گھڑی تک تحصیل و تکمیل علمی میں منہمک رہا یہ بتانا دشوار ہے کہ اُس کی تعلیم کا اختتام کب ہوا۔ البیرونی کی تصانیف میں جو سب سے پہلی تصنیف ہمارے سامنے ہے وہ آثار الباقیہ ہے۔ اُس کی تصنیف کے وقت البیرونی کی عمر ۲۷ سال کی تھی اور اُس کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس سے پیشتر وہ متعدد کتابیں تصنیف کر چکا تھا اُن میں سے حسب ذیل کے نام آثار الباقیہ سے

---

[1] دیکھو تاریخ الفلک ص ۲۴۴-۲۴۵

باب معلوم ہوتے ہیں۔

(۱) کتاب الاستشہاد باختلاف الارصاد (ص ۱۰ و ۲۵ و ۱۸۵)

(۲) کتاب تجرید الشعاعات والانوار (ص ۱۰)

(۳) کتاب التنبیہ علی صناعت التمویہ (ص ۷۹)

(۴) کتاب الشموس الشافیہ للنفوس (ص ۷۹)

(۵) کتاب الارقام (ص ۱۳۸)

(۶) کتاب فی اخبار القرامطہ والمبیّضہ (ص ۲۱۱ و ۲۱۳)

(۷) مذاکرات ما بین البیرونی وابو علی الحسین بن عبداللہ بن سینا (ص ۲۵۷)

(۸) کتاب فی استیعاب الوجوہ الممکنۃ فی صنعۃ الاصطرلاب (ص ۲۵۷)

اِن کے علاوہ حسب ذیل کتابیں زیر تصنیف تھیں:۔

(۱) کتاب العجائب الطبیعیہ والغرائب الصناعیہ (ص ۲۳۰)

(۲) کتاب فی النموذارات (ص ۲۹۵)

اگرچہ خوارزم اور وسط ایشیا کے دیگر ممالک میں علاوہ مقامی زبانوں کے فارسی ملکی اور قومی زبان کی حیثیت رکھتی تھی اور چوتھی صدی ہجری میں شاعروں نے اُسے اوج کمال پر پہونچا دیا تھا، لیکن اسلامی دُنیا کے دیگر ممالک کی طرح ان حصّوں میں بھی ابھی تک عربی علمی تصانیف کے لیئے مخصوص تھی اور تعلیمی ترقی کا دارومدار بڑی حد تک اس زبان میں کامل دست گاہ حاصل کرنے پر تھا۔ البیرونی کی تصانیف کے مطالعہ سے ظاہر ہے کہ اُسی عربی زبان میں یدطولیٰ حاصل تھا۔ وہ نہایت گہرا علمی مذاق رکھنے کے باوجود خالص ادبی ذوق سے محروم نہ تھا اور خود بھی کبھی کبھی شعر کہتا اور تنقید اشعار میں خاص دلچسپی رکھتا تھا۔

باب ۲ عربی زبان کے لغات کے بحرِ ناپیدا کنار پر اُسے کامل عبور حاصل تھا۔ ان تمام باتوں سے ثابت ہے کہ ابتدائی تعلیم میں البیرونی نے ادب کی بہترین تعلیم پائی تھی۔ علوم میں اُسے خصوصیت کے ساتھ علم ہیئات سے وابستگی تھی جو اخیر عمر تک رہی۔ اِس کے علاوہ عمومیت کے ساتھ دیگر علوم ریاضیہ وحکمیہ و تاریخ و آثارِ علمیہ سے بھی اُسے شروع ہی سے گہری دلچسپی تھی اور اپنے اُن تمام مباحث میں وسیع معلومات حاصل کی تھیں۔ ان اُمور کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ بات صریح طور پر ظاہر ہے کہ البیرونی کی طفولیت اور عنفوانِ شباب کا عہد انتہائی محنتوں اور کوششوں میں صرف ہوا۔ ہر چند کہ وہ نہایت ذہین طالب علم تھا اور اُسے یقینی طور پر بہترین اساتذہ سے استفادہ کرنے کا موقع ملا، لیکن بغیر مُسلسل اور وسیع وعمیق مطالعہ کے اُس ملک اور اُس عہد میں جہاں تعلیم کا نہایت اعلیٰ معیار قایم ہو چکا تھا اور ریاضیات اور علوم حکمت میں بڑے بڑے جیّد عالم گزر چکے تھے۔ البیرونی اس قدر جلد عزّ امتیاز حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ یہاں یہ امر یاد دلانا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ علم ہیئت میں خوارزم کی تاریخ کو عرصہ سے تقدّم حاصل تھا چنانچہ مامون الرشید کے عہد کے مشہور علماے ہیئت میں محمد بن موسیٰ الخوارزمی بھی تھا جو بقول اطالوی مستشرق نلّینو خلیفہ الواثق باللہ عباسی کی وفات (۲۳۲ھ ۸۴۷ء) کے بعد فوت ہوا۔ زمانہ مابعد میں البیرونی نے علل زیج خوارزمی کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی تھی جو اُسی کے ہم وطن محمد بن موسیٰ کی کتاب سے تعلّق رکھتی تھی۔ یہ وہی خوارزمی ہے جس کا جبر و مقابلہ مشہور ہے اور جس کے نام سے حساب "لوکارثم" جو یورپ کی زبان میں اس قدر مسخ لغت بن گیا ہے، منسوب ہے۔ نیز علم ہیئت وحساب حرکات کواکب میں اہل ہند کے طریق پر خوارزمی نے سند ہند تصنیف کی تھی۔ (طبع بر صفحۂ آئندہ)

۷۲۸۷

آلِ عراق کا عہدِ حکومت ۳۸۵ھ ۹۹۵ء تک رہا۔ اُس وقت البیرونی کی عمر تیئس برس کی تھی۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ امیر احمد بن محمد عراق کی جس زمانے میں البیرونی پیدا ہوا کس سنہ تک حکومت رہی۔ امیر مذکور کا بیٹا ابو عبداللہ محمد اخیر فرماں روا تھا جس کے اوپر قدیم خوارزم شاہی خاندان کا خاتمہ ہوا۔ البیرونی نے اُسے "الشہید" کے لفظ سے یاد کیا ہے۔

اُن واقعات کی تفصیل جو ابو عبداللہ محمد خوارزم شاہ کے قتل اور انقلاب حکومت کا موجب ہوئی طویل اور پُر پیچ ہے اور اُس کے سمجھنے کے لیئے وسط ایشیا کے چوتھی صدی ہجری کے نصف اخیر کے سیاسی حالات کا سمجھنا ناگزیر ہے۔ ہم یہاں پر صرف اُتنی ہی تفصیل پر اکتفا کرینگے جتنی کہ ہمارے لیئے ضروری ہے[۱]

دولتِ عباسیہ کے زوال کے باعث تیسری صدی ہجری کے اواسط میں سامانیہ خاندان نے جس کا دار الحکومت بخارا تھا استقلال حاصل کر لیا تھا اور رفتہ رفتہ اس قدر ترقی پائی تھی کہ ماوراء النہر، افغانستان اور خراسان کے علاوہ ایران کے بعض علاقے بھی اُن کی سلطنت میں شامل ہو گئے تھے۔ بخارا سامانیہ کی سرپرستی میں اسلامی دُنیا کے ایک بہت بڑے حصّہ کے لیئے تہذیب و تمدّن اور دینی و دُنیاوی علوم اور ہر قسم کے فنون و ہنر کا مرکز بن گیا تھا۔ چوتھی صدی ہجری میں خراسان اور سیستان کی بعض دُو

(نوٹ ص ۴۱) [۱] خلیفۃ المنصور عباسی کے عہدِ حکومت میں سندھ کے وفد کی ہمراہ ایک ہندی عالم ۱۵۴ھ میں بغداد آیا۔ وہ علم ہیئت میں مہارت کاملہ رکھتا تھا۔ خلیفہ منصور کے حکم سے اس ہندو عالم نے برہم گپت کی کتاب برہم سدھانت کا خلاصہ کیا جس کا عربی میں ترجمہ کیا گیا عربوں نے اس کتاب کا نام سند ہند بنا لیا اور آیندہ اُس سے مطلب ہندو علم ہیئت سمجھا جانے لگا۔

[۱] یہ حالات زیادہ تر تاریخ یمینی مصنّفہ عتبی سے لیئے گئے ہیں اور دیگر مورخین مثلاً ابن الاثیر وغیرہ سے بھی مدد لیگئی ہے

اور آلِ بویہ کے روز افزوں عروج سے سامانیوں کی سلطنت روز بروز ضعیف ہوتی گئی یہاں تک کہ اُن کی حکومت ماوراء النہر خراسان اور افغانستان میں محدود ہو کر رہ گئی ان صوبجات میں بھی اصلی اختیار و اقتدار ترکی غلاموں کے ہاتھ میں تھا جو چاروں طرف قابو پائے ہوئے تھے۔ افغانستان میں الپتگین کے بعد سبکتگین ۳۶۶ھ (۹۷۶ء) سے برسر حکومت اور تقریباً خود مختار تھا۔ خراسان کا والی ابوالحسن بن سیمجور ۳۷۷ھ (۹۸۷ء) میں فوت ہوا تو اُس کی جگہ اُس کا بیٹا ابو علی وارث ہوا۔ اس وقت سامانیوں کی قوت نہایت انتشار کے عالم میں مبتلا تھی اور اُس کے نیست و نابود ہونے کے لیئے صرف بارہ برس باقی تھے۔ ماتحت عمال نافرمانی اور مطلق العنانی میں گرفتار اور ایک دوسرے کے ساتھ دست و گریباں تھے۔ جگہ جگہ خودسری کا دَور دورہ تھا اور ہر وقت جنگ وجدال برپا رہتا تھا۔ گھڑی گھڑی منصب تبدیل ہوتے تھے اور امیر بخارا بازیچۂ عمال و وزرا بنا ہوا تھا۔ غالباً سب سے زیادہ خراب حالت خراسان کی تھی۔ ابو علی خراسان میں خود مختار حکومت قایم کرنے کی آرزو رکھتا تھا اور امیر سبکتگین اُس کا حریف اور خراسان کی حکومت کا متمنی تھا۔ وہ امیر بخارا کا حامی سمجھا جاتا تھا، جس طرح کہ ابو علی کو اُس کا مخالف سمجھتے تھے۔ اس سیاسی کش مکش میں گرد و پیش کی تمام حکمراں قومیں کسی نہ کسی حریف کے شریک اور ہمدرد تھیں۔ اسی حالت میں دونوں حریف نبرد آزمائی میں مصروف تھے۔ ابو علی نے خفیہ طور پر کاشغر کے فرماں روا بغراخاں ترکی کو سلطنت سامانیہ کو فتح کرنے کے لیئے مدعو کیا چنانچہ ۳۸۳ھ (۹۹۳ء) میں اُس کا بخارا پر قبضہ ہو گیا۔ اور امیر رضی نوح بن منصور بخارا چھوڑ کر آلِ شط[1] چلا گیا۔

---

[1] آلِ شط جسے آموی بھی کہتے تھے جیحون کے مغرب میں اُس راستہ پر جو بخارا سے مرو کو آتا تھا واقع تھا۔

باب ۲ اس زمانے میں خوارزم کا علاقہ دو حکومتوں میں تقسیم تھا۔ شمالی حصہ جس کا دار الحکومت گرگانج یا جرجانیہ[1] کہلاتا تھا مامون بن محمد کے قبضہ میں تھا اور بقیہ حصے ابو عبداللہ محمد بن احمد خوارزم شاہ کے قبضے میں تھے اور اُن کا دار السلطنت کاث[2] کہلاتا تھا جو عرصے سے خوارزم کا مرکز حکومت تھا۔ مامون بن محمد اور محمد بن احمد خوارزم شاہ نے امیر نوح سامانی کی اس بے سروسامانی کی حالت میں ہر قسم کی دست گیری کی جس کا اُس کے دل پر بڑا احسان ہوا۔ بخارا پر قبضہ حاصل کرنے کے کچھ ہی دن بعد بغراخاں بیماری میں مبتلا ہو کر بخارا کو چھوڑ کر چلا گیا اور مر گیا۔ امیر نوح پھر بخارا پر قابض ہو گیا تو اُس نے ابو علی سیمجور کو بحیثیت والی خراسان کے لکھا کہ نسا[3] مامون کو اور ابیورد[4] ابو عبداللہ خوارزم شاہ کو جاگیر میں بطریق انعام دے دیئے جائیں اور اُن پر دونوں کا قبضہ کرا دیا جائے۔ ابو علی نے نسا پر مامون کا قبضہ تو کرا دیا لیکن ابی ورد پر ابو عبداللہ کا قبضہ ہونے نہ دیا اور کہدیا کہ یہ میرے بھائی کی جاگیر میں ہے۔ اس طرز عمل کا قدرتی طور پر ابو عبداللہ کو نہایت ملال رہا اور وہ وقت کا منتظر رہا۔

سبکتگین[5] ابو علی کی طویل نبرد آزمائی کے بعد جس کی تفصیلات ہم نظر انداز کرتے ہیں، بالآخر ۲ جمادی الاول ۳۸۵ھ (۹۹۵ء) کو ابو علی میدان جنگ سے ہزیمت

(بقیہ حاشیہ ص ۴۳) یاقوت نے لکھا ہے کہ بخارا اور آمل میں ۱۷ فرسخ اور مرو اور آمل میں ۳۶ فرسخ اور خوارزم اور آمل میں ۱۲ فرسخ کا فاصلہ تھا۔

[1] البیرونی نے اپنی تصانیف مثلاً قانون مسعودی میں گرگانج اور جرجانیہ دونوں طرح پر اس مقام کو لکھا ہے یاقوت نے معجم البلدان میں بھی گرگانج و جرجانیہ دونوں طرح اس کا جداگانہ ذکر کیا ہے۔ اُس نے لکھا ہے کہ اہل خوارزم گرگانج کہتے تھے جرجانیہ اُس کی معرب شکل ہے۔ یاقوت نے اُسے ۶۱۶ھ میں تاتاریوں کے ہاتھوں برباد ہونے سے کچھ ہی قبل دیکھا تھا وہ لکھتا ہے کہ یہ شہر جیحوں کے مغربی کنارے پر آباد ہے اور میں نے اس سے زیادہ آباد خوش حال اور بڑا شہر نہیں دیکھا۔

[2] یاقوت نے لکھا ہے کہ کاث نواحی خوارزم کا ایک بڑا شہر ہے۔ وہ جیحوں کے مشرق میں آباد تھا اور خوارزم کے دیگر

پاکر اور اپنی جان بچاکر بھاگا اور کاث کے نواح میں ایک مقام پر جو ہزار اسپ کہلاتا تھا باب
اور کاث سے جانب غرب واقع تھا اپنے بچے کھچے ہمراہیوں کے ساتھ پناہ گزیں ہوا۔ ابوعبداللہ
نے اس موقع کو اپنے انتقام کے لئے مناسب سمجھا اور فریب سے ابوعلی کو بطریق مہمان مدعو
کیا۔ لیکن خفیہ آدمی لگا دئیے تھے جو اُسے غرہ رمضان ۳۸۵ھ (۹۹۵ء) میں گرفتار کرکے
اُس کے پاس لے آئے۔ ابوعلی کے کچھ ساتھی بھی پکڑے گئے اور کچھ بچ کر ماموں والی گرگانج
کے پاس پناہ گزین ہوئے۔ ماموں کو جب اس واقعہ کی خبر ملی تو نہایت برافروختہ ہوا اور لشکر
لے کر کاث پر جاچڑھا۔ لڑائی ہوئی جس میں ماموں کامیاب ہوا۔ کاث پر قبضہ پاکر ماموں
ابوعبداللہ کے محل میں گھس گیا اور ابوعبداللہ کی مشکیں کسوادیں اور ابوعلی کو فوراً آزاد کرا
دلادی۔ ابوعبداللہ خوارزم شاہ کو نہایت ذلت و رسوائی سے خالی پالان پر سوار کرکے
گرگانج لے گئے اور اُسی اسیری کی حالت میں اُسے ماموں اور ابوعلی کے سامنے جو کہ جشن
فتح منانے میں مصروف اور نشۂ شراب سے مخمور تھے پیش کیا گیا۔ ماموں نے ابوعبداللہ سے
گفتگو کی لیکن وہ سر جھکائے خاموش زمین کو دیکھتا رہا۔ ماموں نے حکم دیا کہ ابوعبداللہ قتل
کردیا جائے، چنانچہ فی الفور اُسے زمین پر لٹا کر ذبح کردیا گیا اور اُسی دن آلِ عراق کی
حکومت دنیا میں ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئی اور ماموں خوارزم شاہیوں کا عہد شروع ہوا

(بقیہ حاشیہ ص ۴۴) نواحی غرب میں تھے۔ گرگانج اور کاث کے مابین بیس فرسخ کا فاصلہ تھا۔
۳ نسا خراسان کے شہروں میں تھا جو مرو سے ۵ دن کے فاصلہ پر اور ابی ورد سے صرف ایک دن کے
فاصلہ پر اور نیشاپور سے چھ سات دن کے فاصلہ پر واقع تھا۔ ۴ ابی ورد خراسان کا ایک شہر تھا جو کہ نسا اور سرخس کے
مابین واقع تھا۔ ۵ ہزار اسپ یاقوت جس نے اُسے ۶۱۶ھ میں دیکھا تھا لکھتا ہے کہ خوارزم کے نواح میں
خوارزم سے تین دن کے فاصلہ پر تھا وہاں ایک مضبوط قلعہ بنا ہوا تھا جسے چاروں طرف سے پانی گھیرے ہوئے
تھا اور نہایت خوش حال اور تجارتی شہر تھا۔

باب جو اس واقعہ کے صرف بائیس برس بعد تک رہا۔ ابوعلی کا یہ حشر ہوا کہ اُسے بخارا بلوا کر قتل کرا دیا گیا۔

ہمارا خیال ہے کہ آلِ عراق کے زمانہ میں یعنی اپنی عمر کے تیئسویں برس تک البیرونی اپنے وطن ہی میں رہا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنے مُربّیوں کے تباہ ہو جانے کے بعد وہ وطن چھوڑنے پر مجبور ہوا اور کچھ زمانہ اُس کا تنگ حالی اور پریشانیوں میں گزرا۔ خدا جانے کتنے عرصہ تک کہاں کہاں سفر کرتا اور غریب الوطنی کی مُصیبت سہتا شہرِرے پہونچا۔ وہاں کی سرگزشت البیرونی نے آثارالباقیہ میں اس طرح لکھی ہے:۔

"اس موقع پر مجھے اپنی زندگی کا ایک واقعہ یاد آتا ہے جو کہ احمد بن فارس کے اس کلام کا مصداق ہے:۔

قد قال فیما مضیٰ حکیمٌ ما المرءُ الا باصغریه
پچھلے زمانے کے ایک حکیم نے کہا ہے کہ انسان کی بزرگی دو چھوٹی چیزوں سے ہے

فقلت قول امرءٍ لبیب ما المرءُ الا بدرهمیه
میں بھی دعاقل کی طرح یہ قول پیش کرتا ہوں کہ انسان کی بزرگی دو پیسوں سے ہے

من لم یکن معه درهماه لم تلتفت عرسه الیه
جس کے پاس دو درہم نہ ہوں تو اُسکی عروس بھی اُس کی طرف ملتفت نہیں ہوتی

وکان من ذلّه حقیراً یبول سنّورهم علیه
اپنی تنگدستی سے حقیر ہو جاتا ہے اور لوگوں کی بلیاں بھی اُس پر پیشاب کرتی

جب میں حضرت عالی سے جُدا تھا اور خدمت شریف کی سعادت سے محروم اُس وقت شہرِرے میں ایک شخص سے ملاقات ہوئی جو وہاں کی چوٹی کے

منجمین میں شمار ہوتا تھا۔(اس موقع پر البیرونی نے ایک مسئلہ ہیئت بیان کیا ہے جس کے بارے میں البیرونی نے اُس منجم سے اختلاف رائے کا اظہار کیا تھا)۔ باب۲
منجم مذکور نہایت سخت ناراض ہوا اور اگرچہ علوم میں مجھ سے بہت پست مرتبہ رکھتا تھا اُس نے میرے قول کی تکذیب و اہانت کی اور خشونت سے پیش آیا اور زبان درازی کے ساتھ بوجہ اُس فرق کے جو ہمارے مابین فقر و غنا کا تھا پیش آیا۔ فقر وہ چیز ہے جو مناقب کو معایب سے بدل دیتا ہے۔ میں اُس وقت میں خراب خستہ حالت میں اور ہر طرح درماندہ تھا، لیکن جب میری درماندگی میں کچھ کمی ہوئی تو مجھ سے دوستی کے ساتھ پیش آنے لگا۔"

(آثار الباقیہ ص ۳۳۸)

نہ معلوم کہ البیرونی کی شہرت کا آوازہ شمس المعالی والیِ جرجان و طبرستان کے کان میں پہونچا اور اُس نے البیرونی کو اپنے یہاں مدعو کیا یا البیرونی پھرتا پھراتا خود وہاں جا نکلا۔ جو صورت بھی پیش آئی ہو جرجان میں البیرونی کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اور وہاں پہنچکر پھر اُسے سکون و طمانیت میسر آئی اور کئی سال وہ وہاں رہا۔
شمس المعالی اُس عہد کے نامور فضلا اور ممتاز ادبا میں شمار ہوتا تھا اور اُس کے

۱؎ شمس المعالی کے لئے دیکھو (۱) تاریخ یمینی مطبوعہ قاہرہ ص ۳۸۹-۴۱۱ و ج ۲ ص ۱۰-۲۶ (۲) یتیمۃ الدہر مطبوعہ دمشق ج ۳ ص ۲۸۸-۲۹۰ (۳) ارشاد الاریب ج ۶ ص ۱۴۳-۱۵۴ (۴) تاریخ طبرستان مصنفہ اسفندیار (ترجمہ ملخص انگریزی براؤن مطبوعہ گب میموریل فنڈ) ص ۹۲ - علاوہ ازیں ابن الاثیر، روضۃ الصفا اور حبیب السیر میں بھی قابوس کے حالات درج ہیں۔

باب۲ معاصرین مثلاً عتبی[۱] صاحب تاریخ یمینی (جو ۴۱۰ھ ۱۰۱۹ء کے واقعات پر ختم ہوجاتی ہے) اور الثعالبی[۲] صاحب یتیمۃ الدہر اس کے ادبی فضائل کے تذکرہ میں رطب اللسان ہیں۔ عہد مابعد کے تمام مؤرخین اور تذکرہ نویس بھی اسی طرح اس کے مدح خواں ہیں چنانچہ یاقوت رومی نے اپنے معجم الادبار میں اس کا مفصل حال لکھا ہے۔ قابوس کے رسائل و مکتوبات عربی ادب میں بلند پایہ رکھتے ہیں اور اس کا خط اتنا پاکیزہ تھا کہ اس کا معاصر ادیب اور آل بویہ کا نامور اور علامہ وزیر اسمٰعیل بن عباد اسے دیکھ کر کہا کرتا تھا کہ یہ خط ہے یا مور کے پر ہیں۔ عوفی لباب الالباب میں اس کے متعلق لکھتا ہے:-

"فضلائے روزگار و مردانِ روزگار را زتیغ و زبانِ او سر بخط آوردہ .... و رسائل تازی و قصائد عربی کہ او پرداختہ است دیباچۂ دفتر فضائل ست و مشاعراتِ او با اُستاد ابوبکر خوارزمی مشہور..... و او را شعر پارسی ست بغایت لطیف و کمال قدر او زیں یک قصیدہ کہ گفتہ است واضح و لائح می شود۔

کارِ جہاں سراسر آزست یا نیاز — من پیش دل نیارم آز و نیاز را
من بست چیز از جہاں برگزیدہ ام — تاہم بداں گزارم عمرِ دراز را
شعر و سرود و رود و مئ خوشگوار را — شطرنج و نرد و صیدگہ و یوز و باز را
میدان و بارگہ و رزم و بزم را — اسپ و سلاح و جود و دُعا و نماز را

۱؎ ابوالنصر محمد بن محمد الجبار العتبی نے سبکتگین اور محمود اور قرب و فراح کے حکمرانوں سامانیان، خوارزم شاہیان، آل زیار قابوس وغیرہ کے حالات لکھے ہیں جو معاصرانہ لحاظ سے نہایت قیمتی ہیں، تاریخ یمینی کی ادبی حیثیت نہایت اعلیٰ مانی جاتی ہے۔ عتبی کا محمود کے دربار سے تعلق تھا اور وہ ۴۲۰ھ ۱۰۲۹ء تک زندہ رہا۔ ۲؎ ابومنصور عبدالملک بن محمد بن اسمٰعیل الثعالبی النیشاپوری (۳۵۰ھ ۹۶۱ء - ۴۲۹ھ ۱۰۳۸ء) ایک کثیر التصانیف ادیب و مورخ تھا، علاوہ یتیمۃ الدہر کے

از راہ انصاف اگر کسے دریں قطعہ بنگرد بر کمالِ علوّ ادب و فور فضل و حسنِ اعتقاد و یمن ہمت ایں امیر بزرگوار وقوفے یابد، و ہمو گوید:- باب ۲

شش چیز دراں زلفِ تو دارد معدن — پیچ و گرہ و بند و خم و تاب و شکن

شش چیز دگر نگر وطن شاں دلِ من — عشق و غم و درد و کرم و تیمار و حزن

رباعی

گل شاہ نشاط آمد و می میر طرب — زاں روے بدیں دو می کنم عیش طلب

خواہی کہ دریں ہر دو بمانی اے ماہ سبب — گل رنگ رخت دارد و می طعم دو لب

.... امیر قابوس دریا دل ابر دست کان احسان بود ہر کہ کمال البلاغت کہ رسائل اوست مطالعہ کردہ باشد داند کہ حدِ فضلِ او تا کجاست و با آں کہ فضل ہمہ فضلا سخرہ بیانِ او بود دست در کرم چناں کشادہ بناں بود کہ فضلائے عالم متاعِ فضل بہ بازار او می بردند و بار دانش در حضرت او می گشادند[۴]

قابوس کی دلچسپی صرف ادب تک ہی محدود نہ تھی بلکہ اُسے علوم ریاضیہ و حکمیہ سے بھی تعلق تھا چنانچہ اُس نے اسطرلاب پر ایک رسالہ لکھا تھا جس کی تقریظ ابو اسحاق الصابی نے

(بقیہ حاشیہ ص ۴۸) جو شعراء عہد کا تذکرہ ہے۔ اُس کی تصانیف میں کتاب غرر سیر الملوک ہے جس کا ابتدائی حصہ معہ فرانسیسی ترجمہ کے شائع ہو چکا ہے۔ غرر السیر ایک مبسوط تاریخ تھی جو اوائل پنجم صدی ہجری میں محمود سبکتگین کے بھائی اور سپہ سالار خراسان امیر ابو نصر کے حکم سے تصنیف کی گئی تھی۔ جو حصہ کہ شائع ہوا ہے وہ شاہانِ ایران کی تاریخ پر ختم ہو جاتا ہے مکمل کتاب دستیاب نہیں ہوتی۔ ۳؎ ابو القاسم اسمٰعیل بن عباد، موید الدولہ و فخر الدولہ کا وزیر تھا اور "الصاحب" کے لقب سے مشہور تھا۔ وہ ۳۲۶ھ (۹۳۸ء) میں پیدا ہوا اور ۳۸۵ھ (۹۹۵ء) میں وفات پائی۔ ابن عباد بھی عربی زبان کا بڑا ادیب سمجھا جاتا تھا چنانچہ اُس کا تذکرہ یاقوت نے معجم الادباء میں کیا ہے دیکھو ج ۲ ص ۲۷۳-۳۴۳

۴؎ لب الالباب ج ۱ ص ۲۹-۳۱ مطبوعہ برلن۔

باب جو اُس عہد کے منتخب ادبا میں شمار ہوتا تھا لکھی تھی۔

شمس المعالی قابوس خاندان بنو زیار سے تھا جو بروایت قابوس نامہ مصنفہ امیر عنصر المعالی کیکاؤس بن اسکندر بن قابوس ارغش فرہادوند کے جو کیخسرو کے عہد میں گیلان کا بادشاہ تھا ،جس کا ذکر ابو المؤید بلخی نے اپنے شاہ نامہ میں کیا تھا نسل میں شمار ہوتا تھا۔ شمس المعالی کا باپ وشمگیر اور اُس کا چچا مرداویج رے اور اصفہان کے بھی بادشاہ تھے اور بنو بویہ ابتداءً مرداویج ہی کے اتباع میں سے تھے۔ قابوس کے باپ وشمگیر نے جرجان و طبرستان کو فتح کیا بیس برس سے زیادہ اس کی رکن الدولہ ابو علی بن بویہ سے جنگ رہی۔ وشمگیر کے انتقال پر اُس کا بیٹا ابو منصور بیستون ۳۶۶ھ (۹۷۷ء) میں تخت نشین ہوا لیکن چھ سات برس کی حکومت کے بعد ہی انتقال کر گیا۔ اُس کے بعد قابوس تخت نشین ہوا ابھی چار ہی برس ہوئے تھے کہ ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے شمس المعالی کو ۳۷۱ھ (۹۸۱ء) میں اپنا ملک چھوڑنے پر مجبور کیا۔ فخر الدولہ ابو الحسن علی بن بویہ کی اپنے بھائی ابو شجاع فنّا خسرو عضد الدولہ سے مخالفت ہو گئی۔ اُس نے ہمدان پر جو فخر الدولہ کا دارالحکومت تھا فوج کشی کر کے فخر الدولہ کو اُس کے ملک سے نکال دیا۔ وہ بھاگ کر جبال طبرستان پہونچا اور اُسے قابوس نے پناہ دیدی۔ عضد الدولہ نے اپنے دوسرے بھائی امیر الامراء مؤید الدولہ

(بقیہ حاشیہ ص ۴۹) [1] ابو اسحاق ابراہیم بن ہلال بن ابراہیم بن زہرون الحرانی الصابی (۳۱۳ھ-۳۸۴ھ) مصنف تاریخ تاجی معز الدولہ و عز الدولہ دیلمی کا کاتب تھا۔ اُس کے مکتوبات اور رسائل بھی مشہور ہیں۔ تاریخ تاجی میں آل بویہ کی تاریخ لکھی تھی۔ عضد الدولہ ابو اسحاق سے رنج رکھتا تھا اُس نے عز الدولہ کی وفات کے بعد اُسے قید خانہ میں ڈال دیا تھا اور اُس زمانے میں عضد الدولہ کی حکم و نگرانی میں یہ تاریخ لکھی گئی، جس میں مصنف کو آزادی بیان کا موقع حاصل نہیں ہوا۔

کو لشکر دیگر تعاقب میں روانہ کیا۔ قابوس اور فخر الدولہ جرجان سے بھاگ کر نیشاپور میں خراسان باب۲
کے حاکم ابو الحسن محمد بن ابراہیم بن سیمجور کے پاس پناہ گزین ہوئے ابو الحسن منصور بن نوح سامانی
کی طرف سے عامل تھا کچھ عرصہ اُس کے پاس نیشاپور میں رہنے کے بعد قابوس اور فخر الدولہ
بخارا گئے اور وہاں سے مدد لے کر جرجان پر فوج کشی کی، لیکن ناکام رہے۔ ۳۷۳ھ
(۹۸۳ء) میں عضد الدولہ اور موئد الدولہ کے مر جانے کی وجہ سے فخر الدولہ تو اُن کا وارث
ہونے کی حیثیت سے عضد الدولہ کے نامور وزیر ابن عباد کے مدعو کرنے پر تخت سلطنت
سے فائز ہوا، لیکن اُس نے قابوس کا احسان فراموش کر دیا۔ وہ بارہ برس تک اور سرگرداں
پھرتا رہا بالآخر خراسان اور ماوراء النہر کی امداد سے مایوس ہو کر وہ جرجان کو لوٹا۔ اہل
ملک اس کی حمایت کو کھڑے ہو گئے اور ۳۸۸ھ (۹۹۸ء) میں از سر نو اُس نے اپنی
حکومت واپس پائی اور ۴۰۳ھ (۱۰۱۳ء) تک حکمراں رہا۔ بالآخر اپنی سخت گیری اور
خوں خواری کی وجہ سے جو حد سے گزری ہوئی تھی اور جس کی وجہ سے سب خائف رہتے
تھے اپنی فوج کے ہاتھوں اسیر ہو کر تخت سلطنت سے اُتارا گیا اور اُس کی جگہ اُس کا بیٹا
فلک المعالی منوچہر تخت نشیں ہوا اور قابوس بحالت قید قلعہ جناشک میں بماہ جمادی الآخر
فوت ہو گیا جرجان میں اُس نے اپنے لیئے ایک بلند مقبرہ تعمیر کیا تھا جو اب تک محفوظ ہے[1]
اُسی میں دفن ہوا۔

کتاب آثار الباقیہ جو البیرونی نے شمس المعالی کے نام پر معنون کی تھی ۳۹۰ھ ہجری کی

---

[1] اس مقبرہ کا جو کہ ایک مخروطی مینار نما گنبد کی وضع کا اور کمرخی زاویوں کے ساتھ بنا ہوا ہے
ایک فوٹو پروفیسر ستار خیری نے اپنی کتاب تعمیرات اسلامی مطبوعہ برلن میں شائع کیا ہے جو اُس کتاب
کی تصاویر میں ۲۹ نمبر ہے۔ اس گنبد کی بلندی ۴۹ میٹر اور اندرونی قطر ۹ر۶۴ میٹر اور مجموعی قطر ۱۵ر۴۶ میٹر
ہے۔ شکل اس مقبرہ کی ایسی ہے:-

باب ۲ تصنیف ہے۔ اُس زمانہ میں البیرونی جرجان ہی میں تھا۔ قابوس جیسا خود فاضل اجل تھا ویسا ہی علما ر و فضلا کا قدردان بھی تھا، لیکن البیرونی کے بیان سے یہ ثابت ہے اور اس پر تمام مورخین متفق ہیں کہ بہت سی خوبیوں کے باوجود شمس المعالی نہایت سفاک حکمران تھا اور معمولی خطاؤں پر لوگوں کو قتل کرا دیتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس خصلت کی وجہ سے البیرونی بھی اُس سے نفرت رکھتا تھا اور غالباً یہی وجہ البیرونی کے جرجان سے آنے کی ہوئی۔ البیرونی اپنے اُس قصیدہ میں جو ابو الفتح بستی کی مدح میں ہے آل عراق کا ذکر کرنے کے بعد لکھتا ہے:-

وشمس المعالی کان یرتاد خدمتی　　شمس المعالی میری خدمت کا جویا تھا
علی نفرۃ منی وقد کان قاسیا[۵۱]　　حالانکہ اُس کی سنگدلی کی وجہ سے میں اس سے نفرت کرتا تھا

البیرونی نے اپنے رسالہ "التعلل باجالۃ الوہم فی معانی منظوم اولی الفضل" میں قابوس کے متعلق لکھا تھا کہ مجھے اُس کی یہ عادت نہایت پسند تھی کہ وہ اپنی مدائح اپنے سامنے سننے سے ہمیشہ اعراض کرتا تھا اور نوروز اور مہرجان کے موقعوں پر اُن شعرا کو جو اُس کے یہاں جمع ہوتے تھے بغیر اُن کے مدائح سننے انعام دیدیتا تھا اور اس کام پر اُس نے ابو اللیث طبری کو مقرر کر رکھا تھا کہ وہ اُنھیں اُن کے حسب حیثیت انعام تقسیم کر دے[۵۲]۔

جرجان کا ملک نہایت نم ناک ہے البیرونی نے وہاں کا حال آثار الباقیہ میں اس طرح پر لکھا ہے:-

"موسم صیف میں میں جرجان میں مقیم رہا ہوں۔ کبھی دس دن متواتر ایسے نہیں گزرے کہ جب آسمان پر بادل نظر نہ آتے ہوں مطلع صاف ہو اور بارش

---

۵۱ ارشاد الاریب ج ۶ ص ۳۱۲　۵۲ ارشاد الاریب ج ۶ ص ۱۴۹

باب۲ نہ ہوتی ہو۔ یہ برساتی ملک ہے لوگ ایک قصہ بیان کرتے ہیں کہ کوئی خلیفہ (میرے خیال میں مامون الرشید) یہاں چالیس دن ٹھیرا مینھ متواتر برستا رہا آخر اس نے کہا کہ اس پانی اور کیچڑ کی زمین سے باہر لے چلو[1]

ایک دوسرے مقام پر لکھا ہے:۔

"۲۰ر تشرین الآخر۔ لوگ کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں بے ہڈی کے تمام جانور مرجاتے ہیں۔ لیکن مختلف ملکوں میں مختلف کیفیتیں ہوتی ہیں اس زمانے میں جب کہ سورج برج جدی میں تھا مجھے جرجان میں بے ہڈی کے جانوروں (مچھروں پسوؤں) سے برابر تکلیف پہونچتی رہتی"[2]

البیرونی کا علمی مشغلہ یہاں بھی جاری رہا۔ علاوہ آثار الباقیہ کے رسالہ تجرید الشعاعات بھی قابوس کے نام سے معنون کیا اور کرۂ ارض کے درجۂ عرض البلد کی پیمایش بھی اس ملک میں کی، جس کا مفصل حال آگے آئیگا۔

یہ یقینی امر ہے کہ قابوس کے مزاج کو ناپسند کرنے کی وجہ سے البیرونی زیادہ عرصہ تک جرجان نہیں رہا۔ چنانچہ اس بارے میں محمد بن محمود النیساپوری کا بیان ہے:۔

واما نباهة قدره وجلالة	البیرونی کی بادشاہ کس قدر قدر و منزلت
خطرة عند الملوك فقد بلغني	کرتے تھے اس سے ظاہر ہوگا کہ ہمیں اطلاع
من حظوته لديهم ان شمس	ملی ہے کہ شمس المعالی قابوس بن وشمگیر نے
المعالى قابوس بن وشمگير	چاہا کہ اسے اپنی مصاحبت کے لئے مخصوص

---

[1] آثار الباقیہ ص ۲۴۵

[2] آثار الباقیہ ص ۲۴۰

[1] اراد ان یستخلصه لصحبته	کرے اور اپنے مکان میں رکھے
ویرتبطه فی داره علی ان	حتیٰ کہ جس چیز کا قابوس مالک ہو اُس
تکون له الامر لمطاعه فی	البیرونی کی بھی حکومت سمجھی جائے اور
جمیع ما یحویه ملکه ویشتمل	البیرونی اُس کی سلطنت کا شریک بنکر
علیه ملکه ولم یطاوعه-	رہے۔ البیرونی نے اس بات کو
ولمّا سمحت قرونته بمثل	پسند نہیں کیا۔ جب خوارزمشاہ کو
ذلک لخوارزمشاهیه فی	البیرونی کے ایسے تقرب کا حال معلوم ہوا تو اس نے
داره وانزله معه فی	البیرونی کو مدعو کیا اور اپنے گھر لایا
قصره[2]"	اور اُسے اپنے قصر میں اُتارا۔

روایت مندرجۂ بالا میں خوارزم شاہ کا نام نہیں لکھا ہے لیکن اُس سے اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ جرجان سے البیرونی کو خوارزم واپس بلانے کا باعث خوارزم کا والی ملک ہی ہوا۔ اس دوران میں ماموں جس نے البیرونی کے سرپرست آلِ عراق کا استیصال کیا تھا ۳۸۷ھ ہجری (۹۹۷ء) میں فوت ہو چکا تھا اور اُس وقت سے اُس کا بیٹا علی حکمراں تھا جو ہماری تحقیق میں سنہ ۴۰۰ھ (سنہ ۱۰۰۹ء)[3] تک مملکت خوارزم کا بادشاہ رہا۔ ہم یقینی طور پر

---

[1] اس موقع پر کچھ عبارت رہ گئی ہے۔ [2] ارشاد الاریب ج ۶ ص ۳۰۹ [3] عتبی نے ۳۹۷ھ کے واقعات میں علی بن ماموں کا ذکر کیا ہے، جس سے یقینی طور پر تحقیق ہے کہ وہ اُس سال تک بقید حیات تھا۔ البیرونی نے تاریخ خوارزم میں لکھا ہے کہ میں ابوالعباس ماموں کے پاس سات برس رہا چونکہ البیرونی علی بن ماموں کے زمانہ میں خوارزم پہنچ گیا تھا جس کا ثبوت یہ ہے کہ اُس نے اپنے قصیدہ میں اُس کا نام ماموں سے پہلے اپنے سرپرستوں میں لیا ہے اس لیئے ہمارا قیاس ہے کہ ماموں کی حکومت سنہ ۳۸۷ ہجری ہی سے شروع ہوئی۔

نہیں کہہ سکتے کہ البیرونی خوارزم کس سنہ میں واپس آیا۔ لیکن یہ امر یقینی ہے کہ وہ وہاں چوتھی صدی ہجری کے عشرۂ اخیر اور غالباً علی بن ماموں کے عہد حکومت کے اخیر سالوں میں پہونچا۔ بہر حال اس مرتبہ اپنے وطن آیا تو اس طرح کہ ۴۰۸ھ (۱۰۱۷ء) یعنی آلِ ماموں کے استیصالِ حکومت کے وقت تک وہیں نہایت قدر و منزلت کے ساتھ اپنی علمی زندگی بسر کرتا رہا۔ باب۲

اُس عہد کے دیگر والیانِ ملک کی طرح علی بن ماموں بھی علم دوست اور ہنر پرور بادشاہ تھا اور اُس کا وزیر ابو الحسین احمد بن محمد السہیلی الخوارزمی خاص طور پر علوم حکمیہ کا شیفتہ تھا۔ یاقوت نے اس کا شمار ممتاز ادبا میں کیا ہے[۱]۔ ابن سینا نے اپنے حالات میں لکھا ہے کہ وہ علوم حکمیہ کا محب تھا اور اُسی کے توسط سے ابن سینا بخارا سے آکر علی بن ماموں کے دربار میں پہونچا، جہاں اُس کی نہایت قدر و منزلت ہوئی۔ السہیلی خوارزم کے اکابر میں سے تھا اور اُس کا خاندان ریاست و وزارت کا گھرانا تھا۔ ثعالبی نے لکھا ہے کہ وہ وزیر بن وزیر تھا اور ریاست کے ساتھ علوم و ادب میں بھی امتیاز رکھتا تھا اور کرم اور حسنِ خلق کے لیئے مشہور تھا۔ کتاب روضۃ السہیلیہ اُس کی تصنیف تھی جس میں اوصاف و تشبیہات سے بحث کی گئی تھی۔ اُسی کے حکم سے الحسن بن الحارث نے کتاب السہیلی تصنیف کی تھی جس میں فقہ شافعی و حنفی سے بحث کی گئی تھی۔ وہ شعر بھی کہتا تھا۔ السہیلی ۴۰۴ھ ہجری (۱۰۱۳ء) تک خوارزم میں وزیر رہا، لیکن کسی وجہ سے ابی العباس ماموں بن ماموں خوارزم شاہ سے خوف زدہ ہو کر ترکِ وطن کر کے بغداد میں جا رہا، جہاں فخر الملک ابو غالب محمد بن خلف والیِ عراق نے اُس کی بہت کچھ آؤ بھگت کی، جب ابو غالب مر گیا تو السہیلی

---

[۱] دیکھو یاقوت معجم الادبا ج ۲ ص ۱۰۲-۱۰۳

بابا غریب بن معن والیِ تکریت کے پاس اپنا مال و متاع لے کر پناہ گزیں ہوا اور مقام سُرّ من رای (سنہ ۴۱۸ھ (سنہ ۱۰۲۷ء) میں وفات پا گیا۔ والیِ تکریت نے اُس کا تمام مال و متاع اُس کے وارثوں کے پاس بھیجدیا۔

ابن سینا نے بھی اپنی بعض کتابیں السہیلی کے نام پر معنون کی تھیں، جن میں حسب ذیل دو کتابوں کے نام اُس کی تصانیف کی فہرست میں ملتے ہیں :-

(۱) کتاب قیام الارض فی وسط السماء۔

(۲) کتاب التبارک لانواع خطار التدبیر سبع مقالات۔

علی بن مامون کے انتقال کے بعد اُس کا بھائی ابو العباس مامون بادشاہ ہوا۔ وہ بذاتِ خود ذی علم اور نہایت علم دوست فرمان روا ہوا ہے۔ جس کے دربار کی علمی آب و تاب رشک کی نظر سے دیکھی جاتی تھی اور اُس کا تذکرہ عرصہ دراز تک تاریخوں میں رہا۔ اُس کے دربار میں منتخبین روزگار کا اجتماع ہو گیا تھا۔ احمد بن عمر بن علی نظامی سمرقندی (متوفی سنہ ۴۵۰ھ (سنہ ۱۰۵۸ء) چہار مقالہ میں لکھتا ہے :-

"ابو العباس مامون خوارزم شاہ وزیرے داشت نام او ابو الحسین احمد بن محمد السہیلی۔ مردے حکیم طبع و کریم نفس و فاضل۔ و خوارزم شاہ ہم چنیں حکیم طبع و فاضل دوست بود و بسبب ایشاں چندے حکیم و فاضل برآں درگاہ جمع شدہ بودند چوں ابو علی سینا و ابو سہل مسیحی و ابو الخیر خمار و ابو ریحان بیرونی و ابو نصر عراق۔ اما ابو نصر عراق برادر زادہ خوارزم شاہ بود و در علم ریاضی و انواع آں ثانی بطلیموس۔ و ابو الخیر خمار در طب ثالث بقراط و جالینوس بود۔ و ابو ریحان در نجوم بجاے ابو معشر و احمد بن عبد الجلیل بود و ابو علی سینا و ابو سہل مسیحی خلف

باب۲

ارسطاطالیس بودند در علم حکمت کہ شامل ست ہمہ علوم را ایں طائفہ در آں خدمت از دُنیاے دنی بے نیازی داشتند و بایک دیگر انسے در محاورت و عشرت در مکاتبت می کردند[1]"

دربار خوارزم کی جس علمی شان و شوکت کی آب و تاب زمانۂ بعد تک اس طرح یادگار رہی اُسے بلاخوفِ مبالغہ بے نظیر کہا جا سکتا ہے۔ علوم حکمت میں تاریخ اسلامی کی دو سب سے بڑی شخصیتیں یعنی ابوریحان البیرونی و ابوعلی سینا کا اس دربار میں جمع ہو جانا بجاے خود اِس کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ دوسری شخصیتیں بھی جو اوپر شمار کی گئی ہیں نہایت ممتاز فضلا تھے۔

اِن میں سے ابونصر عراق کا حال اوپر گزر چکا ہے۔ فاضل مصنف چہار مقالہ نے اُسی غلطی سے ماموں کا برادر زادہ لکھا ہے۔ اُس کا نسبی تعلق آلِ عراق سے تھا نہ کہ آلِ ماموں سے۔ ہم اس امر کی تصدیق سے بھی قاصر ہیں کہ ابونصر مذکور ماموں کے زمانۂ حکومت تک حیات بھی تھا یا نہیں۔

ابوالخیر الحسن بن سوار بن بابا بن بہرام (وبقول ابن ابی اُصیبعہ بنام المعروف بابن الخمار ۳۳۱ھ (۹۴۲ء) میں بغداد میں پیدا ہوا۔ یحییٰ بن عدی مشہور منطقی سے فلسفہ پڑھا۔ بعد ازاں خوارزم میں ماموں کے دربار میں پہونچا جہاں خوارزم شاہیہ کے کنف حمایت میں اُن کے انقراض حکومت تک بسر کرتا رہا۔ ۴۰۷ھ (۱۰۱۶ء) میں خوارزم کی تباہی کے بعد وہ محمود کے ساتھ چلا گیا۔ محمود اُس کی کمال تعظیم و تکریم کرتا تھا۔ یہاں تک کہ مشہور ہے کہ اُس کے سامنے زمین بوس ہوتا تھا۔ ابوالخیر نہایت منکسر مزاج تھا۔

---

[1] دیکھو چہار مقالہ مطبوعہ گب فنڈ

باب۲ لیکن سلاطین و امرا سے تزک و احتشام سے ملتا تھا۔ تین سو غلام رکاب میں رہتے تھے۔ اہل علم اور زہاد کی خدمت میں پاپیادہ جاتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ اس پیادہ روی کو جابروں اور فاسقوں کی عیادت کا کفارہ قرار دیتا ہوں۔ ایک مرتبہ محمود کے دربار سے واپس آتے ہوئے گھوڑے سے گر کر ضربات کے صدمہ سے ایسا بیمار رہا کہ جاں بر نہ ہو سکا۔

ابوالخیر اخیر زمانے میں عیسائی مذہب چھوڑ کر مسلمان ہو گیا تھا۔ وہ سریانی سے عربی میں کتب حکمت کا ترجمہ کیا کرتا تھا اور اپنے زمانے کے مشہور حکما میں شمار ہوتا تھا۔[1]

ابوسہل عیسیٰ بن یحییٰ المسیحی الجرجانی نے بغداد میں تحصیل علم کی ابوریحان نے اپنی فہرست تصانیف میں بارہ کتابیں اس کی تصنیف سے شمار کی ہیں جو اس نے البیرونی کے نام پر لکھی تھیں۔ کتاب المائۃ طب میں اور بعض دیگر تصانیف کے قلمی نسخے مختلف کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔ وستنفلد نے سال وفات ۳۹۰ھ (۹۹۹ء) لکھا ہے لیکن اس کے لیے کوئی سند نہیں بتائی ہمارے خیال میں یہ سنہ غلط ہے اور ان وجوہات سے جو بعد میں بیان ہونگے اس کا سنہ وفات ۴۰۳ھ (۱۰۱۲ء) اور ۴۰۴ھ (۱۰۱۳ء) کے مابین قرار پاتا ہے۔[2]

ابومنصور الثعالبی صاحب یتیمۃ الدہر بھی ابوالعباس مامون کے دربار سے تعلق رکھتا تھا اور بیہقی میں اس کی سند سے ابوالعباس کے بعض حالات لکھے ہیں جو ہم آئندہ بیان کرینگے ابومنصور نے اپنی بعض تصانیف اس کے نام پر معنون کی تھیں جن میں سے حسب ذیل دو کتابوں کے نام ہمیں معلوم ہوئے ہیں:-

---

[1] ابوالخیر کے حالات کے لیئے دیکھو ابن الندیم الفہرست ص ۲۴۵ ابن القفطی ص ۱۶۴ ابن ابی اصیبعہ ص ۳۲۲ و ۳۲۳ - و شہرزوری۔ [2] ابوسہل کے حالات کے لیئے دیکھو القفطی ص ۴۰۸ - ۴۰۹ ابن ابی اصیبعہ ج ۲ ص ۳۲۷ - ۳۲۸ - و ج ۲ ص ۱۹ و کشف الظنون در باب میم و بروکلمن تاریخ علوم عرب ج ۱ ص ۲۳۸ -

باب ۲

(۱) النہایت فی الکفایت

(۲) نثر النظم [1]

اِس عہد کی علمی تاریخ کا سب سے دلچسپ واقعہ ابوریحان اور ابن سینا کا علمی مباحثہ ہے۔ آثار الباقیہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تقویم یونان کے بارہ میں اس کتاب کی تصنیف سے پہلے البیرونی و ابن سینا کی بحث ہو چکی تھی۔ چنانچہ البیرونی لکھتا ہے:۔

"وقد ذکرت ذلک فی موضع اٰخر الیق بہ من ھذا الکتاب وخاصّتہ فیما جری بینی وبین الفتی الفاضل ابی علی الحسین بن عبداللہ بن سینا من المذاکرات فی ھذا الباب" [2]

اس موقع پر البیرونی نے ابن سینا کو فتی (نوجوان) فاضل کے لفظ سے یاد کیا ہے۔ آثار الباقیہ ۳۹۰ھ (۹۹۹ء) و ۳۹۱ھ (۱۰۰۰ء) کے مابین تصنیف ہوئی اور ابن سینا کا سنہ ولادت اُس روایت کی رو سے جو اُس کے شاگرد ابو عبیدہ نے ابن سینا کے سنہ وفات اور عمر کے متعلق پیش کی ہے اور جو یقیناً سب سے زیادہ معتبر ہے ۳۷۰ھ ہوتا ہے۔ اِس طرح آثار الباقیہ کی تصنیف کے وقت ابن سینا کی عمر بیس اکیس برس کی تھی۔ اس موقع پر ایک سوال یہ پیش آتا ہے کہ جرجان جانے سے پہلے البیرونی کے مابین یہ مباحثہ کب اور کہاں ہوا۔ ہم اس سوال کا صحیح جواب دینے سے قاصر ہیں۔ خوارزم آنے سے پہلے ابن سینا بخارا میں تھا اور ہمارے خیال میں ابن سینا علی بن مامون

---

[1] ماخوذ از دیباچہ فرانسیسی بر کتاب غرر السیر الثعالبی مطبوعہ مطبع قیہ فرانس۔

[2] آثار الباقیہ ص ۲۵۷

بابر کے عہد حکومت کے ابتدائی زمانے میں اور البیرونی اخیر سالوں میں پہونچا۔ عجب نہیں ہے کہ یہ مباحثہ البیرونی کے قیام جرجان اور ابن سینا کے دربار خوارزم میں باریاب ہونے کے بعد ہی پیش آیا ہو۔

اِن دونوں شخصیتوں کا اجتماع جب مامون کے دربار میں ہوا تو پھر علمی بحثیں چھڑ گئیں جن کی یاد عرصہ تک زندہ رہی اور جس پر بعض فضلائے عہد نے تبصرہ بھی کیا۔ خوارزم کے بعد پھر کبھی البیرونی اور ابن سینا ایک جگہ جمع نہیں ہوئے۔ البیرونی کی زندگی تو پھر افغانستان اور ہندوستان کے ملکوں میں گزری اور ابن سینا آل بویہ کی مملکتوں میں ایران کے شمالی و مغربی اقطاع میں اپنی سیاسی اور علمی زندگی بسر کرتا رہا۔ اب ہم اُس علمی مباحثہ کا تذکرہ لکھتے ہیں:۔

ابو ریحان البیرونی نے علم طبیعیات کے حسب ذیل اٹھارہ مسئلے جن میں ارسطو پر اعتراضات تھے اور چند استفسارات ایک رسالہ کی شکل میں مدوّن کرکے ابن سینا کے پاس بھیجے۔

(۱) اجسام فلکیہ کی خفت و ثقل کی نسبت ارسطو پر اعتراض۔

(۲) ارسطو پر قدم عالم کی نسبت اعتراض

(۳) ارسطو اور تمام حکمائے متقدمین پر جہات ستّہ کے قایم کرنے پر اعتراض

(۴) ارسطو پر اس بات کا اعتراض کہ وہ جزو لایتجزی کے قائلین کو کیوں برا کہتا ہے، حالانکہ اس سے حکما پر بھی وہی ایرادات وارد ہوتے ہیں جو کہ متکلمین پر وارد ہوتے ہیں۔

(۵) ارسطو پر اس امر کا اعتراض کہ وہ کس دلیل سے اُس عالم کے وجود سے انکار

کرتا ہے جو اس عالم سے جدا ہے اور اس کے معتقدین کو کیوں برا کہتا ہے حالانکہ اس عالم کے امکان کی بہت سی دلیلیں ہیں اور اس کے ممنوع ہونے کی دلیلیں قابل رد و قدح ہیں بلکہ اسکے وجود کی دلیلیں اس کے عدم کی دلیلوں پر فوقیت رکھتی ہیں۔ باب

(۶) ارسطو پر اس بات کا اعتراض کہ شکل فلکی کو وہ کس دلیل سے کروی جانتا ہے اور اگر اس کی شکل کو بیضوی وغیرہ مان لیا جائے تو لزوم خلا کیونکر عاید ہوتا ہے اور یہ ممکن ہے کہ شکل بیضوی ہو اور خلا بھی لازم نہ آئے۔

(۷) ارسطو پر اس بات کا اعتراض کہ وہ کس دلیل سے تعین یمین (داہنی سمت) کرتا ہے حالانکہ یہ امر مستلزم دور ہے۔

(۸) ارسطو پر اس بات کا اعتراض کہ وہ آگ کی شکل کو کروی کیوں مانتا ہے حالانکہ وہ اس کو بھی تسلیم کرتا ہے کہ لازمی طور پر آگ غیر کروی الشکل ہونا چاہیئے اور بعض مطالب کا استفسار جن کو اس نے ارسطو کی کتابوں میں دیکھا تھا۔

(۹) شعاع کی حقیقت کے متعلق یہ سوال کہ آیا وہ جسم ہے یا عرض۔

(۱۰) عناصر کے انقلاب اور استحالہ کا استفسار یہ کہ وہ کس وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ منقلب ہوتے ہیں۔

(۱۱) عناصر کے مکان طبیعی کی نسبت سوال۔

(۱۲) جو شیشہ کہ آب صافی سے بھرا ہو وہ اپنے مقابلہ کے اجسام کو کیوں جلا دیتا ہے۔

(۱۳) کیفیت ادراک باصرہ کی نسبت استفسار۔

(۱۴) زمین کے ربع مسکون شمالی کے آباد ہونے کا سبب کیا ہے باوجود اس کے کہ دوسرا ربع شمالی جنوبی دو ربعوں کے ساتھ اس حکم میں مشترک ہے اور کوئی سبب امتیاز کا نہیں ہے۔

باب۲ (۱۵) سطحوں کی تلاقی کی نسبت انکار اور استفسار دلائل مہندسی سے۔

(۱۶) خلاء کے امتناع کی نسبت استفسار حالانکہ ایک بند شیشے میں اس کا وجود ممکن بلکہ محسوس ہے۔

(۱۷) شدت برودت سے ظرف کے ٹوٹنے کا سبب کیا ہے۔

(۱۸) پانی پر برف کے قایم رہنے کا سبب حالانکہ برف بہ نسبت پانی کے کہیں زیادہ ثقیل ہے[۱]۔

یہ دونوں بزرگوار بھی اس علمی بحث کو تلخی سے نہ بچا سکے اور دنیا کی تمام مباحثوں کی طرح اس کا بھی بالآخر یہ حشر ہوا کہ البیرونی کو ابن سینا اور ابن سینا کو البیرونی کا کلام پسند نہیں آیا۔ کہا جاتا ہے کہ البیرونی نے اپنے جوابات میں ایک اہانت آمیز پیرایہ اختیار کیا مثلاً ابن سینا کو بہ حیثیت ایک نوعمر نوجوان کے مخاطب کیا جس کی وجہ سے ابن سینا نے آیندہ بذاتِ خود جواب دینے سے انکار کیا اور اپنے ایک شاگرد ابو عبداللہ معصومی سے جوابات لکھائے، اس شاگرد نے لکھا کہ:-

"اے ابو ریحان ایک فلسفی کے لیئے اگر تو ان الفاظ کے سوا دوسرے الفاظ کو اختیار کرتا تو یہ عقل و علم کے لیئے زیادہ شایاں ہوتا"

اس وقت ہمارے سامنے دونوں فاضلوں کے مضامین مباحثہ موجود نہیں ہیں جن کو دیکھ کر ہم کوئی محاکمہ کر سکیں، لیکن اس زمانے کی ایک روایت ہم تک پہونچی ہے، جو اس پر کچھ روشنی ڈالتی ہے، بشرطیکہ ابو الفرج کے محاکمہ میں بھی جانب داری پوشیدہ نہو

---

[۱] یہ تمام سوالات رسالہ حسن جلد ۵ نمبر ۱ بابت ماہ اکتوبر ۱۸۹۲ء ص ۴۸ - ۵۲ سے ماخوذ ہیں اس رسالہ میں ابن سینا کے حالات شائع ہوئے تھے جو تحقیقات سے مترّی ہیں اور جا بجا اہم غلطیاں پائی جاتی ہیں۔ لائق مضمون نگار نے سوالات مندرجہ کا ماخذ جہاں سے انھوں نے نقل کیئے تھے بیان نہیں کیا ہے۔

جس کا اس روایت سے کسی قدر ترشح ہوتا ہے۔ بیہقی صاحب تتمۂ صوان الحکمت نے لکھا ہے کہ:

جب البیرونی اور ابن سینا کے سوالات وجوابات پر حکیم ابوالفرج بغدادی نے غور کیا تو البیرونی کے اعتراضات کو حق بجانب پایا اور کہا کہ جو شخص آدمیوں کو معزز کرتا ہے اُسے وہ معزز کرتے ہیں۔ ابوریحان نے اس بارے میں میری نیابت کی ہے[1]

یہ امر بعید از قیاس نہیں ہے کہ البیرونی نے اعتراضات میں سختی اور مخاطبہ میں بے احتیاطی سے کام لیا ہو، لیکن فاضل فلسفی کا اپنے حریف کے مقابلہ میں سپر ڈال دینا کچھ اور گمان بھی پیدا کرتا ہے۔ محققین کا اس پر اتفاق ہے کہ حریت رائے اور تحقیقات علمی میں البیرونی دنیا کے آزاد ترین حکما میں سے ہوا ہے اس کے مقابلہ میں ابن سینا مسلمہ طور پر ارسطو کا مقلد تھا۔ ڈی بور مؤرخ فلسفۂ اسلام نے صاف طور پر لکھا ہے کہ علوم حکمت میں ابن سینا اپنے معاصر البیرونی سے مرتبہ میں کم تھا اور اس نے البیرونی کے مثل دماغ نہیں پایا تھا۔

یہ شاندار علمی مجلس جو خوارزم میں جمع ہوئی تھی بالآخر زمانے کے انقلابات سے محفوظ نہ رہ سکی۔ البیرونی نے اپنے وطن خوارزم کی تاریخ "مسامیر خوارزم"[2] کے نام سے لکھی تھی جو یاقوت حموی کے زمانہ تک محفوظ تھی اور اس نے البیرونی کی بعض دیگر ادبی تصانیف کی طرح اس کو بھی دیکھا تھا، لیکن افسوس کہ وہ اب کہیں دستیاب نہیں ہوتی۔ حسنِ اتفاق سے اس تاریخ کے وہ حصے جو مامون کے عہد سے تعلق رکھتے ہیں ابوالفضل بیہقی نے اپنی تاریخ

---

[1] دیکھو دیباچہ آثار الباقیہ ص ۳۵-۳۶ [2] بیہقی کی تاریخ (ص ۱۲۷) میں غلطی سے اس کتاب کا نام "مشاہیر خوارزم" چھپ گیا ہے یاقوت نے معجم الادبا (ص ۳۱۱) میں اس کتاب کا نام "کتاب المسامرہ فی اخبار خوارزم" لکھا ہے۔

میں نقل کیئے تھے جو اس کتاب کی دسویں جلد میں درج ہیں اور تاریخ بیہقی مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے اخیر میں موجود ہیں۔ اُن کے مطالعہ سے وہ تمام واقعات معلوم ہو جاتے ہیں جو سنہ ۴۰۷ ہجری (۱۰۱۶ء) خوارزم کے انقلاب و بربادی اور محمود غزنوی کے تسلط کا باعث ہوئے۔ اِس خاتمہ کا آغاز کئی برس پہلے سے شروع ہو گیا تھا۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ سنہ ۴۰۳ھ (۱۰۱۲ء) میں وزیر ابوسہیل خوارزم سے جا چکا تھا اور ہمارے خیال میں اسی زمانے میں ابن سینا ابوسہل بھی خوارزم سے چلے گئے۔ یہ دونوں جرجان میں قابوس کے پاس پہونچنا چاہتے تھے لیکن بیان کیا جاتا ہے کہ ابوسہل تو راستہ کی صعوبت کو برداشت نہ کر سکا اور مسافرت ہی کی حالت میں وفات پا گیا۔ اور قبل اس کے کہ ابن سینا جرجان پہونچے قابوس اسیر ہو کر فوت ہو چکا تھا[1]۔

اس علمی مجلس کے انتشار کا سبب بعض مورخین نے محمود غزنوی کی سیاسی دست درازی کو قرار دیا ہے اور اس سے انکار بھی نہیں ہو سکتا کہ بعد کے واقعات کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ خیال چنداں بعید از قیاس نہیں ہے۔ اس بارہ میں ہم چہار مقالہ کی روایت پیش کرتے ہیں جو بعض اختلافات کے ساتھ تاریخ نگارستان (سنہ ۹۵۹ ہجری) میں بھی پائی جاتی ہے[2]۔

نظامی صاحب چہار مقالہ خوارزم کی اُس شاندار علمی حالت کا بیان کرنے کے بعد لکھتا ہے:۔

"روزگار بر نہ پسندید و فلک روا نہ داشت۔ آں عیش بر ایشاں منغص شد

---

[1] بعض تذکروں میں (جن کا اتباع اُس مضمون نگار نے بھی کیا ہے جس نے ابن سینا کے حالات حسن میں لکھے تھے) ابن سینا کا قابوس کے یہاں پہونچنا اور عجیب و غریب معالجے سے اُسے متحیر کرنا بیان کیا گیا ہے۔ لیکن یہ بالکل غلط واقعات ہیں۔ ابن سینا کے جو حالات اُس کے شاگرد نے لکھے ہیں اُن سے اسکی تردید ہوتی ہے۔ [2] دیکھو نگارستان مطبوعہ بمبئی سنہ ۱۲۷۵ھ ص ۱۱۰

واں روزگار برایشاں بزیاں آمد۔ از نزدیک سلطان یمین الدولہ محمود باب۲
معروضے رسید با نامہ آں کہ شنیدم کہ در مجلس خوارزم شاہ چند کس اند از
اہلِ فضل کہ عدیم النظیر اند چوں فلاں و فلاں۔ باید کہ ایشاں را بمجلس ما فرستی تا
ایشاں شرفِ مجلس ما حاصل کنند تا بعلوم وکفایات ایشاں مستظہر شویم و آں
منّت از خوارزم شاہ داریم و رسول وے خواجہ حسین بن علی میکال بود
کہ یکے از افاضل و اماثل عصر و اعجوبہ بود از رجال زمانہ۔ وکار محمود در اوج
ملکِ را و رونقے داشت۔ ودولت او علوے۔ وملوک زمانہ او را مراعات
ہمی کردند و شب از و بہ اندیشہ ہمی خفتند۔ خوارزم شاہ خواجہ حسین میکال
را بجائے نیک فرود آورد و علفہ شگرف فرمود و پیش از آں کہ او را بار
داد حکما را بخواند و ایں نامہ برایشاں عرضہ کرد وگفت محمود قوی دست ست
ولشکر بسیار دارد و خراسان و ہندوستان ضبط کردہ است وطمع در
عراق بستہ من نتوانم کہ مثال او را امتثال نہ نمایم و فرمان او را بنفاذ
نہ پیوندم۔ شما دریں چہ گوئید۔ ابوعلی و ابوسہل گفتند ما نہ رویم اما ابونصر
و ابوالخیر و ابوریحان رغبت نمودند کہ اخبار صلات و ہبات سلطان ہمی شنیدند
پس خوارزم شاہ گفت شما دوتن را کہ رغبت نیست پیش از آں کہ من ایں
مرد را بار دہم شما سر خویش گیرید۔ پس اسباب بوعلی و ابوسہل بساخت
و دلیلے ہمراہ ایشاں کرد و از راہ گرگان روئے بجرگان نہادند۔ روز دیگر
خوارزم شاہ حسین علی میکال را بار داد و نیکوئیہا پیوست وگفت نامہ خواندم
و بر مضمون وفرمان بادشاہ وقوف افتاد۔ ابوعلی و ابوسہل برفتہ اند لیکن

باب ۲ ابونصر و ابوریحان و ابوالخیر بسیج می کنند کہ پیش خدمت آیند۔ و باندک روزگار برگ ایشاں بساخت و باخواجہ حسین میکال فرستاد و بہ بلخ بخدمت سلطان یمین الدولہ بمحمود آمدند و بحضرت او پیوستند۔"

اس روایت میں (جیسا کہ آیندہ کے واقعات سے واضح ہوگا) واقعات کو اس طرح مخلوط کیا ہے کہ البیرونی و ابوالخیر کے سلطان محمود کے یہاں پہونچنے کا زمانہ وہی قرار دیا ہے جو کہ ابوعلی اور ابوسہل کے خوارزم سے جانے کا ہے حالاں کہ ان دونوں واقعات میں تین چار برس کا فصل ہے۔ ابونصر ہمارے علم میں کبھی محمود کے دربار میں نہیں رہا۔

تاریخ نگارستان کی روایت کی رو سے ایلچی کے خوارزم پہونچنے سے پہلے ہی خوارزم شاہ نے مشورہ کیا اور ابوعلی و ابوسہل خوارزم سے چلے گئے۔ آیندہ کے واقعات جو بیان کیے ہیں وہ اس غرایب پرستی و افسانہ پسندی کا نمونہ ہیں جو کہ متأخرین مورخین و تذکرہ نویسان فارسی کا امتیاز خاص ہے:-

"بالضرورۃ ہردو (ابوعلی و ابوسہل) ازاں جا (خوارزم) بیروں آمدہ آں روز پانزدہ فرسنگ طے کردند و شب ہنگامے بر سر چاہے نزول نمودند ابوعلی در تقویم بواسطہ چگونگی سفر نظر انداختہ رو با بوسہل آوردہ گفت دور نیست کہ ما راہ گم کنیم و شدت بسیار ببینیم ابوسہل گفت رضینا بقضاء اللہ

ك البیرونی کا فتح خوارزم سے پہلے جہاں تک ہمیں تحقیق ہوتا ہے محمود سے بذات خود کبھی سابقہ نہیں پڑا۔ البیرونی کی شہادت اس امر میں موجود ہے کہ وہ فتح خوارزم کے وقت خوارزم ہی میں تھا۔ قانون مسعودی میں متعدد مشاہدات ہیئت درج ہیں جو ۴۰۷ھ کے ہیں۔ ان حالات میں جو اس نے تاریخ خوارزم کے متعلق لکھے ہیں کبھی بیان نہیں کیا کہ وہ ابوالعباس مامون کے عہد میں محمود کے یہاں گیا حالانکہ اگر ایسا ہوتا تو وہ ضرور بیان کرتا۔ بلخ میں ایمہ داعیان سلطنت ضرور محمود کے پاس گئے تھے لیکن اس موقع پر بھی البیرونی کا جانا ثابت نہیں تیز بلخ جانے کا واقعہ انقلاب خوارزم کے بہت قریبی زمانہ کا ہے اور ابوعلی سینا اس سے کئی برس پہلے جا چکا

من خود چناں می یابم کہ اندریں سفر جاں نبرم۔ . . . . . ۱ از ابوعلی باب۲
منقول ست کہ روز چہارم بادے مہیب برخاستہ اثر طوفان بظہور پیوست
بعد ازاں کہ باد تسکین یافت راہہا را ریگ گرفتہ بود۔ بدرقہ نیز ہمچو ما حیران شد
القصہ کار ابوسہل درآں بیابان بپایاں رسید و از فرطِ تشنگی و شدتِ گرما
بعالم بقا شتافت و من بہزار زحمت بابیورد افتادم چوں در ولایت خراسان
سلطان مرا طلب می کردند بنا بریں بجرجان شتافتم۔

گویند کہ چوں ابونصر و ابوریحان و ابوالخیر خسب فرمان بخدمت سلطان
پیوستند ایشاں را از تخلف ابوعلی کہ مقصود بالذات از طلب او بود اعراضی
شد ازا ابونصر کہ بقدرے از علم تصویر خبیر بود صورت ابوعلی را طلب داشتہ و مصوران
آں را متتبع نمودہ ملازمان سلطان او را بہ اطراف و جوانب دوانیدند۔ . . .

اما آں سہ تن بخدمتِ سلطاں رسیدند سلطان خواست کہ نقد دانش
ایشاں را بر محک امتحان بیازماید۔ بنا براں در حینے کہ در خانہ چار دری نشستہ
بود ابوریحان را گفت بگو از کدام در بیروں می روم ابوریحان ارتفاع گرفتہ
چیزے بر کاغذ نوشتہ در زیر بالین سلطان نہاد بعد ازاں گفت کہ سلطان
از ہر در کہ دارند بیروں رود۔ پس سلطان فرمود تا دیوار شرقی را بشگافتند
و بیروں رفت و آں نوشتہ را طلب داشتہ دید کہ بعینہ نوشتہ کہ سلطان
چنیں و چناں خواہد کرد۔ پس از آں ابوریحان را از اں قصر بیند اختند و او
بر دامے کہ پایاں بستہ بودند خوردہ چناں بر زمیں افتاد کہ ضرر بوے نرسید
پس سلطان از و سوال کرد کہ ازیں قضیہ خبر داری گفت بلے و ہم دراں مجلس

باب ۲ از غلام تقویم طلبیدہ تحویل آں روز را بیروں آوردہ ہمچناں کہ واقع شدہ حکم نمودہ بود سلطان و تمامی اراکینِ دولت ازاں حیران ماندند"

اب ہم اُن غیر معتبر روایات و عجیب و غریب حکایات کو جن میں صحیح اور غیر صحیح واقعات

---

۱ البیرونی کی ان منجمانہ پیشینگوئیوں کا حال کمی اور بیشی کے ساتھ متعدد کتابوں میں پایا جاتا ہے چنانچہ محمود کے دیوار چاک کرکے باہر جانے کی حکایت لطائف الطوائف (سنہ ۹۳۹ھ) مصنفہ علی بن الحسین الواعظ الکاشفی میں جس کا قلمی نسخہ لٹن لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں محفوظ ہے درج ہے اس حکایت میں دیوار "مشرق و شمال" کی جانب ہے آخیر میں لکھا ہے کہ "محمود ازاں حکم انگشت تحیر بدنداں گرفت و بغایت معتقد او شد و ہم دراں مجلس صد ہزار درم نقد از خزانہ داد و اسپ خاص و خلعت فاخرہ از فرق تا قدم در پوشانید و قدر و منزلت او بدرجہ اعلیٰ رسانید" اِن پیشینگوئیوں کے متعلق سب سے طویل روایت تاریخ فرشتہ میں ہے جو اُن دو پیشینگوئیوں پر جن کا ذکر نگارستان میں ہے اکتفا نہ کرکے مزید واقعات کا اضافہ کرتا ہے۔ فرشتہ نے اپنا ماخذ داؤد بیدری (صاحب تحفۃ السلاطین بہمنی) بیان کیا ہے:-

"و ایں حکم (یعنی متعلق بہ بر زمین اُفتادن ابوریحان) ہم موافق طبع سلطان نیامدہ فرمود تا او را محبوس ساختند و چوں مدت شش ماہ بریں گزشت غلام حکیم روزے در بازار می گزشت فال بینے او را دیدہ بخواند و گفت در طالع تو چند چیز دیدہ ام ہدیہ بدہ تا بگویم۔ غلام دو درم داد و فال بین گفت عزیزے کہ خداوند تست و در رنج ست از امروز تا سہ روز دیگر ازاں محنت نجات خواہد یافت و خلعت تشریف خواہد پوشید۔ غلام بر سبیل بشارت ایں فال را انخواجہ خود رسانید و بخندید و گفت افسوس غلام من باشی و بدیں قسم مردم را اعتبار می کنی۔ قضارا روز سوم احمد بن حسن میمندی کہ فرصت می طلبید فرصت یافتہ در شکارگاہ سخنے از نجوم درمیان آورد و گفت کہ بیچارہ حکیم ابوریحان منجم کہ چناں دو حکم بداں نیکوئی کرد و بجائے خلعت و تشریف بند و زنداں یافت۔ سلطان گفت من می دانم تو نمی دانی ایں مرد را در علم نجوم نظیرے نیست اما حکیم کامل آن ست کہ مزاج داں باشد زیرا کہ بادشاہان مثال کودکانند و سخنے بر وفق طبیعت ایشاں باید گفت تا ازاں بہرہ مند تواں شد۔ و دراں روز اگر یکے ازاں دو حکم خطا شدے صواب بودے، پس در ہماں روز حکم نجات حاصل کرد کہ فال بین گفتہ بود۔ و حکیم ابوریحان آں فال بین را کہ بر سر راہ بود دیدہ غرورے کہ در علم نجوم داشت از سر نہاد و چوں بمجلس سلطان حاضر گشت اسپ و خلعت و ہزار دینار و کنیزک یافت۔ و سلطان عذر خواستہ گفت اگر میخواہی سخن بر وفق مزاج من گوئی نہ بر وسعت علم کہ یکے از شرائط خدمت سلاطین اینست (تاریخ فرشتہ ج ا ص ۳۰۷-۳۰۸) ان تمام روایت کا قدیم ترین ماخذ چہار مقالہ ہے۔ افسوس کہ دنیا نے ایسی مہمل کہانیاں بنا کر البیرونی کی عظمت زندہ رکھنے کی کوشش کی حالانکہ اُس کے حقیقی علمی کارنامے ان سے کہیں زیادہ حیرت ناک ہیں۔ یہ تمام روایتیں سب اسی نخل کا برگ و بار ہیں جس کی اصل چہار مقالہ میں درج ہے۔

بلا امتیاز مخلوط ہو کر رہ گئے ہیں چھوڑ کر واقعات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو البیرونی کے ہم عصر ابوالفضل نے اپنی تاریخ بیہقی (ص ۸۳۴ - ۸۵۲) میں خود البیرونی کی تاریخ خوارزم سے نقل کیے ہیں۔ ہمیں اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو یہ تمام صفحات بیہقی سے لفظ بہ لفظ نقل کر دیتے لیکن یہاں ان کا خلاصہ لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں اور ناظرین سے مستدعی ہیں کہ وہ بیہقی کے اس مقام کو اگر ممکن ہو تو ضرور ایک مرتبہ پڑھیں۔ بیہقی فارسی کا سب سے زیادہ معتبر و دلچسپ اور اپنے رنگ کا بے مثل مورخ ہے۔ باب ۲

فرماں روایانِ خوارزم میں محمود کے ابوالحسن علی اور اُس کے بعد ابوالعباس مامون سے نہایت دوستانہ تعلقات تھے اور اُس کی بہن کا ان دونوں سے عقد ہوا تھا۔ مامون محمود کا نہایت پاس کرتا تھا اور اُس کے روز افزوں جاہ و جلال سے مرعوب و خائف رہتا تھا۔ اور اُس کے مقابلہ میں نہایت تواضع اور انکسار کا برتاؤ برتتا تھا۔ جب مجلس شراب منعقد ہوتی تو محمود کے نام پر کھڑے ہو کر ساغر نوش کیا جاتا تھا اور تمام حاضرین مجلس زمین بوس ہوتے تھے۔ خلیفہ القادر باللہ عباسی نے مامون کو عین الملۃ و زین الملۃ کا لقب اور خلعت، لوا اور عہد نامہ بھیجے، لیکن اس خوف سے کہ محمود کو یہ خیال نہ ہو کہ بغیر اُس کے توسط کے یہ چیزیں کیوں لی گئیں، مامون نے اُن کو خفیہ طور پر لے کر رکھ لیا اور کسی پر ظاہر نہ ہونے دیا۔

جنگ اوزگند (سنہ ۴۰۳ھ مطابق ۱۰۱۲ء) کے بعد جب محمود نے چاہا کہ خانیان ترکستان سے صلح باہمی ہو جائے تو اُس نے مامون سے خواہش کی کہ وہ بھی اپنا ایلچی بھیجدے کہ وہ بھی مصالحت کے وقت موجود ہو۔ مامون نے اِس سے انکار کر دیا اور کہا کہ مجھے خانیان ترکستان سے کیا واسطہ میں تو محمود کا ہو چکا، میں کوئی ایلچی نہیں بھیجوں گا۔ محمود نے ایک لحاظ سے تو اس بات کو پسند کیا، لیکن چونکہ مزاج میں بدگمانی کا مادہ بہت بڑھا ہوا رکھتا تھا دوسرے

ب ب لحاظ سے ناپسند کیا اور اپنے وزیر احمد حسن سے کہا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خوارزم شاہ کی نیت ٹھیک نہیں ہے وزیر نے کہا کہ میں ایسی تدبیر کرتا ہوں کہ جس سے حقیقت ظاہر ہو جائیگی۔ اُس نے ماموں کے ایلچی سے کہا کہ خانیان ترکستان کے معاملہ میں ایلچی بھیجنے کے متعلق یہ کیا بات کہلا بھیجی ہے کہ جس سے بلاوجہ کی بدگمانی اور مُفت کی تہمت لگتی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ شبہ دور کرنے کے لیئے خوارزم میں سلطان کے نام کا خطبہ پڑھوایا جائے تاکہ سلطنت خوارزم ہر اندیشہ سے محفوظ ہو جائے اور اُسے کوئی نظرِ بد سے نہ دیکھ سکے۔ اخیر میں وزیر نے کہا کہ یہ بات میں اپنی طرف سے کہتا ہوں سلطان کو اس سے کچھ تعلق نہیں ہے۔

البیرونی کہتا ہے کہ جب یہ خبر خوارزم پہونچی تو محمود ہندوستان گیا ہوا تھا۔ خوارزمشاہ نے مجھے خلوت میں بلا کر مشورہ کیا تو میں نے کہا کہ اس بات پر قطعاً توجہ نہ کرنا چاہیئے ہر بات اس قابل نہیں کہ اُس پر کان دھرا جائے۔ وزیر نے جب کہا ہے کہ میں اپنی طرف سے کہتا ہوں تو اس کو کوئی اہمیت نہ دینا چاہیئے اور اس کو قطعاً مخفی رکھنا چاہیئے، لیکن خوارزمشاہ نے نہ مانا اور اُس نے کہا کہ یہ بات بغیر محمود کے اشارہ کے نہیں کہی گئی ہے میں وزیر کے پاس آدمی بھیجکر کہلائے بھیجتا ہوں کہ وہ باضابطہ طور پر ہم سے اس امر کی تحریک کرے تاکہ ہم اس کی تکمیل کر دیں اگر انکار کیا تو جبر کی نوبت آئیگی جس کی ہم تاب نہ لا سکینگے۔

ماموں نے یعقوب جُندی کو جو ایک شریر النفس اور فتنہ پرداز شخص تھا اس کام پر نامزد کر کے بھیجا ہر چند کہ ابو سہل وغیرہ نے منع کیا ایک نہ سنی۔ یعقوب نے غزنہ پہونچکر لافزنی کرنی شروع کی، لیکن غزنہ کے ارباب حل و عقد نے اُس کی کوئی وقعت نہیں کی اور اُس نے ناراض ہو کر شکایت آمیز و فتنہ انگیز رقعہ خوارزمی زبان میں لکھ کر بھیجا، جو فتح خوارزم کے وقت تین برس بعد محمود کے ہاتھ لگا تو محمود نے جُندی کو سولی پر کھچوا دیا۔

الغرض معاملہ نے پیچیدگی اختیار کی۔ وزیر نے دھمکانا شروع کیا۔ ماموں سطوتِ محمودی سے سخت خائف ہوا اور اعیانِ لشکر و مقدمانِ رعایا کو جمع کر کے صورتِ حالات ظاہر کی اور کہا کہ اگر محمود کا حکم نہ مانا گیا تو اپنا، اپنی رعایا اور ملک کا اندیشہ ہے۔ یہ سُن کر سب جوش میں آئے اور کہا کہ ہم ہرگز محمود کی اطاعت کے لیئے راضی نہیں ہیں۔ باہر آکر اُن لوگوں نے بطریق احتجاج علم بلند کر دیئے ہتھیار لگا لیئے اور سخت سُست بکنے لگے۔ بڑی منّت و سماجت سے یہ کہہ کر کہ صرف آزمائش کے لیئے ایسا کہا گیا تھا اُن لوگوں کو ٹھنڈا کیا گیا۔ اس کے بعد ماموں نے البیرونی کو خلوت میں بلوا کر کہا کہ تم نے دیکھا کہ ان لوگوں نے کیا کیا یہ کون ہیں کہ اپنے بادشاہ پر دست درازی کے لیئے تیار ہو گئے۔ البیرونی نے کہا کہ اس معاملہ کو چھیڑنا ہی ٹھیک نہ تھا، لیکن آپ نہ مانے اب کوئی تدبیر کرنا چاہیئے، ادھر محمود ہاتھ سے گیا ادھر ان لوگوں کی یہ حالت ہے۔ ماموں نے کہا تم ہی کوئی تدبیر کرو۔ البیرونی نے اُس مجمع کے سربرآوردہ اشخاص کو انعام کا متوقع کر کے نرم کیا اور اُن لوگوں نے حاضر ہو کر معافی چاہی اُس کے بعد ماموں نے پھر خلوت کی اور البیرونی سے کہا کہ معاملہ ابھی تک نہیں سُلجھا، محمود ہاتھ سے نکل گیا اور خوف ہے کہ تلوار تک نوبت پہونچیگی مقابلہ کی تاب و تواں نہیں، اِدھر محمود کی اتنی قوّت اور اُدھر لشکر کا یہ حال۔ البیرونی نے کہا کہ ایک تدبیر ہے اور وہ یہ کہ آج کل اوزکند پر خانیانِ ترکستان اور ایلک میں جنگ ہو رہی ہے ان کی آپس میں اگر صلح کرا دی جائے تو وہ لوگ احسان مند ہونگے اور یہ ہمارے لیئے مفید ہوگا۔ ماموں نے البیرونی سے کہا کہ میں اِس پر غور کرونگا یہ بات دل سے پسند آئی لیکن تقاضائے بشریت اُس وقت البیرونی کی حسنِ تدبیر کا اعتراف کرنے سے گریز کر گیا۔ بہرحال ماموں کے توسط سے صلح ہو گئی۔ محمود کو خبر لگی تو نہایت برآشفتہ اور بدگمان ہوا اور بلخ آکر عتاب آمیز پیغامات ایلک و خانیان

باب۲ ترکستان کو بھیجے اُنھوں نے کہا کہ ہمیں کیا معلوم تھا ہم تو ماموں کو تھارا رشتہ دار اور دوست سمجھتے تھے محمود یہ سُن کر لاجواب ہو گیا، لیکن دل ہی دل میں کانٹا رہا۔ خان نے خوارزم شاہ کو اطلاع کی ماموں نے کہا کہ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ سوار فوج اور مجہول گروہ خراسان میں بھیجکر بدامنی کرادی جائے تاکہ محمود ادھر متوجہ ہو کر رہ جائے۔ خان ایلک اس بات پر راضی نہ ہوئے اور اُنھوں نے کہلا بھیجا کہ مقصود یہ ہے کہ ماموں اور اُس کا ملک محفوظ رہے محمود سے ہماری صلح ہے ہم اُسے توڑنا نہیں چاہتے البتہ ہم محمود اور خوارزم شاہ کے مابین صلح کرائے دیتے ہیں چنانچہ اُنھوں نے محمود سے اس کی تحریک کی محمود نے کہلا بھیجا کہ کوئی ایسا رنج نہ تھا اور جو تھا بھی وہ دُور ہو گیا۔ اُدھر محمود کے مخبر جگہ جگہ لگے ہوئے تھے جو گھڑی گھڑی کی خبریں اسے دیتے رہتے تھے۔ اس دوران میں جو کچھ گزرا تھا وہ اُسے سب معلوم تھا۔ اُس نے ماموں کو ایک تہدید آمیز خط لکھا کہ میں مدت سے بلخ میں ٹھیرا ہوا ہوں اور مجھے معلوم ہے کہ ماموں کی قوم نے جسے اُس کا محکوم و فرماں بردار رہنا صحیح نہ ہوگا کیا کیا ہے اب ایک لاکھ سوار و پیادہ اور پانسو ہاتھی جمع ہیں تاکہ اُس قوم کو جو اپنے بادشاہ کی اس طرح نافرمانی اور اُس کی رائے پر اعتراض کرتی ہے سبق دیا جائے اور نیز امیر کو جو ہمارا بھائی اور داماد ہے بیدار کر دیا جائے۔ اور سکھا دیا جائے کہ امیری کس طرح کی جاتی ہے۔ اب تین باتیں ہیں ان میں سے ایک اختیار کرنی ہوگی یا تو ہمارے نام کا خطبہ پڑھا جائے یا ہمارے شایانِ شان ہدیہ بھیجا جائے جو بعد میں خفیہ طور پر واپس کر دیا جائیگا یا اعیان ائمہ و فقہا ہماری خدمت میں حاضر ہو کر استدعا کریں کہ ہم واپس چلے جائیں۔ ماموں کے پاس جب یہ پیغام پہونچا تو نہایت خوفزدہ ہوا اور یہ قرار دیا کہ نسا اور فراوہ اور تمام دیگر مقامات مملکت خوارزم میں بجز گرگانج و خوارزم کے محمود کے نام کا خطبہ پڑھا جائے اور اسّی ہزار دینار اور تین ہزار گھوڑے بطور

پیش کش مشائخ وقضاۃ واعیان خوارزم کے ہمراہ بھیجے جائیں۔ باب

خوارزم شاہ کا سالار لشکر حاجب بزرگ الپتگین بخاری تھا، جس کے تحت میں تین ہزار سوار تھے۔ یہ سن کر وہ اور سب نہایت برہم ہوئے اور انھیں بہانہ ہاتھ آگیا۔ اُن لوگوں نے کہا کہ ہم محمود کے مطیع نہیں ہو سکتے۔ اس کے بعد فوراً بغاوت شروع ہو گئی بعض وزرائے وامرائے دولت تو قتل کر دیئے گئے بعض بھاگ کر اور روپوش ہو کر بچ گئے۔ انقلاب پسند جماعت پھر قصر امارت کی طرف روانہ ہوئی ماموں کوشک میں جا چھپا، لیکن ان لوگوں نے کوشک میں آگ لگا دی اور ماموں کے پاس پہونچکر اُسے قتل کر ڈالا۔ یہ واقعہ بروز چہارشنبہ نیمۂ شوال ۴۰۷ھ میں پیش آیا۔ ماموں کی عمر اُس وقت صرف بتّیس سال کی تھی۔

بیہقی ماموں کے ذاتی حالات کے متعلق اس طرح لکھتا ہے:۔

"چنیں نوشت بوریحان (البیرونی) در "مسامیر خوارزم" ماموں بن ماموں رحمۃ اللہ علیہ بازپسین امیرے بود کہ خاندان پس از گشتن او برافتاد و دولت مامونیاں بپایاں رسید۔ واو مردے بود فاضل وشہم وکاری، ودرکار سخت مثبت۔ وچناں کہ وے را اخلاق ستودہ بود ہم ناستودہ وایں از آن می گویم تا مقرر گردد کہ میل ومحابا نمی کنم کہ گفتہ اند" انما الحکم فی امثال ھذہ الامور علی الاغلب لاکثر فلا فضل من اذا عدت فضایلہ استخفی فی خلال مناقبہ مثالبہ ولو عدت تلاشت فیما بینھا مثالبہ۔ وہنر بزرگ تر امیر العباس راآں بود کہ زبان او بستہ بود واز دشنام وفحش وخرافات من کہ بوریحانم ومرا او را ہفت سال خدمت کردم نشنودم من کہ بر زبان وے

باب ۲ ہیچ دشنام رفت و غایت دشنام او آں بود کہ چوں سخت درخشم شدہ گفتی اے سگ (ص ۴۳۸ - ۴۳۹)

" و ایں خوارزم شاہ را حلم بجائگاہ بود کہ روزے شراب می خورد بر سماع رود، و ملاحظہ و ادب بسیار می کردے کہ مردے سخت فاضل و ادیب بود و من پیش او بودم و دیگر مردے کہ او را ضجری گفتندے مردے سخت فاضل و ادیب بود و نیکو سخن و ترسل ولیکن سخت بی ادب کہ بیک رہ ادب نفس نداشت و گفتہ اند کہ ادب النفس خیر من ادب الدرس ضجری پیالہ شراب در دست داشت بخواست کہ خورد اسپان نوبت کہ در سراے برداشتہ بود بانگے کردند و از یکے بادے رہا شد بہ نیرو خوارزم شاہ گفت فی شارب الشارب۔ ضجری از کمال رعنائی و بے ادبی پیالہ بینداخت و من بترسیدم و بیندیشیدم کہ فرماید تا گردنش بزنند۔ نہ فرمود و بخندید و اہمال کرد و براہ حلم رفت۔

و من کہ بوالفضلم بہ نیشاپور شنودم از خواجہ بو منصور ثعالبی مؤلف کتاب یتیمۃ الدہر فی محاسن العصر و بسیار کتب دیگر و بخوارزم رفت و ایں خوارزم شاہ را مدتے مدید بود و بنام او چند تالیف کرد کہ روزے بمجلس شراب بودیم و در ادب سخن می گفتیم حدیث نظر رفت خوارزم شاہ گفت ھمتی فی کتاب انظر فیہ و وجہ احسن انظر الیہ و کریما انظر لہ۔"

(ص ۴۳۹ - ۴۴۰)

البیرونی کے ساتھ جو کچھ مامون کو خصوصیت تھی اور جس قدر قرب البیرونی کو حاصل تھا وہ اُن واقعات سے جو خوارزم کے حالات میں اوپر بیان ہوئے ظاہر ہوتا ہے۔ البیرونی

کی ماموں کس قدر عزت کرتا تھا اُس کا حال ذیل کے واقعہ سے معلوم ہوگا جسے یاقوت نے باب بھی معجم الادبا میں نقل کیا ہے:-

"بوریحان گفت روزے خوارزم شاہ سوار شدہ شراب می خورد و نزدیک حجرۂ من رسید فرمود تا مرا بخوانند- دیر تر رسیدم بدو- اسپ براند تا در حجرۂ نوبت من وخواست کہ فرود آید زمیں بوس کردم و سوگند گران دادم فرود نیامد و گفت العلم من اشرف الولایات یاتیہ کل الوریٰ ولا یأتینی پس گفت لولا الرسوم الدنیاویہ لما استدعیتك فالعلم یعلو ولا یعلیٰ و تواند بود کہ اخبار معتضد امیر المومنین را مطالعہ کردہ باشد کہ آں جا دیدم کہ روزے معتضد در بستانے دست ثابت بن قرہ گرفتہ بود و می رفت ناگاہ دست بکشید- ثابت پرسید یا امیر المومنین دست چرا کشیدی گفت کانت یدی فوق یدك العلم یعلو ولا یعلیٰ واللہ اعلم بالصواب"

(ص ۸۰-۸۱)

ماموں کے قتل کے بعد جماعت انقلاب نے اُس کے بھتیجے ابو الحرث محمد بن علی بن ماموں کو تخت پر بٹھایا- اُس کی عمر اُس وقت صرف ۱۰ سال کی تھی- البتگیں فی الحقیقت اُمور حکومت پر مستولی تھا- احمد طغان وزیر مقرر ہوا چار مہینہ طوفان بے تمیزی برپا رہا- محمود نے پہلے تو اپنی بہن کو صحیح سلامت واپس بُلا لینے کے لیئے یہ حیلہ اختیار کیا کہ خوارزمیوں سے کہلا بھیجا کہ اگر ہمارے نام کا خطبہ پڑھ دیا جائے قاتلانِ ماموں کو ہمارے حوالہ کیا جائے اور ماموں کی بیوہ ہمارے پاس بھیجدی جائے تو کوئی دست اندازی نہیں کی جائے گی- یہ حیلہ کارگر

باب ۲ ہوا اور اُن لوگوں نے پانچ چھ آدمی قید کر دیئے اور کہلا بھیجا کہ جب ہمارا ایلچی واپس آ جائیگا تو ہم ان آدمیوں کو محمود کے حوالہ کر دینگے اور دو لاکھ دینار اور چار ہزار گھوڑے نذر دینگے۔ محمود نے جواب دیا کہ پہلے البتگین وغیرہ کو حوالہ کیا جائے۔ اب اُن لوگوں کو معلوم ہوا کہ نوبت جنگ کی پہونچی۔ پچاس ہزار خوارزمی سواروں نے آپس میں عہد کیا کہ محمود کا نہایت دلیری سے مقابلہ کرینگے اور اپنی جان کی پروا نہ کرینگے۔ محمود نے ایلک خان ترکستان کو لکھا کہ ہم انتقام کے لیئے خوارزم کو فتح کرنا چاہتے ہیں ان دونوں کو ہر چند کہ خوارزم کا محمود کے قبضے میں آنا دل سے پسند نہ تھا لیکن محمود کے خوف سے اُنھوں نے اپنا اظہار رضامندی وخوشنودی کر دیا۔ بالآخر لشکر کشی ہوئی اور نہایت سخت لڑائی کے بعد محمود فتحیاب ہوا۔ اور خوارزمیوں کو شکست ہوئی اور البتگین بخاری و دیگر سالاران لشکر جنھوں نے فساد بپا کیا تھا اور بہت سے سربرآوردہ اشخاص گرفتار ہو کر سر برہنہ محمود کے سامنے پیش ہوئے محمود نے خوارزم کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا اور امیر نوشاندہ کو مامونیوں کے تمام خاندان کے ساتھ گرفتار کر لیا۔ سالاران لشکر کو پامال کر کے اُن کی نعشیں ہاتھیوں کے دانتوں پر رکھ کر گشت کرائیں ساتھ ساتھ منادی ہوتی جاتی تھی کہ جو اپنے آقا کے ساتھ دغا کریگا اُس کا یہی حشر ہوگا۔ اُس کے بعد وہ نعشیں سولیوں پر لٹکا دی گئیں۔ خوارزم کی حکومت حاجب التونتاش کے سپرد ہوئی اور محمود غزنی کو واپس ہوا۔" اسیرانِ خوارزم کی قطار بلخ سے لاہور تک تھی" مامونیوں کو قلعوں میں لے جا کر نظر بند کر دیا گیا۔ محمود کے واپس ہونے پر ابوالعباس مامون کے خسر ابو اسحاق نے بہت سے آدمی جمع کر کے خوارزم کو چھیننا چاہا، لیکن شکست پا کر تمام قوت منتشر ہو گئی اور التونتاش نے نہایت قابلیت سے خوارزم کا انتظام کیا۔

اِس طرح البیرونی کا وطن خوارزم محمود کی سلطنت کا جزو ہوکر البیرونی کی زندگی کا باب ۷
بالکل نیا باب شروع ہوا۔ اس انقلاب و رجنگ جدل کے زمانے میں ہم نہیں کہہ سکتے کہ البیرونی پر کیا کیا حوادث گزرے یہ خیال رکھتے ہوئے کہ وہ ماموں کے معتمدین خاص میں تھا اور امور سلطنت میں مشیر و دخیل خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس نے اپنی جان کس طرح بچائی۔ محمود کا تسلط ہونے کے بعد البیرونی بھی دیگر اعیان و مشاہیر خوارزم کے ساتھ محمود کی ہمراہ غزنی پہنچا۔ وطن کی بربادی کا داغ اُس کے دل سے کبھی نہ مٹا۔ اپنے قصیدے میں اُس نے علی اور ماموں کا تذکرہ ان الفاظ کے ساتھ کیا ہے:۔

واولاد مامون ومنهم علیهم	تبدی بصنع صار للحال آسیا
اور اولاد ماموں میں سے علی نے	میری ہر طرح غمخواری و دستگیری کی
وآخرمنهم مامون رفه حالتی	ونوّه باسمی ثم راس راسیا
اس خاندان کے آخر فرد ماموں نے مجھے مرفہ الحال بنایا	مجھے مشہور کیا اور میرے سر کو سرداری بخشی

البیرونی نے جرجانیہ میں ایک رصدخانہ بھی قایم کر رکھا تھا جہاں وہ مشاہدات ہیئت کیا کرتا تھا، چنانچہ قانون مسعودی میں ۳۸۴ھ (۹۹۴ء) سے لے کر شروع ۴۰۷ھ (۱۰۱۶ء) تک کے مشاہدات درج پائے جاتے ہیں۔

باب سوم

البیرونی کے حالات زندگی

غزنہ پہونچنے سے وقت وفات تک

فتح خوارزم کے بعد محمود نے البیرونی کے ساتھ کیا برتاؤ کیا ؟ اس کا جواب خود البیرونی کے بیان سے معلوم ہوجاتا ہی۔ اُس قصیدہ میں جو اُس نے ابوالفتح بستی کی مدح میں لکھا تھا محمود کا تذکرہ اس طرح کیا ہی :-

ولم ینقبض محمود عنی بنعمة — فاغنی واقنی مغضیا عن مکاسیا

محمود نے کسی نعمت کو مجھ سے دریغ نہیں رکھا — مجھے مالا مال کردیا اور کافی دیا اور میری سخت طلبی کو چشم پوشی کی

عفا عن جہالاتی وابدی تکرّمًا — وطری بجاہٖ رونقی ولباسیا

میری جہالتوں کو معاف کیا اور میری توقیر کرنے لگا — اور اُس کے جاہ سے میری رونق ولباس تازہ ہو گئے

اسی بارہ میں یاقوت حموی کی حسب ذیل روایت قابل غور ہی :-

وحدثنی بعض اھل الفضل ان السبب	مجھ سے ایک فاضل نے البیرونی کے غزنہ پہونچنے
فی مصیرہ الی غزنہ ان السلطان	کا سبب بیان کیا ہی کہ جب سلطان محمود خوارزم
محمودًا لما استولی علی خوارزم	پر مستولی ہوگیا تو اُس نے البیرونی اور
قبض علیہ وعلی استادہ عبدالصمد	اُن کے اُستاد عبدالصمد

باب ۳

اول بن عبد الصمد الحکیم اتهمه	اوّل بن عبد الصمد الحکیم کو گرفتار کرلیا۔
بالقرمطة والکفر فاذاقه الحمام	عبد الصمد کو قرملی ہونیکی تہمت لگا کر قتل
وهم یلحق به ابا الریحان فساعده	کر دیا اور ابوریحان کو بھی قتل کرنا چاہا
فسحة الاجل بسبب خلصه من	لیکن اُس کی قسمت نے یاوری کی اور وہ
القتل وقیل له انه امام وقته فی	قتل سے بچ گیا۔ محمود سے کہا گیا کہ یہ علم
علم النجوم وان الملوک لا یستغنون	نجوم میں امام وقت ہے اور بادشاہ اُس
عن مثله فاخذه معه ودخل	جیسے عالم سے مستغنی نہیں ہو سکتے۔
الی بلاد الهند واقام بینهم تعلم	اس پر محمود نے البیرونی کو اپنے ساتھ
لغتهم واقتبس علومهم ثم اقام	لے گیا۔ البیرونی بلاد ہند میں داخل ہوا
بغزنه حتی مات بها اری فی حدود	اور اہل ہند کے مابین رہا اور اُن کی زبان
سنة ۴۰۳ عن سن عالیة وکان	سیکھی اور اُن کے علوم اخذ کیے۔ بعد ازاں غزنہ
حسن المحاضرة طیب العشرة	میں مقیم ہوا حتی کہ بڑی عمر پا کر میرے خیال میں ۴۰۳ھ
خلیعا فی الفاظه عفیفا فی فعاله	میں فوت ہوا۔ البیرونی خوش بیان تھے شائستہ الفاظ
لم یات الزمان بمثله علما وفهما	میں محتاط اور افعال میں پاکباز تھا دنیا میں
(معجم الادباء ج ۶ ص ۳۱۱-۳۱۲)	اُس کا مثل علم و فہم میں پیدا نہ ہوگا۔

یاقوت نے اس روایت کا راوی بیان نہیں کیا ہے اور نہ ہمیں معلوم ہے کہ اُس راوی کا ماخذ کیا ہے۔ اس میں متعدد غلطیاں پائی جاتی ہیں سنہ وفات ۴۰۳ھ بجائے ۴۴۰ھ کے درج ہے۔ عبد الصمد ہمارے علم میں البیرونی کا کوئی اُستاد نہ تھا نہ خوارزم کی علمی تاریخ میں اس نام کا کوئی فاضل مشہور ہے۔ عبد الصمد کے قتل اور البیرونی کے بچ جانے کے متعلق جو کچھ بیان کیا گیا ہے صحیح نہیں معلوم ہوتا۔

باب ۳ برخلاف اس روایت کے حسب ذیل روایت جو یاقوت نے محمد بن محمود النیشاپوری سے نقل کی ہے معتبر اور صحیح ہے اور محمود اور البیرونی کے تعلقات پر روشنی ڈالتی ہے :-

ولما استبقاه السلطان الماضي
لخاصته امره وهو حاصل له كان
يفاوض فيما يسنح لخاطره من امر
السماء النجوم فيحكى انه ورد عليه
رسول من اقصى بلاد الترك وحدث
بين يديه بما شاهد فيما وراء البحر
نحو القطب الجنوبي من دور الشمس
عليه ظاهرة في كل دورها فوق
الارض بحيث يبطل الليل فتسارع
على عادته في التشدد في الدين الى
نسبة الرجل الى الالحاد والقرمطة
على براءة اولئك القوم عن هذه
الآفات حتى قال ابو نصر مشكان
ان هذا لا يذكر ذلك عن راي
يرتئيه ولكن عن مشاهدة
يحكيه وتلا قوله عز وجل وجدها
تطلع على قوم لم نجعل لهم من

چونکہ سلطان ماضی (محمود) نے البیرونی کے اپنے خاص
کام اور دلی حاجت کے لیے محفوظ رکھا تھا اس لیے امور
سماوی نجوم کے متعلق جو باتیں اس کے دل میں آتی تھی
اُس کے تفویض کرتا تھا۔ چنانچہ ایک قصہ بیان کیا
جاتا ہے کہ اقصیٰ بلاد ترک سے ایک ایلچی آیا اور اُس نے
محمود کے روبرو بیان کیا کہ میں نے سمندر پر قطب جنوبی
کے قریب دیکھا ہے کہ سورج کا پورا دورہ وہاں زمین
پر ظاہر رہتا ہے اور رات نہیں ہوتی۔ یہ سن کر
محمود نے بوجہ اپنی تشدد دینی کی عادت کے فوراً اس
شخص کو ملحد اور قرمطی قرار دے دیا حالانکہ
ترک ان آفات سے محفوظ ہیں۔ اس پر
ابو نصر مشکان نے کہا کہ یہ شخص اپنی طرف سے کسی
رائے کو پیش نہیں کر رہا ہے بلکہ اس
نے جو کچھ دیکھا ہے بیان کرتا ہے۔ اور
اس کے بعد قرآن شریف کی یہ آیت
وجدها تطلع الخ پڑھی

دونهاستراً۔ فسال ابا الريحان عنه فاخذ يصف له على وجه الاختصار ويقرره على طريق الاقناع وكان السلطان فى بعض الاوقات يحسن الاصغا ويبذل الانصاف فقبل ذلك وانقطع الحديث بينه وبين السلطان وقتئذٍ۔

محمود نے اس کے متعلق ابوریحان (البیرونی) سے بابت پوچھا تو البیرونی نے مختصر گرشا فی طریق پر اس بحث کو سمجھا دیا۔ سلطان محمود بعض اوقات بغور سُنتا اور انصاف کرتا تھا۔ اُس نے اُس کو تسلیم کرلیا اور وہ بات اُس وقت وہیں ختم ہو کر رہ گئی۔

(معجم الادباج ۶ ص ۳۱۰)

یہ بات ثابت ہوجانے کے بعد کہ خوارزم سے آنے کے بعد البیرونی محمود کے دربار میں پہونچ گیا اب یہ تحقیق کرنا باقی ہے کہ وہ اُس کے بعد کب تک غزنہ میں رہا، اس دوران میں کیا کرتا رہا، ہندوستان کب گیا اور وہاں کب تک رہا۔

قانون مسعودی کے دیکھنے سے تحقیق ہوتا ہے کہ ۴۱۰ھ (۱۰۱۹ء) تک البیرونی غزنہ میں موجود اور مشاہدات علم ہیئت میں مصروف تھا۔ اس دوران میں اُس نے غزنہ میں رصدخانہ بھی قایم کرلیا تھا جہاں وہ ارتفاع شمس وغیرہ کے مشاہدات کیا کرتا تھا۔ چنانچہ ب ۶ فی تصحیح طول غزنہ والاسکندریہ میں لکھا ہے:۔

وانا تولينا رصد عرضنا بالحلقة اليمنية المقسومة بالدقائق .... وذلك فى كل واحد

ہم نے اپنے عرض البلد کی رصد حلقۂ یمینیہ مقسومہ بدقایق سے دونوں سال

باب ۲۰ من سنتی تسع و عشر و اربعمأۃ للہجرۃ" ۴۰۹ھ و ۴۱۰ھ میں کی۔

۴۱۰ھ کے بعد ۴۲۱ھ تک ہمیں البیرونی کے غزنہ میں مقیم ہونے کی کوئی سند حاصل نہیں ہوتی۔ ہمارے خیال میں البیرونی کے ہندوستان میں رہ کر علوم ہند حاصل کرنے کا یہی زمانہ ہے۔

البیرونی کے ہندوستان جانے اور علوم ہند حاصل کرنے میں محمود کا کیا حصہ ہے؟ یہ ایک ایسا عقدہ ہے جس کا یقینی حل خالی از دقت نہیں ہے۔ اِس کے متعلق سب سے پہلے البیرونی کا وہ بیان ہے جو کتاب الہند میں پایا جاتا ہے جس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس زمانے میں البیرونی ہندوستان میں مقیم اور علوم ہند کی تحصیل میں مشغول تھا وہ اپنے اوپر کوئی اختیار نہ رکھتا تھا حتیٰ کہ اُس کو اپنی نقل و حرکت اور امر و نہی پر بھی قابو نہ تھا جس کی وجہ سے علوم ہند کی تحصیل میں اُسے سخت دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔ ہم البیرونی کے اُس بیان کو جو نہایت مغلق اور محض لطیف کنایات پر مشتمل ہے اور جس سے کوئی یقینی نتیجہ اخذ کرنا غیر ممکن معلوم ہوتا ہے ذیل میں نقل کرتے ہیں:-

ویکفیك دلیلا علیه من مادح نفسه	اپنے منہ اپنی تعریف کرنے والے کی طرف سے
وهو یقرئك السلام انی کنت اقف	(یعنی میری طرف سے) (اس فعل کی) معذرت مانگ لیجئے
من منجمیهم مقام التلمیذ من الاستاذ	کے بعد یہ دلیل مذکورہ بالا کے متعلق کافی ہوگی کہ
العجمی فیما بینهم وقصوری عما فیه	میں جب تک اُن کی زبان سے ناآشنا اور اُن کے خیالات سے قاصر تھا
من مواضعاتهم فلما اهتدیت قلیلا	اُس وقت تک اُن کے منجموں کے سامنے شاگرد کی طرح کھڑا
لها اخذت اوقفهم علی العلل واشیر	رہا لیکن جب میں اُن کی بول چال اور خیالات کو کچھ سمجھنے
الی شیئ من البراهین والوح لهم الطرق	لگا تو میں نے انھیں اسباب بتانا اور بعض دلائل کی طرف اشارہ
الحقیقة فی الحسابات فانثالوا	کرنا اور حسابات میں حقیقی طریقوں کو اُن کے لئے واضح کرنا شروع کیا

على متعجّبين وعلى الاستفادة
متهافتين، يسألون عمّن شاهدته
من الهند حتّى اخذت عنه و
انا اريهم مقدارهم واترفع عن
جنبتهم مستنكفًا فكادوا ينسبونى
الى السّحر، ولم يصفونى عند اكابرهم
بلغتهم الّا بالبحر والماء أيحمض حتّى
يعوز الخلّ. فهذه صورة الحال
ولقد اعيتنى المداخل فيه مع
حرصى الذي تفرّدت به فى ايامى
وبذلى الممكن غير شحيح عليه فى
جمع كتبهم من المظانّ واستحضار
من يهتدى لها من المكامن ومن
غيرى مثل ذلك الّا من يرزق من
توفيق الله ما حرمته فى القدرة على الحركات
عجزت فيها عن القبض والبسط فى الامر والنهى
طوى عنّى جانبها، والشكر لله على ما كفى منها۔

پھر تو متعجب ہو کر وہ میری طرف جھکنے اور مجھ سے بات
فائدہ اٹھانے کی کمال رغبت کرنے لگے اور پوچھتے تھے
کہ میں ہند میں کس کس سے ملا ہوں کہ جن سے یہ علوم حاصل
کیے ہیں۔ میں انھیں ان کے مبلغ علم سے آگاہ کرتا
تھا اور میں فخریہ اپنے آپ کو ان سے برتر ثابت کرتا تھا
قریب تھا کہ وہ مجھے ساحر کہنے لگیں اور ہمیشہ اپنے اکابر
کے سامنے اپنی زبان میں بطور تعریف کے مجھ کو سمندر
کہتے تھے جس کا پانی اس قدر کڑوا ہے کہ تلخ سے تلخ
سرکہ بھی اس کے سامنے میٹھا معلوم ہو۔ غرض ہند کی جو
صورت حال تھی وہ یہ ہے۔ باوجودیکہ میں (علم کی)
حرص میں اپنے زمانہ میں بے مثل ہوں اور جہاں کہیں گمان
بھی ہوا وہاں سے اہل ہند کی کتابیں جمع کرنے اور
غیر معلوم و مخفی مقامات سے ان کے بتانے والوں کو
جمع کرنے میں بے دریغ خرچ جتنا بھی میرے امکان میں تھا کیا
پھر بھی مجھے معلومات اہل ہند میں داخل ہونے کی راہوں
نے تھکا دیا۔ اب ایسے اس شخص کے جسے توفیق الٰہی ان
حرکات پر قدرت سے جن سے میں محروم تھا جبر کی
وجہ سے امر و نہی کے کرنے نہ کرنے میں بے بس تھا اور مجھ سے ان کی راہیں بند کر دی گئی تھیں پھر بھلا وہ کون
ایسا شخص ہے جس کی کوشش اس کے حاصل ہو۔ خدا کا شکر ہے اس بات پر کہ ایسے حالات میں اس نے میرے مقصد کو پورا کیا۔

باب۲ محمود اور البیرونی کی ذہنیتوں اور دیگر حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہمارا خیال ہے کہ البیرونی کی طالب علمانہ سیاحت ہند کا محرک محمود کو قرار دینا نہایت مشکل ہے۔ اس سیاحت کا اصلی باعث البیرونی کی وہ علمی تشنگی ہی معلوم ہوتی ہے جس میں وہ یکہ و تنہا تھا اور جس پر اُس نے اپنی کتاب الہند میں اظہار معذرت کے بعد بجا طور پر فخر کیا ہے۔ نیز اُس قصیدہ میں جو ابو الفتح بستی کی مدح میں ہے لکھا ہے، فخریہ کہتا ہے:-

بجهد شأوت الجالبين ائمة	کوشش میں میں ائمۂ جالبین (علوم) سے آگے بڑھ گیا
فما اقتبسوا فی العلم مثل اقتباسیا	اُن لوگوں نے علم میں میرا سا اقتباس نہیں کیا
فما برکوا للبحث عند معالم	وہ بحث کے لیئے ایسے علمی موقعوں پر نہیں بیٹھے
ولا احتبسوا فی عقدة کاحتباسیا	اور نہ وہ میری طرح گتھیوں میں پھنس کر رہے
فسل بمقداری هنوداً بمشرق	میری قدر ہندوؤں سے مشرق میں پوچھ
وبالغرب من قد قاس قد عماسیا	اور مغرب میں اس شخص سے جس نے میرے دشوار کام کا اندازہ کیا ہو
فلم ینههم عن شکر جهدی نفاسة	لوگ انکو نفاست طبع میری کوشش کے شکریہ سے نہ روکیگی
بل اعترفوا طراً وعافوا انتکاسیا	بلکہ وہ پورا اعتراف کرینگے اور میری پستی کو ناپسند کرینگے

ہر چند کہ یہ امر صحیح ہے کہ محمود کو جس قدر فتوحات کا شوق تھا اُسی قدر اُسے اہل فضل کے جمع کرنے کا بھی شوق تھا لیکن اُن مؤرخین کے بیانات سے جو محمود کے معاصر یا قریبی زمانے کے ہیں یہ بھی بخوبی ثابت ہے کہ محمود کی علمی استعداد کی سطح بہت بلند نہ تھی اور وہ عربی میں جس کے بغیر علوم میں دستگاہ حاصل کرنا ناممکن تھا، مہارت نہیں رکھتا تھا۔ اُس کے مقابلہ میں جیسا کہ ہم آگے بالتفصیل بتائینگے اُس کا بیٹا مسعود ذی علم اور عربی زبان میں پورے طور پر ماہر تھا۔ علاوہ ازیں محمود کو وسیع الخیال یا حکمت پرست حکمراں نہیں کہہ سکتے۔ وہ علوم عقلی کا دلدادہ

لے (ص ۳۱۲-۳۱۳)

نہ تھا، امورِ مذہبی میں وقتاً فوقتاً تنگ دلی کا اظہار کرتا، اور تعصبات سے بالا نہیں کہا جاسکتا تھا، بایں ہمہ اگرچہ وہ مذہبی تقدس جو مصنفین مابعد نے محمود کو عطا کیا ہے باخبر معاصرین کی شہادت پر مبنی نہیں ہے۔ ابوالفضل بیہقی سے بہتر ہمارے خیال میں کسی دوسرے کی سند نہیں ہوسکتی۔ وہ نہایت ایماندار اور ثقہ مؤرخ ہے اور محمود کی خدمت میں اُسے سالہا سال رہنے کا اتفاق ہوا تھا۔ اگرچہ اُس کی تاریخ کا وہ حصہ مفقود ہے، جس میں محمود کے حالات لکھے تھے اور موجودہ اجزا محمود کی وفات کے بعد سے شروع ہوکر مسعود کے اخیر عہد سلطنت کے حالات تک پہونچتے ہیں لیکن اُن میں بھی جا بجا محمود کے حالات کا تذکرہ ہے یا اُن پر روشنی پڑتی ہے۔ شراب جس قدر سختی کے ساتھ اسلام میں ممنوع ہے ظاہر ہے۔ باوجود اُس کے حرام ہونے کے اُس عہد کے حکمراں اور خوشحال طبقہ میں اس کا رواج بہت بڑھا ہوا تھا، جو تعجب انگیز ہے۔ محمود بھی اُس عادت سے مبرّا نہ تھا لطف یہ ہے رات بھر مے نوشی کرنے کے بعد کلی کرکے مُصلّے پر تہجد کی نماز بھی پڑھنے کے لیئے کھڑا ہوجاتا تھا!

اِس وقت ہم محمود کے عادات و خصائل پر کوئی بحث لکھنا نہیں چاہتے۔ ہم صرف اتنا بتلانا چاہتے ہیں کہ محمود برخلاف البیرونی کے دوسرے سرپرست بادشاہوں کے البیرونی کی علمی تحقیقات میں ذاتی دلچسپی لینے کا اہل نہیں تھا۔ مؤرخین کا یہ خیال صحیح معلوم ہوتا ہے کہ البیرونی کی قدر و منزلت اُس کی نظر میں زیادہ تر ایک نجومی کی حیثیت سے تھی۔ جو روایات ہم تک پہونچی ہیں وہ البیرونی کو محمود کے ساتھ اسی حیثیت سے منسلک کرتی ہیں۔ تذکرہ نویسوں نے البیرونی کی یاد بھی زیادہ تر بحیثیت محمود غزنوی کے دربار کے نہایت قابل نجومی کے جو عجیب و غریب پیشنگوئیاں کیا کرتا تھا زندہ رکھی ہے یہ امر ظاہر ہے کہ محمود کو ہندوؤں کے علوم و فنون سے وہ ہمدردی اور دلچسپی کہاں تھی جس کا اظہار البیرونی

باب۳ کی کتاب الہند کے ایک ایک لفظ سے ہوتا ہے اگر البیرونی کی علمی سیاحت ہند فی الواقع محمود کی تحریک سے ہوتی تو ہم اول تو اُس کا کتاب الہند میں کہیں کہیں ذکر پاتے نہ کہ بجائے اُس کے وہ شکوہ پایا جاتا جس سے البیرونی کے راستے میں اُن رکاوٹوں کا حال معلوم ہوتا ہے جو علوم ہند کی تحصیل میں اُسے پیش آئیں اور جن سے ایک حد تک یہ مترشح ہوتا ہے کہ اس طالب علمانہ سیاحت میں البیرونی کو پوری آزادی حاصل نہ تھی اور محمود کی طرف سے کچھ نہ کچھ قیود عاید تھیں۔ علاوہ ازیں اگر محمود البیرونی کی ہندوستانی سیاحت کا موجب ہوا ہوتا تو ہم البیرونی کی بہترین تصنیف جو محمود کے اخیر زمانے میں تصنیف ہونی شروع ہو گئی تھی محمود کے نام پر ضرور معنون پاتے۔

خوارزم میں البیرونی کی زندگی محض علمی حیثیت ہی نہیں رکھتی تھی۔ اُن واقعات سے جو اوپر بیان ہو چکے ہیں ظاہر ہے کہ وہ اپنے ملک کے سیاسی معاملات میں بھی دلچسپی لیتا اور مشیر حکومت کی حیثیت رکھتا تھا۔ غزنہ آنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ البیرونی نے ہمیشہ کے لیئے اس امر کا عہد کر لیا کہ وہ آیندہ سیاسی معاملات سے کسی قسم کا تعلق نہ رکھیگا اور اپنی زندگی خالص علمی مشاغل میں صرف کریگا۔ یہی وجہ ہے کہ محمود غزنوی اور مسعود کی تاریخ میں البیرونی کا سیاسی معاملات میں کہیں ذکر بھی نہیں آتا۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ غزنہ پہنچنے کے چند ہی سال میں اُس نے طے کر لیا تھا کہ وہ دربار سے علیحدہ رہ کر اپنی علمی تحقیقات کو ہندوستان میں سرانجام دیگا۔

جس وقت البیرونی غزنہ پہونچا غزنہ محمود کی روزافزوں سلطنت کا مرکز ہونے کے باعث ہر روز روبہ ترقی تھا اور مشرقی ممالک اسلام میں ایک نہایت آباد اور بارونق دارالسلطنت کی حیثیت رکھتا تھا۔ سلطان محمود کی فیاضیوں، حکومت کی بے شمار ضرورتوں اور شہر کی

رونق و شکوہ نے دور دور کے ملکوں سے لوگ لا جمع کیے تھے اور غزنہ میں بود و باش اختیار کرنے والوں میں بہت سی اجنبی نسلوں اور قوموں کے لوگ شریک تھے بالخصوص ہندوں کی مردم شماری بہت خاصی ہو گئی تھی۔ ان میں سے بہت سے لڑائیوں میں لائے گئے تھے اور ایک بڑی تعداد محمود کی فوج میں نوکر تھی۔ بعض ایسے تھے جو غزنہ کے تمول خوشحالی کی وجہ سے بہ نیت کاروبار وہاں جا پہونچے تھے۔ غزنہ پہونچنا گویا ہندوستان کے دروازہ پر پہونچنا تھا اور ہندوستان وہ ملک تھا جس کی علمی شہرت عالم کو مسخر کیے ہوئے تھی سنسکرت زبان البیرونی کے زمانے میں صرف علمی اور کتابی زبان کی حیثیت رکھتی تھی اور اس کی دشواری اور علمائے ہند کے تعصبات اور بخل نے علوم ہند کے خزانوں پر ایسے قفل لگا رکھے تھے کہ عالی ہمت سے عالی ہمت اجنبی کی ہمت پست ہو کر رہ جاتی تھی۔ البیرونی کی متجسس طبیعت میں اسے سالہا سال پہلے اہل ہند کے متعلق مستند معلومات بہم پہونچانے کا اشتیاق تھا[۱]۔ غزنہ پہونچکر اور اہل ہند کو دیکھ کر اس میں تازہ ولولہ اور ہیجان پیدا ہوا۔ باب۳

جس وقت البیرونی نے ہندوستان میں قدم رکھا مغربی ہندوستان میں محمود کے حملوں کی وجہ سے سخت کھلبلی پڑی ہوئی تھی جنگ وجدل کے باعث اہل ہند کے دلوں میں حملہ آوروں اور ان کے تمام ہم قوم وہم مذہب لوگوں کی طرف سے معاندانہ جذبات کا موجود ہونا بالکل قدرتی بات تھی۔ مشکل سے یقین آتا ہے کہ ایسے وقت میں کوئی شخص اہل ہند کے ساتھ علمی رابطہ قایم کر سکتا تھا، جس کی امن کے زمانے میں بھی یہاں کے بخل پرور علماء

[۱] چنانچہ دیکھو آثار الباقیہ ص ۶۸ "لما شهور سائر الامم من الهند و الصين و التبت و الترك و الخزر و الزنج، فانه وان تقرر عندنا اسماء بعضها فاناقد عرضنا عن ذكرها الى وقت تيقن لنا الاحاطة فيه بها۔ اذ لا يليق بطريقتنا التى سلكنا ان نضيف الشك الى اليقين والمجهول الى المعلوم"

باب۳ توقع نہیں ہو سکتی تھی۔ صد آفریں ہے ابو ریحان البیرونی کو جس نے ایسے پرآشوب علمی زمانے میں علوم ہند کی تحصیل کرکے وہ کارنمایاں انجام دیا جو علمی تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔

جیساکہ البیرونی نے خود بیان کیا ہے اس زمانے میں ہندو علوم کے مرکز بنارس اور کاشمیر تھے۔ لیکن یہاں مسلمانوں کی رسائی ممکن نہ تھی۔ حملہ آوریوں کی وجہ سے اقطاع مفتوحہ سے علوم رخصت ہو گئے تھے اور ایک طالب علم کی دشواریوں میں معمول سے بھی زیادہ اضافہ ہو گیا تھا البیرونی مجبور تھا کہ وہ اپنی سیاحت اقطاع پنجاب و ملتان تک جو کہ محمود کے دائرہ اقتدار میں داخل تھے محدود رکھے۔ اِن سے آگے نہ البیرونی کے لیئے جانا ممکن تھا نہ وہ گیا۔

ہندوستان کے وہ مقامات جہاں جہاں کہ البیرونی پہونچا کتاب الہند میں مذکور ہیں۔ چنانچہ ایک موقع پر لکھتا ہے:-

"میں نے خود قلعۂ لاہور کے عرض البلد کی پیمایش کی تو ۳۴ درجہ ۳ دقیقہ پایا۔ قصبہ کشمیر اور لاہور کے درمیان ۵۰ میل کا فاصلہ ہے آدھا راستہ آسان اور آدھا راستہ دشوار ہے۔ دوسرے عرض البلد جو میں نے دریافت کیئے حسب ذیل ہیں:-

(۱) غزنی ۳۳° ۳۵′ (۲) کابل ۳۳° ۴۷′

(۳) کندی رباط الامیر ۳۳° ۵۵′ (۴) دونپور ۳۴° ۲۰′

(۵) لمغان ۳۴° ۴۳′ (۶) پرشاور ۳۴° ۴۴′

(۷) ویہند ۳۴° ۳۰′ (۸) جیلم ۳۳° ۴۰′

(۹) قلعۂ نندنا ۳۲° ۵′

ملتان اور قلعۂ نندنا کے درمیان تقریباً دو سو میل کا فاصلہ ہے۔

(۱۰) سیالکوٹ ۳۲ ۵۵ (۱۱) مندکگور ۳۱ ۵۰ (۱۲) ملتان ۲۹ باب۳

ہم مواقع مذکورہ بالا سے آگے نہیں گئے اور نہ ہندوؤں کی کتابوں ہی سے
ہمیں اور اطوال و عروض کا پتہ چلا۔[1]

(کتاب الہند ص ۱۰۲)

اِن مقامات میں سے بعض کا محل وقوع تحقیق ہو گیا ہے۔ شہر کندی وہی مقام ہے جہاں مسعود قتل ہوا۔ دنپور جلال آباد کے موقع پر آباد تھا۔ پرشاور پشاور ہی ہے قلعہ نندنا، بالا ناتھ پر جسے اب ٹلا کہتے ہیں واقع تھا۔ وہیند اٹک کے موقع پر تھا اور مندکگور لاہور کے قریب ایک قلعہ تھا۔ اِن سب مقامات میں البیرونی نے سب سے زیادہ ملتان کا ذکر کیا ہے اور اس طرح پر کیا ہے جس سے گمان ہوتا ہے کہ البیرونی کا وہاں زیادہ قیام رہا۔ ملتان کی مقامی تاریخ آب و ہوا اور اہل شہر سے وہ خوب واقف معلوم ہوتا ہے۔ دو جگہ ملتان کے ایک ہندو عالم درلبھ کا ذکر کیا ہے۔[2] ایک موقع پر اُس کا بتایا ہوا حساب لکھا ہے اور دوسری جگہ ایک حساب کی صحت زیچ کے ورق سے جو کہ درلبھ کا لکھا ہوا تھا کی ہے۔

البیرونی ہندوستان سے غزنہ کو کب واپس ہوا، اس کا بالکل صحیح جواب تو ہم نہیں دے سکتے، لیکن ہماری تحقیقات سے ایسا ثابت ہوتا ہے کہ وہ ۴۲۰ھ کے قریب زمانے میں واپس ہوا۔ سب سے قریبی تصنیف جو اس کی غزنہ کی موجودگی کو ظاہر کرتی ہے کتاب التفہیم ہے،

---

[1] قانون مسعودی میں ہندوستان اور سندھ کے بہت سے شہروں کے اطوال و عروض لکھے ہیں جن میں دکن کے دُور دراز مقامات مثلاً تنجور بھی شامل ہیں۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب الہند اور قانون مسعودی کی تصانیف کے مابین کسی طرح سے البیرونی کو یہ تحقیق ہو گئے تھے۔

[2] دیکھو ص ۵۶ س ۱-۶ و ص ۴۰۴ س ۱۷ و ص ۴۹۰ س ۱۵-۱۸-

[3] دیکھو ص ۲۲۹ س ۸ و ص ۲۰۷ س ۱۲-

باب۳ جس کی تاریخ تصنیف ۲۵ ر رمضان سنہ ۴۲۱ھ (سنہ ۱۰۲۹ء) ہے۔

قانون مسعودی میں البیرونی کے بعض مشاہدات ہیئت ہیں جو اُس نے اُن آلات کی مدد سے جو یمین الدولہ محمود کے نام سے موسوم تھے غزنہ میں سنہ ۴۲۱ھ (سنہ ۱۰۲۰ء) و سنہ ۴۲۲ھ (سنہ ۱۰۲۱ء) میں انجام دیئے درج ہیں۔ کتاب الہند کی تصنیف کے وقت وہ ڈیڑھ دو درجن کتابیں مباحث علوم ہند پر حوالۂ قلم کر چکا تھا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ علومِ ہند کی تکمیل کئے کئی برس گزر چکے تھے۔

ہندوستان سے لوٹ کر البیرونی کو محمود کے دربار میں زیادہ عرصہ رہنے کا موقع نہیں ملا۔ البیرونی کو واپس ہوئے تھوڑی ہی مدت ہوئی تھی کہ بروز پنجشنبہ ۲۳ ربیع الآخر سنہ ۴۲۱ھ (سنہ ۱۰۲۰ء) محمود کا انتقال ہو گیا۔ اُس کے انتقال کے بعد بہت جلد تخت سلطنت کے لئے اُس کے بیٹوں محمد اور مسعود میں نزاع شروع ہو گیا۔

ابوالفضل بیہقی کی بے مثل تاریخ کے وہ حصے جو کہ ہم تک پہونچے اور شائع ہو چکے ہیں اسی وقت سے شروع ہوتے ہیں اور ہم اسی کتاب کی مدد سے مختصر طور پر غزنہ کے آیندہ سیاسی واقعات لکھتے ہیں۔

محمود کے انتقال کے وقت محمد گوزگاناں میں اور مسعود اصفہان میں تھے۔ محمود نے مسعود کو جبال و عراق کا والی مقرر کر رکھا تھا مسعود کے پاس محمود کے انتقال کی اطلاع اصفہان ہی میں ۲۰ رجمادی الاوّل کو پہونچی وہ اُس وقت عراق عجم کی فتح کی تیاری کر رہا تھا۔

محمد اور مسعود دونوں ایک ہی دن کی پیدائش تھے، لیکن مسعود چند ساعت بڑا تھا ابتداءً محمود نے مسعود کو اپنا جانشین قرار دیا تھا لیکن بعد میں بعض فتنہ پردازوں کی وجہ سے محمود کا دل مسعود سے پھر گیا تھا اور اُس نے محمد کو اپنا وارث قرار دیا۔ انتقال کی خبر

ملتے ہی محمد غزنہ پہونچکر تخت سلطنت پر بیٹھ گیا۔ مسعود بھی خبر پاکر تاریخ ۲۵ رجادی الآخر اصفہان باب کا انتظام کرکے خراسان کی جانب روانہ ہوا اور اپنے بھائی کو لکھا کہ خطبہ میں میرا نام پہلے پڑھا جائے پانچ ہزار بار شتر اسلحہ اور پانچ سو جنگی ہاتھی مجھے دیئے جائیں۔ محمد کو جب معلوم ہوا کہ مسعود بہ نیت نزاع آرہا ہے تو وہ بھی لشکر لے کر غزنہ سے روانہ ہوا اور غرۂ رمضان میں بمقام تگین آباد مع اپنے لشکر کے پہونچا۔ سپہ سالاران لشکر اور سربرآوردہ اُمرائے حکومت اور بالعموم رعایائے سلطنت کا رجحان طبع مسعود کی طرف تھا۔ ۳ رشوال کو لشکر نے محمد کے خلاف علم بغاوت بلند کرکے اُسے تگین آباد کے قلعہ میں مقید کردیا۔ اس دوران میں مسعود بھی قطع منازل کرتا اور خراسان کو مطیع بناتا ہوا ۲۸ رمضان کو بمقام ہرات پہونچا جہاں غزنہ کا لشکر بھی جس نے محمد کو قید کیا تھا اُس سے جا ملا ہرات میں کچھ دن قیام کرنے کے بعد مسعود بلخ پہونچا جہاں اُس کا کچھ عرصہ تک قیام رہا اور بعض سیاسی معاملات سرانجام پائے۔ محمد کو اوّل قلعہ کوہ تیز اور بعد ازاں قلعہ مندیش میں مقید رکھا گیا۔ خواجہ احمد بن حسن میمندی کو جو کہ سلطان محمود کا معزول وزیر اور اُس زمانے میں نظر بندی کی حالت میں ایک قلعہ میں مقید تھا بلوا کر اپنا وزیر مقرر کیا اور محمود اور محمد کے وزیر امیر حسنک کو قرمطی ہونے کی تہمت لگا کر سولی دیدی۔ بالآخر تمام کام ٹھیک ہوجانے کے بعد ۸ رجادی الآخر ۴۲۲ھ میں مسعود غزنہ پہونچ کر اپنے باپ اور دادا کے تخت پر بیٹھا۔

اِس ایک برس میں جو محمود کی وفات اور مسعود غزنوی کے غزنہ پہونچنے تک گزرا البیرونی کیا کرتا رہا؟ جہاں تک ہمارا خیال ہے وہ سیاسیات ملکی سے ایک عرصہ سے دستکش ہوچکا تھا اور بجز علمی مشاغل کے اُسے کسی بات سے واسطہ نہ تھا۔ سلطان محمد کا غزنہ میں اتنا تھوڑا

باب قیام رہا اور وہ زمانہ بھی اس قدر انتشار اور تشویش میں گزرا کہ البیرونی اغلباً عزلت گزیں اور کتاب الہند کی تصنیف میں مشغول رہا۔ البیرونی اپنی آنکھوں سے دنیا کے بہت سے نشیب و فراز دیکھے ہوئے تھا اور بحیثیت ایک تجربہ کار شخص کے پیش آنے والے نتائج سے بے خبر نہ تھا۔ کتاب الہند کا لہجہ بتلاتا ہے کہ ان واقعات کا ناخوش گوار اثر البیرونی کے دل پر تھا۔ ہمارا خیال ہے کہ اسی زمانہ میں اُس نے وہ قصیدہ بھی لکھا جو ابوالفتح کی مدح میں ہے۔ اُس قصیدہ میں البیرونی نے اپنے سرپرستوں کی فہرست محمود کے نام پر ختم کی ہے اور اُس کے بعد جو اشعار آئے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کے سب سرپرست وفات پا چکے تھے اور اس کا دل نہایت افسردہ تھا:۔

عفاء علی دنیای بعد فراقہم	اُن کے فراق کے بعد میری دنیا نیست و نابود ہو گئی
وواحزنی ان لم ازر قبل آسیا	ہائے افسوس اگر میں انھیں اپنے کوچ سے قبل نہ دیکھوں
وخلّفت فی غزنین لحماً کمضغۃ	میں غزنین میں مضغۂ گوشت کی طرح چھوڑ دیا گیا ہوں
علی وضمٍ للطیر للعلم ناسیا	اُن لوگوں کیلئے جو علم کو بھولے ہوئے ہیں جس طرح کہ پرندوں کیلئے بوٹی پر گوشت ڈالا جائے
فابدلت اقواماً ولیسوا کمثلہم	اُن کے بدلے میں ایسی قومیں ملی ہیں جو اُن کے مثل نہیں ہیں
معاذ الٰہی ان یکونوا سواسیا	اگرچہ خدانخواستہ یہ قومیں بھی ذلیل نہیں ہیں۔

(معجم الادبا ج ۶ ص ۳۱۲)

ان اشعار میں البیرونی نے عجیب درد انگیز پیرایہ میں اپنے رفیقان و مربیان گزشتہ کی یاد کو تازہ کیا ہے اور اپنے علمی انہماک اور اہل زمانہ کی علمی ناقدرشناسی کا حال لکھا ہے۔

سلطان مسعود بعض خصوصیات میں اپنے باپ سلطان محمود سے افضل اور بعض بحاظ سے اُس سے کمتر تھا۔ وہ ایسا عمدہ مدبر و منتظم نہ تھا، جیسا کہ اُس کا باپ تھا۔

وہ شراب نوشی میں اپنے باپ سے بہت بڑھا ہوا تھا۔ اُس کی رائے میں استبداد محمود سے باب۲
کم نہ تھا، لیکن اُس میں صیابت رائے محمود سے بدرجہا کم تھی۔ امور سلطنت و سرانجام مہمات
میں اُس کی خود رائی اور ضد سے نہایت نقصانات پہونچے۔ وہ اپنے باپ کی سلطنت
کو پورے طور پر برقرار نہ رکھ سکا اور اپنے باتدبیر اور تجربہ کار مشیرانِ سلطنت کے قیمتی
اور برمحل اور صحیح مشوروں کو اپنی غلط رائے کے سامنے ٹھکرا کر سلجوقیوں کا تدارک
نہ کر سکا یہاں تک کہ اُن کی رو رفتہ رفتہ ایسی بڑھی کہ خراسان اور وسط ایشیا کے تمام
علاقے غزنویوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔ مسعود کے متعلق بیہقی ایک موقع پر ابو نصر مشکان
کی زبان سے اِس طرح لکھتا ہے:۔

"این خداوند [مسعود] بہت وجگر بخلاف پدر ست و پدرش مردے بود
حرون و دُور اندیش، اگر گفتے چیزے ناصواب اکہ من چنیں خواہم کرد از
سر جباری و پادشاہی خویش بگفتی، و اگر صواب کسے و خطائے آں باز نمودے
در خشم شدے و مشغلہ کردے و دشنام دادے۔ باز چوں اندیشہ را
برآں گماشتے بسر راہ راست باز آمدے۔ و طبع ایں خداوند [مسعود]
دیگر ست کہ استبدادی کند نااندیشہ، ندانم کہ عاقبت ایں کارہا
چوں باشد" (ص ۴۹۵)

مسعود کی تمام تاریخ سیاسی ناعاقبت اندیشیوں سے پُر ہے۔ اُس نے اپنے زمانہ سلطنت
میں مشرق میں ہانسی اور مغرب میں جرجان و طبرستان تک کامیابی کے ساتھ لشکر
کشیاں کیں لیکن یہ سب بے محل اور مضر ثابت ہوئیں۔ وہ باوجود بار بار متنبہ کیے جانے کے
سلجوقیوں کے استیصال کی طرف متوجہ نہیں ہوا یہاں تک کہ معمولی شروعات سے اُن کی

باب ۳ قوت روز بروز بڑھتی گئی اور بالآخر غزنہ کی فوجیں اُن سے شکست کھانے لگیں آخر میں خود مسعود نے بمقام دندانقان[1] سلجوقیوں کے ہاتھ سے ۸ رمضان ۴۳۱ ہجری (۱۰۳۹ء) کو ایسی سخت شکست کھائی کہ جس سے سلطنت غزنوی کی کمر ہمیشہ کے لیئے ٹوٹ گئی، اور اُن کی سلطنت کے تمام بیرونی علاقے بجز ہندوستان کے اُن کے ہاتھ سے رفتہ رفتہ سب نکل گئے۔

اِس شکست کے بعد مسعود شوال ۴۳۱ ہجری (۱۰۳۹ء) میں غزنہ واپس پہونچا لیکن نہایت حواس باختہ اور سہما ہوا تھا، اپنے بیٹے مودود اور اپنے وزیر ابو نصر احمد بن محمد بن عبد الصمد کو سلجوقیہ کے مدافعت کے لئے بلخ روانہ کیا اور خود تمام اعیان سلطنت کی مشورہ کے خلاف بماہِ ربیع الاوّل تمام خزائن سلطنت کو اونٹوں پر لاد کر اور اپنے بھائی محمد اور اُس کی اولاد اور اپنے خاندان کی مستورات کو لے کر ہندوستان کی جانب روانہ ہوا۔ ۱۳ ربیع الاول ۴۳۲ ہجری (۱۰۴۰ء) کو دریاے سندھ سے عبور کرنے کے بعد انوشتگین بلخی اور غلاموں اور ہندو لشکریوں میں سے ایک جماعت نے بغاوت کر کے خزانوں کو لوٹ لیا۔ مسعود ہندوستان میں اس ارادہ سے آیا تھا کہ یہاں سے لشکر جمع کر کے لے جائے اور سلجوقیوں کا استیصال کرے۔ اُسے یہ معلوم نہ تھا کہ اس سفر میں تمام سلطنت کا خزانہ لٹ جائیگا اور اُس کی جان بھی کام آئیگی۔ باغیوں نے محمد کو مسعود کی جگہ بادشاہ مقرر کر لیا۔ جو لشکر مسعود کے ساتھ رہ گیا تھا اُس نے باغیوں سے جنگ کی لیکن بتاریخ ۱۵ ربیع الآخر شکست کھائی۔ مسعود نے قلعہ ماریکلہ میں

---

[1] دندانقان مرو سے دس فرسخ پر صحرا میں سرخس اور مرو کے مابین آباد تھا۔ یہ مقام ریگستان کے دست برد سے یاقوت کے زمانہ میں ویران ہو چکا تھا اور صرف ایک منارہ اور ایک سرائے ٹوٹی پھوٹی باقی رہ گئی تھی۔

پناہ لی۔ محمد کے بیٹے احمد نے کچھ ساتھی ہمراہ لیکر مسعود کو اُسی قلعہ میں جاکر قتل کردیا[1]۔ باب

مسعود سیاسی نقطۂ نظر سے کتنا ہی ناکام سہی لیکن علمی نقطۂ نظر سے اُس کا پایہ نہایت بلند تھا۔ مسعود کو نہایت اعلیٰ تعلیم دلائی گئی تھی وہ دلیر، فیاض، سیر چشم، خوش بیان، ادیب زبان عربی کا ماہر اور علوم کا دلدادہ تھا۔ بیہقی لکھتا ہے:۔

"وچوں ایں پادشاہ در سخن در آمدے جہانیاں بایستے کہ در نظارہ بودندے کہ دُر پاشیدے و شکر شکستے"۔ (ص ۱۹)

"و از پادشاہاں ایں خاندان رضی اللہ عنہم نہ دیدم کہ کسے پارسی چناں خواندے و نبشتے کہ وے (ص ۳۶۰)

یاقوت حموی محمد بن محمود الشہرزوری کے سند سے مسعود کا محمود کے علمی مذاق سے اِس طرح مقابلہ کرتا ہے:۔

واما ابنہ السلطان مسعود فقد کان	سلطان محمود کا لڑکا مسعود علم نجوم کا شائق اور حقائق
فیہ اقبال علی علم النجوم ومحبۃ	علیہ کا دلدادہ تھا اُس نے البیرونی سے اس مسئلہ
لحقائق العلوم، ففاوضہ	(یعنی قطبین پر رات میں سورج نہ چھپنے اور دنیا میں
(البیرونی) یوما فی ھذہ المسألۃ	رات دن کی مقداروں میں اختلاف) کا سبب پوچھا
وفی سبب اختلاف مقادیر اللیل و	اور چاہا کہ ان مسائل کو مدلل طریق پر لکھ دیا جائے
النہار فی الارض واحب ان یتضح	چونکہ عیاں و مشاہدات سے اس کی صحت نہیں ہو سکتی۔

---

[1] مسعود کی سلطنت کے حالات جنگ دندانقان کی شکست کے بعد غزنہ واپس آنے تک بیہقی سے اور بعد اُس کے بعد ابن الاثیر اور فرشتہ سے ماخوذ ہیں۔ اکثر ہندوستانی مورخین غزنیوں کی تاریخ لکھتے وقت واقعات کی صحت نہیں کرتے اور اسی وجہ سے اُن کے حالات مضطرب ہیں۔ ہم نے اسی وجہ سے تمام امکان از کوشش کی ہے کہ تاریخی واقعات صحیح ہوں اور قدیم ترین ذرائع اور ماخذوں سے لئے جائیں۔

یاقوت

له برهان مالم يصح له من ذلك
بعيان - وقال له ابو الريحان انت
المنفرد اليوم بامتلاك الخافقين
المستحق بالحقيقة اسم ملك
الارض فاخلق بهذه المرتبة ايثار
الاطلاع على مجاري الامور وتصاريف
احوال الليل والنهار ومقاديرها في
عامرها وغامرها - وصنف له
عند ذلك كتاباً في اعتبار مقادير
الليل والنهار بطريق تبعد عن مواضعات
المنجمين والفاظهم وتقرب تصوره
من فهم من لم يرتض بها ولم يعتدها
وكان السلطان الشهيد (مسعود)
قد مهر بالعربية فحصل وقوفه عليه
واجزل احسانه اليه وكذلك صنف
كتابه في لوازم الحركتين بامره وهو كتاب
جليل لا مزيد عليه مقتبس اكثر كلماته
عن آيات من كتاب الله عز وجل وكتاب القانون
المسعودي يعفى على اثر كل كتاب صنف في تنجيم وحساب (المعجم الادباء ص ۳۱۰ - ۳۱۱)

ابوریحان نے مسعود سے کہا کہ آپ آج مشرق و مغرب
کے ممالک اور روئے زمین کے بادشاہ کہلانے کے
مستحق ہیں۔ اس لئے چاہیئے کہ اس مرتبہ کے ساتھ
حالات جاریہ اور رات اور دن کے گردش اور آبادی
اور ویرانے میں اُن کی مقداروں سے بھی واقف
ہوں۔ ابوریحان نے مسعود کے لیئے لیل و نہار
کی مقدار جاننے کے لیے ایک کتاب اس پیرایہ
میں لکھی کہ اُس میں منجموں کے مسائل اور مصطلحات سے
کام نہیں لیا اور اس بحث کو اس طرح سمجھایا کہ جو
شخص علم نجوم سے مس بھی نہ رکھتا ہو وہ بھی سمجھ لے۔
سلطان شہید (مسعود) عربی میں مہارت رکھتا تھا
اُس نے اُسے بخوبی سمجھ لیا اور بہت احسان مند
ہوا۔ مسعود کے حکم سے ابوریحان نے اپنی کتاب
لوازم الحرکتین بھی لکھی جو کہ بڑے پایہ کی کتاب ہے
اور اُس سے بڑھ کر کوئی کتاب نہیں ہو سکتی اُس میں
اکثر کلمات قرآن سے ماخوذ ہیں اور کتاب قانون مسعودی
ایسی کتاب ہے کہ جس نے اُن تمام کتابوں کا جو کہ
تنجیم وحساب میں لکھی گئی ہیں نام نشان مٹا دیا ہے۔

وكان السلطان مسعود شجاعاً كريماً ذا فضائل كثيرة محبا للعلماء كثير الاحسان اليهم والتقرب لهم. صنفوا له التصانيف الكثيرة في فنون العلوم وكان كثير الصدقة والاحسان الى اهل الحاجات تصدق مرة في شهر رمضان بالف الف درهم واكثر الادرارات والصلات وعمر كثيراً من المساجد في ممالكه ... مع عفته عن اموال رعاياه واجاز الشعراء بجوائز عظيمة على قصيدة الف دينار واعطى آخر لكل بيت الف درهم وكان يكتب خطاً حسناً. وكان ملكه عظيماً فسيحاً ملك اصبهان والري وكرمان وسجستان والسند وغزنه وبلاد الغور والهند وملك كثيراً منها واطاعه اهل البر والبحر ومناقبه كثيرة وقد صنفت فيها التصانيف المشهورة. فلا حاجة الى الاطالة تذكيرها.

سلطان مسعود بہادر فیاض نہایت خوبیوں والا، علماء ۲ب کا دوست اور اُن کے ساتھ بہت کچھ احسان کرنیوالا اور اُن کو تقرب بخشنے والا تھا۔ فنون علم میں بہت سی تصانیف اُس کے لیئے لکھی گئیں۔ وہ اہل حاجت کے ساتھ بہت کچھ احسان اور بخشش کرتا تھا۔ ایک مرتبہ دس لاکھ درہم ماہ رمضان میں صدقہ میں دیئے۔ وظائف اور صلہ بکثرت عطا کیئے اور بہت سی مسجدیں اپنے ممالک میں آباد کیں..... باوجود اس کے وہ رعایا کے مال سے پرہیز کرتا تھا۔ شاعروں کو بڑے بڑے انعام دیتا تھا۔ ایک قصیدہ پر ایک ہزار دینار اور ایک موقع پر ہر بیت کے ایک ہزار درہم دیئے وہ نہایت خوشنویس تھا۔ اور اُس کا ملک نہایت وسیع تھا جس میں اصفہان، رے، کرمان، سجستان سند، غزنہ، غور اور ہند کا بہت سا حصہ داخل تھے۔ اُس کی اہل بر و بحر اطاعت کرتے تھے اور اُس کے مناقب کثیر ہیں جن پر مشہور تصانیف لکھی جا چکی ہیں اس وجہ سے یہاں طول دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

باب مسعود البیرونی کی نہایت قدر و منزلت کرتا تھا اور جیسا کہ قانون مسعودی کے دیباچہ کے پڑھنے سے ظاہر ہے البیرونی بھی اُس کا دل سے مداح تھا۔ یہ کتاب البیرونی نے مسعودی کے نام پر معنون کی تھی۔ یہ وہ کتاب ہے جو علم ہیئت میں مسلمانوں کی تاریخ میں وہی پایہ رکھتی ہے جو یونانیوں میں المجسطی۔ اس میں علم ہیئت کے تمام اعلےٰ مسائل جن تک مسلمان پہونچ سکے درج ہیں اور اُس کے علاوہ اُس میں البیرونی کے بہت سے ذاتی مشاہدات و معلومات لکھی ہوئی ہیں۔ شہرزوری اور یاقوت نے لکھا ہے اور اس روایت کو اکثر مورخین نے نقل کیا ہے کہ جب البیرونی نے قانون مسعودی کو تصنیف کیا تو سلطان شہید نے ایک بار فیل نقرہ انعام میں دیا مگر (واہ ری سیر چشمی) البیرونی نے اپنے آپ کو اس سے مستغنی سمجھا اور خزانہ میں واپس کردیا۔

سلطان مسعود کے اسیر و قتل ہونے کے بعد کہنے کے لیے محمد کو بادشاہ تو بنا دیا گیا تھا، لیکن محمد کی کوئی ہیبت فوج پر نہیں تھی اِس لیے چاروں طرف سخت ابتری پھیلی ہوئی تھی اور وہ لوگ جو چاہتے تھے کرتے تھے۔ رعایا کو لوٹتے پھرتے تھے چنانچہ پشاور اُن کے ہاتھوں بالکل تباہ ہوکر رہ گیا۔ اخیر رجب میں محمد وہاں سے رخصت ہوا۔ جب مودود کو بلخ میں اپنے باپ کے قتل ہونے کی خبر ملی وہ غزنہ آیا اور لشکر جمع کرکے روانہ ہوا۔ دونوں فوجوں میں بمقام دینور ۲ر شعبان ۴۳۲ھ (۱۰۴۰ء) میں جنگ ہوئی جس میں سلطان محمد اور ۲
اُس کے لشکر کو شکست ہوئی اور سلطان محمد اور اُس کا بیٹا احمد اور انوشتگین اور دیگر مخالفین گرفتار ہوکر قتل ہوئے۔ مقام جنگ پر مودود نے ایک سرائے اور قریہ آباد کیا جس کا نام فتح آباد رکھا۔ ۱۳ر شعبان ۴۳۲ھ (۱۰۴۰ء) میں مودود واپس غزنہ آیا اور اپنے باپ کے وزیر ابو نصر کو وزارت دی۔ غزنہ میں استحکام کر لینے کے بعد مودود سلطنت کے استقلال

باب۳ کی طرف متوجہ ہوا۔ ۴۲۶ھ (۱۰۳۴ء) میں مسعود نے مجدود کو ہند میں متعین کیا تھا۔ مسعود کے انتقال کے بعد وہ ملتان اور لاہور پر قابض ہو کر مودود سے مقابلہ کے لیئے لشکر فراہم کرنے لگا۔ مودود نے اُس کے استیصال کے لیئے ایک لشکر بھیجا، لیکن قبل اس کے کہ جنگ کی نوبت آئے عید الضحٰے سے تین دن بعد صبح کے وقت مجدود اپنے لشکر میں لاہور سے باہر مردہ پایا گیا۔ مودود کا انتقال ۴۴۱ھ (۱۰۴۹ء) میں بتاریخ ۲۰ رجب و (بروایت فرشتہ ۲۴ رجب) ہوا۔ اُس وقت اُس کی عمر صرف ۲۵ سال کی تھی اور ۹ برس اُس کی حکومت رہی۔ وہ اخیر بادشاہ تھا جس سے البیرونی کا سابقہ پڑا۔ بہ نسبت محمود اور مسعود کے ہم مودود کے اخلاق و عادات اور ذاتی حالات سے بہت کم واقف ہیں۔ بعض مؤرخین نے اُسے عدل و حُسنِ سیرت سے متصف کیا ہے۔ مودود کا زمانہ زیادہ تر سلطنت کے اندرونی بدنظمیوں کو دُور کرنے اور سلجوقیوں سے جنگ و جدل میں صرف ہوا۔ وہ ایسے نازک وقت میں تخت پر بیٹھا تھا جب کہ سلجوقیوں کی قوت بڑھتے ہوئے سیلاب کی طرح بڑھ رہی اور غزنہ کی سلطنت ہر وقت خطرہ میں رہتی تھی۔ مودود کو سلجوقیوں کی مدافعت میں متعدد جنگیں کرنی پڑیں اور بعض اوقات وہ اُن کے مقابلہ میں فتح یاب بھی ہوا۔ مودود کی کوششوں ہی کا نتیجہ سمجھنا چاہیئے کہ سلجوقیوں کا تصرف ماوراء النہر اور خراسان سے آگے نہیں بڑھنے پایا۔ اس طرح ہندوستان میں ہندو راجاؤں نے متحد ہو کر لاہور پر چڑھائی کی، لیکن کامیاب نہیں ہوئے اور پے در پے شکستیں کھا کر اور متعدد قلعے اپنے ہاتھوں سے کھو کر اور سخت نقصانات برداشت کر کے مطیع و منقاد ہو گئے اور ہندوستان کے علاقے سلطنت غزنوی کا اخیر تک جزو سلطنت رہے۔[۱]

۱؎ سلطان مسعود کے قتل اور مودود کے عہد حکومت کے حالات فرشتہ اور ابن الاثیر سے لئے گئے ہیں۔

باب البیرونی کا جو تعلق مسعود کے دربار میں قایم ہو چکا تھا وہ مودود کے زمانے میں بھی برقرار رہا البیرونی نے مودود کے لیئے جواہرات پر ایک رسالہ لکھا جس کا نام "الجماہر فی الجواہر" (یا "الجماہر فی معرفت الجواہر" ہے) - بہترین محاسن کی بحث میں کتاب "الدستور" بھی اسی کے نام سے معنون کی۔

اب ہم البیرونی کے واقعاتِ زندگی اور گرد و پیش کے حالات لکھ کر اُس منزل تک پہونچ گئے ہیں کہ اُس کی پیری کے حالات پر ایک نظر ڈالیں - یہ ہمیں معلوم ہے کہ البیرونی جب غزنہ پہونچا تو اُس کی عمر ۴۵ سال کی تھی ہندوستان سے واپس آنے کی وقت اُس کی عمر ساٹھ برس کے لگ بھگ پہونچ چکی تھی - البیرونی نے جو اپنی اور زکریا الرازی کی فہرست کتب کے متعلق اپنے دوست کو مکتوب لکھا تھا اُس میں اپنے عالمِ پیری کے چند دلچسپ واقعات لکھے ہیں جو اُس کی مشغول علمی زندگی پر روشنی ڈالتے ہیں - معلوم ہوتا ہے کہ نصف صدی سے زیادہ کی علمی کد و کاوش نے اس کے قوائے اور تندرستی پر نہایت مُضر اثر ڈالا تھا - لیکن باوجود پیری کے اُس کی ہمتِ مردانہ اور علمی تشنگی میں کوئی کمی نہیں آئی تھی - اس کے علمی انہماک کا اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ محمد بن محمود النیشاپوری کی سند سے یاقوت نے لکھا ہے اور بیہقی اور شہرزوری و دیگر تذکرہ نویسوں نے بھی اسے نقل کیا ہے :-

وکان رحمه الله مع الفسحة فی التمول وجلالة الحال فی عامة الامور مکبا علی تحصیل العلوم منصبا

البیرونی باوجود خوش حالی اور عام جاہ و جلال کے تحصیل علوم میں منہمک اور تصنیف کتب میں مشغول رہتا تھا - اُن کے دروازوں کو کھولتا اور اُن کی

[illegible] ص ۱۹۹ [illegible] دوسری کتابوں (مثلاً روضۃ الصفا و حبیب السیر) کی بہ نسبت جامع تر ہیں - ابن الاثیر نے اختصار کیا تھا واقعات اور تاریخیں نہایت عمدگی سے لکھ دی ہیں

باب۳

الی تصنیف الکتب یفتح ابوابها ویحیط بشواکلها واقرابها۔ ولا یکاد یفارق یده القلم وعینه النظر وقلبه الفکر الا فی یوم النیروز والمهرجان من السنة لاعداد ما تمس الیه الحاجة فی المعاش من بلغة الطعام وعلقة الریاش۔ ثم هجیراه فی سائر الایام من السنة علم یسفر عن وجهه قناع الاشکال ویحسر عن ذراعیه کمام الاغلاق۔

دشواریوں پر احاطہ کرتا تھا۔ سال بھر میں بجز نوروز اور مہرگان کے دو دن کے جب کہ اپنی حاجات زندگی یعنی کھانے پہننے کی معمولی ضروریات کا اہتمام کرتا تھا اُس کا ہاتھ قلم کو اُس کی آنکھ نظر کو اور اُس کا قلب فکر کو نہیں چھوڑتے تھے۔ ان دو دن کے سوا ہمیشہ علمی شاغل ہی میں منہمک رہتا علم کے چہرے سے دشواریوں کے پردوں کو اُٹھاتا اور اُس کے بازوؤں سے پیچیدگیوں کی آستینوں کو پلٹتا تھا۔

(یاقوت معجم الادبا ج ۶ ص ۳۰۸-۳۰۹)

خود البیرونی نے اپنے متعلق اُس مکتوب میں جو کچھ لکھا ہے وہ حسب ذیل ہے:۔

"اب میری عمر قمری حساب سے ۶۵ اور شمسی حساب سے ۶۳ سال کی ہے۔ تعجب نہیں اگر میری خواب کی تعبیر سچی ہو، اگرچہ میری حرص اُس کی تصدیق کی متمنی نہیں ہے۔۔۔۔۔ اور خواب کی تعبیر کا جو ذکر کیا ہے اُس کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کیسا ہی ہوشمند کیوں نہ ہو اپنی محنت اور مصیبت کے زمانہ میں بھی خوشی کا اُمید وار رہا کرتا ہے۔ مژدوں سے اُسے راحت ملتی ہے۔ ناگواریوں اور بدفالیوں سے کشیدہ خاطر ہوتا ہے اور فال اور احکام کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ میں بھی بشریت کی وجہ سے ایسے اوقات میں نجومیوں سے خواہش کرتا تھا کہ میری پیدائش کے بعد کے واقعات پر غور کریں

باب۳ وہ نہایت اختلاف کے ساتھ میری عمر نکالتے تھے۔ بعض سولہ سال کی بعض
چالیس سے کچھ اوپر حالانکہ میں پچاس برس سے بھی تجاوز ہو چکا تھا۔ بعض
ساٹھ سے کچھ زیادہ بتاتے تھے۔

جب میری عمر اس کے لگ بھگ پہونچی تو مہلک بیماریوں نے چاروں
طرف سے آدبایا۔ بعض ایک ہی وقت میں پیدا ہوئیں اور بعض یکے بعد
دیگرے۔ نوبت یہاں تک پہونچی کہ انھوں نے ہڈیوں کو پارہ پارہ بدن کو
چور چور حرکت تک سے معذور اور حواس باختہ کر دیا۔ باوجود اس کے
کہ بڑھاپے سے قویٰ ماؤف ہو چکے تھے، میں نے طبیعت کو درست
کرنے کی کوشش کی۔

جب میری عمر اکسٹھویں برس میں پہونچی تو ایک رات کا ذکر ہے کہ
میں نے یہ خواب دیکھا کہ میں ہلال کے نکلنے اور چاند کے غروب ہونے
کے موقعوں پر غور کر رہا ہوں لیکن وہ مجھے نظر نہیں آتے۔ اُسی حالت
میں مجھ سے کسی کہنے والے نے یہ کہا کہ اس خیال سے باز آ تو ایک سو ستر
مرتبہ اُس کا بٹا ہے۔ اِس کے بعد جب میں جاگا تو ۱۵ سال دس ماہ قمری کو
شمسی سال و ماہ میں منتقل کیا اور ساڑھے پانچ مہینے گھٹا دیئے۔ اور رب عطارد
کے سالوں کے قریب ہوئے جس کا کہ نجومیوں نے ذکر کیا ہے کہ پیدائش
کے قریب اُس کا غلبہ ہوتا ہے۔ باوجود اُس کے مجھے کچھ خوشی نہوئی اس لیئے
کہ عمر بسر ہو چکی تھی اور اس میں صرف ایک کام کرنے کے لیئے تھوڑا سا
حصہ رہ گیا تھا۔ وہ کام اُن کتابوں کا مکمل کرنا ہے جو ناقص حالت میں موجود

ہیں اور اُن مسودوں کا صاف کرنا جو ابھی تک ناصاف پڑے ہیں۔ باب۳
مثلاً قانون مسعودی وغیرہ اور اُن کتب ہند کا حوالہ قلم کرنا جن کا ترجمہ کرنا
پیش نظر ہے۔

اِس کے لیئے خدا کی مدد، فکر کی منتشر کرنے والی چیزوں سے امن،
درازی عمر، تاخیر اجل، سلامت حواس اور عمر کے موافق صحت بدن کے
سوا کوئی چیز معین نہیں ہے۔"

اِس مقام کو پڑھ کر آنکھوں کے سامنے ایک معمر شخص کی تصویر پھر جاتی ہے جس کی مصروف زندگی کی دوپہر ڈھل چکی ہے اور شام اُمنڈی چلی آرہی ہے۔ محنت شاقہ اور دماغی کاوشوں کا اعضا و جوارح پر پورا پورا اثر نظر آتا ہے۔ بدن کی چستی اور جسم کی فربہی نابید ہو چکی ہیں اگلا زور و بل سب جاتا رہا ہے اور دیکھنے میں اُس کا پیکر خاکی صرف مشت استخوان معلوم ہوتا ہے، بلکہ اُس کی ہڈیاں بھی گرم و سرد زمانہ اور فکر و محنت مستمرہ کی بدولت رت کر رہ گئی ہیں لیکن اُس کے جسم کو نہ دیکھو اُس کی روح اور دماغ کو دیکھو جنھیں اُس نے ساری عمر لہو اور پسینے سے سینچا ہے۔ اُس کے بشرے پر نظر ڈالو، جہاں حکمت و فراست اور علم و تجربہ کے کبھی نہ مٹنے والے آثار روشن پیشانی اور نورانی چہرے سے آشکار ہیں اُس کی ریش سفید یا خمیدہ کمر پر نگاہ نہ کرو، اُس کی ہمت عالی کو دیکھو کہ باوجود نصف صدی سے زیادہ مشقت اور صعوبتیں برداشت کرنے کے اُس کی اُمنگیں پہلے سے بھی زیادہ بلند پرواز ہیں۔ "قید ہستی اور بند غم" سے رہائی کے لیئے وہ بیتاب نظر نہیں آتا اس لیئے کہ جب وہ اپنی گزری ہوئی زندگی کے دنوں کا محاسبہ کرتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ بیکار نہیں گئے اور رائگاں نہیں ہوئے اور جب مستقبل کا تصور کرتا ہے تو دیکھتا ہے کہ باقی ماندہ

باب ۳ کام ختم ہونے کے لیئے ایک عمر درکار ہے۔ پھر زندگی کیوں دوبھر ہو؟ موت کی طلب کس لیئے کی جائے؟ زندگی اُس شخص کو عزیز نہیں ہو سکتی جس کی زندگی کے واپس نہ آنیوالے دن اُس کے نامۂ اعمال کی طرح سیاہ ہوں اور آنے والا زمانہ عقوبت دوزخ کا ہمپایہ ہو۔ ہاں ایسے شخص کی روح اسیر حیات نہیں رہنا چاہتی اور اُس کے حق میں بلاشبہ یہی بہتر ہے کہ کالبد خاکی اپنی امانت کے بار سے سبکدوش ہو جائے اور قفس عنصری کو طائر روح سُونا چھوڑ دے۔

قبل اس کے کہ ہم البیرونی کی زندگی کی اخیر گھڑیوں کا حال لکھیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ البیرونی کے کچھ اشعار جو یاقوت کی بدولت محفوظ رہ گئے ہیں درج کریں۔ البیرونی جیسا کہ یاقوت نے لکھا ہے اوّل درجہ کا شاعر نہیں تھا، لیکن ایک حکیم اور عالم ریاضیات کے لیئے یہ کلام بسا غنیمت ہے۔ لیکن جذبات اور خیالات عالیہ کے لحاظ سے اُس کی شاعری کا جو پایہ ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ البیرونی تفنّن طبع کے طور پر اشعار کہتا تھا ورنہ اُس کے مشاغل اس میدان سے زیادہ تر نہایت بعید تھے۔ اِن اشعار سے اُس کی بعض مسرور اور بعض غمگین ساعتوں کی یاد تازہ ہوتی ہے۔[1]

اپنے متعلق فخریہ طور پر لکھا ہے:۔

فلا یغررک منی لین مس　　　تراہ فی دروس واقتباس

میری مس کی نرمی تمھیں دھوکہ میں نہ ڈالدے　　　وہ نرمی جو کہ تم درس و اقتباس میں دیکھتے ہو

فانی اسرع الثقلین طرا　　　الی خوض الردی فی وقت باس

میں انسان اور جن میں تیز ترین شخص ہوں　　　جنگ کے وقت ہلاکت میں گھسنے میں

۱؎ یہ تمام اشعار یاقوت سے ماخوذ ہیں دیکھو معجم الادبا ص ۳۱۳ - ۳۱۴

اپنے احباب کی تعریف اور اغیار سے اُن کے اوصاف کا مقابلہ اس طرح کرتا ہے۔ ہا ب

اتاذنون لصب فی زیارتکم ان کان مجلسکم خلوامن الناس

کیا تم ایک جمع ان کو اپنی زیارت کی اجازت دیتے ہو، اگر تمھاری مجلس لوگوں سے خالی ہو

فانتم الناس لا ابغی بکم بدلا وانتم الراس والانسان بالراس

اس لیئے کہ تم وہ انسان ہو جن کا بدل میں تلاش نہیں کرتا، تم سر ہو اور انسان سر سے ہے

وکدکم لمعال تنھضون لھا وغیرکم طاعم مسترجیع کاسی

تمھاری کوشش ان مقامات عالی تک پہنچنے کی ہے جن کیلیئے کہ تم کھڑے ہوئے ہو اور تمھارے سوا دوسرے لوگ کھانے پہننے والے اور لاحول پڑھنے والے ہیں۔

فلیس یعرف من ایام عیشۃ سوی التلہی بأبرقام وکاس

وہ لوگ زندگانی کا مقصد بجز عیش پرستی، اور شراب نوشی کے اور کچھ نہیں سمجھتے

لدی المکاید ان اجدت مکایدہ تنسی الالہ ولیس اللہ بالناسی

مکاریوں کے وقت اگر اُن کی مکاریاں چل جائیں تو وہ خدا کو بھی دھوکا دینا چاہتے ہیں حالانکہ خدا دھوکا نہیں کھا سکتا۔

کسی کی یاد میں فراقیہ اشعار کہے ہیں:۔

تنغص بالتباعد طیب عیشی فلا شیٔ أمر من الفراق

تمھارے فراق میں لطف زندگی منغص ہے، فراق سے بڑھ کر کوئی چیز تلخ نہیں

کتابک اذھو الفرج المرجی الطب للمالم من الف راق

تمھارا خط کشایشِ اُمید ہے، اور بیمار کے لیئے ہزار جھاڑ پھونک کرنے والوں سے زیادہ مفید ہے۔

بابؔ یادِ رفتگاں میں لکھا ہے:-

ثم انقضت تلک السنون باھلہا ... اکفّہم وکانہا احلام

یہ سال اور اُس زمانے کے ہم سر لوگ ... اس طرح گزر گئے گویا کہ وہ خواب تھے

بالآخر البیرونی کے لیے بھی وہ وقت آپہونچا جب کہ اُس کی حیات کا چراغ گُل ہو۔ البیرونی سے بڑھ کر ہم آرزو کر سکتے تھے کہ خدا اُس کی عمرِ عزیز میں برکت دیتا۔ وہ جتنے دن جیا اپنے مشاغل کا پابند رہا افسوس جو اندازہ البیرونی نے کر رکھا تھا اور جس کی تصدیق پر اُس کا دل بشکل آمادہ ہوتا تھا اُس سے زیادہ جینا نصیب نہ ہوا۔ ۴۴۰ھ میں دوسری رجب جمعہ کا دن تھا جو ۱۱ ستمبر ۱۰۴۸ء کے مطابق ہوتا ہے کہ پیام اجل آپہونچا اور عشاء کے بعد اس فرد فرید نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ کل عمر ۷۷ سال، ۷ ماہ ہوئی ہے

بسے دَور باید کہ چرخِ ظفر
بیارد کسے چوں تو بارِ دگر

وفات کے وقت کا ایک حیرت انگیز واقعہ فقیہ ابوالحسن علی بن عیسی الولوالجی نے بیان کیا ہے جسے یاقوت نے محمود بن محمود النیساپوری سے لیا ہے اور اُس نے قاضی کثیر بن یعقوب البغدادی کی کتاب الستور سے نقل کیا تھا۔ قاضی یعقوب نے اس واقعہ کو فقیہ ابوالحسن کی زبان سے سُنا تھا۔

"میں ابوریحان کے پاس گیا۔ میں نے دیکھا کہ اس کا دم اکھڑا ہوا تھا اور اُس کی وجہ سے سینہ گھٹ رہا تھا۔ اسی حال میں اس نے مجھ سے کہا کہ تم نے جدات فاسدہ (نانیوں) کا حساب ایک دن کس طرح بتلایا تھا۔ میں نے

اُس سے شفقت کے طور پر کہا کہ کیا اسی حالت میں بتاؤں ۔ اُس نے باب۳
کہا " ہاں اسی وقت بتائیے، میں اس مسئلہ کو جاننے کے بعد دُنیا
کو چھوڑوں تو یہ نسبت اس کے بہتر ہوگا کہ میں اُس سے جاہل دُنیا سے
جاؤں"۔ میں نے اس مسئلہ کو اُسے بتایا اور اُس نے مُجھے یاد کیا اور
جو کچھ بتلایا تھا دُہرایا ۔ اس کے بعد میں اُس کے پاس سے رخصت ہوکر
باہر آیا ابھی راستہ ہی میں تھا کہ رونے پیٹنے کی آواز سُنائی دی ۔
(یعنی البیرونی رخصت ہوا)"

اس دنیا میں بہت سے شیفتگان علم پیدا ہوئے، لیکن البیرونی سے بڑھ کر علم کا شیفتہ ہونا محال ہے۔

یقین ہے کہ البیرونی نے غزنہ ہی میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوا، لیکن آج کوئی نشان نہیں دے سکتا کہ دُنیائے علم کا وہ فرید الدہر فرد کہاں مصروف خواب ہے ؎

بعد از وفات تربتِ ما در زمیں مجو
در سینہ ہائے مردمِ عارف مزارِ ماست

البیرونی کا متاہل ہونا ثابت نہیں نہ تاریخ کے دفتر میں کوئی ایسا نام نظر آتا ہے جسے اس کی اولاد ہونے کا فخر حاصل ہوا ہو حالانکہ اُس کے شاگردوں میں سے بعض کا نام موجود ہے۔ یہ بات بعید از قیاس نہیں ہے کہ البیرونی نے ساری عمر تجرّد میں گزاری ہو۔ اُس کے مکتوب میں ایک ایسا فقرہ موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ البیرونی اپنی تصانیف ہی کو اپنی اولاد سمجھتا تھا۔

وہ لکھتا ہے :-

باب

"میں نے اپنی اُن کتابوں کو جنھیں آغاز عمر میں تصنیف کیا تھا اور جن کی تحریر کے بعد میری معلومات میں اضافہ ہو گیا متروک نہیں کیا اور نہ خوار جانا۔ اس لیے کہ وہ سب میرے فرزند تھے اور اکثر لوگ اپنے کلام اور فرزند پر فریفتہ ہوتے ہیں۔"

اگر یہ صحیح ہے کہ البیرونی نے اپنی زندگی علم کی خدمت میں تجرّد کی حالت میں گزاری تو کون انکار کر سکتا ہے کہ اُس نے بہت بڑا ایثار کیا اور اُس نے اپنی علمی جد و جہد کے متعلق جو کچھ فخر کیا ہے کم ہے:-

بجهد شأوت الجالبين ائمة فما اقتبسوا في العلم مثل اقتباسيا
فما بركوا للبحث عند معالم ولا احتبسوا في عقدة كاحتباسيا

باب چہارم

البیرونی کی تصانیف و تالیفات و تراجم

ہم نے پچھلے دو بابوں میں البیرونی کی واقعاتِ زندگی کو مسلسل طور پر تحریر کرنے کی کوشش کی ہی۔ تاریخی مواد کی قلت کے باعث جابجا اُس کی تصانیف و قیاس کی مدد سے واقعات کا سلسلہ قایم کرنا پڑا ہی پھر بھی خدا جانے کتنی ضروری حکایات بیرونی کی حیات کی ایسی ہیں جو دستیاب نہیں ہوئیں۔ جتنے مستند واقعات معلوم ہیں وہ انگلیوں پر شمار ہو سکتے ہیں؛ اور چاہے کتنی ہی تفصیل کے ساتھ کیوں نہ لکھے جائیں اُن کے لیئے معدودے چند اوراق سے زیادہ گنجایش درکار نہیں ہو سکتی۔ البتہ بیرونی کی زندگی کا ایک دوسرا پہلو ضرور ایسا ہی جس کے تذکرے کے لیئے دفتر کے دفتر درکار ہیں۔ ہمارا امنشا بیرونی کے فضل و تبحر کی داستان سے ہی، جس کے ذکر میں ہر شخص اپنی بساط کے موافق زورِ بیان صرف کر سکتا ہی۔

بیشتر اس کے کہ ہم مضمون کے اس حصے یعنی تبصرہ و نقد کی طرف متوجہ ہوں ضروری معلوم ہوتا ہی کہ بیرونی کی تصانیف و تالیفات کی فہرست پیش کر دیں تاکہ ناظرین بجائے خود بھی اُس کی وسعتِ علمی کا اندازہ کر سکیں۔

سب سے پہلے بیرونی کی اُن تصانیف کو لیجیئے جن کے نام اُس نے اپنی وفات سے تیرہ سال پہلے مذکورہ بالا خط میں لکھے تھے۔ اِن میں جن کتابوں پر ستارے کی علامت (*) ہی وہ ہند کے متعلق ہیں۔

نمبر	نام کتاب	تعداد اوراق
۱	زیچ خوارزمی کے علل کے متعلق ایک کتاب لکھی تھی، جس میں بہت سے مفید مسئلے اور مضبوط جوابات درج کیئے گئے تھے۔	۲۵۰
۲	"ابطال البهتان بایراد البرهان علی علل الخوارزمی" ابوطلحہ طبیب نے کتاب ہذا کے متعلق کچھ ایسی باتیں بیان کی تھیں جن کی تردید کی ضرورت تھی۔	۳۶۰
۳	اسی بارے میں بیرونی کو ابوالحسن اہوازی کی ایک کتاب ملی، جس میں خوارزمی کی حق تلفی کی تھی بیرونی نے ایک کتاب لکھ کر اس نزاع کا عادلانہ فیصلہ کیا۔	۶۰۵
۴	"تکمیل زیج حبش بالعلل وتهذیب اعماله من الزلل" مشہور منجم احمد بن عبداللہ حبش کی بنائی ہوئی زیچ پر علل کا اضافہ کیا اور زیچ مذکور میں جو غلطیاں تھیں اُن کی تصحیح کی۔ اس کتاب کا ایک تہائی ڈھائی سو ورق میں آیا۔	۷۵۰
۵*	"جوامع الموجود لخواطر الهنود فی حساب التنجیم" اس کتاب میں بیرونی نے اہلِ ہند کے علم نجوم کی بابت نہایت مکمل تحقیقات درج کی تھیں اور سند ہند (سدھانت) پر مجتہدانہ تبصرہ لکھا تھا۔	۵۵۰
۶*	ہیئت و نجوم ہند کے متعلق زیچ ارکند (کرن کھنڈ کھاڈیک) ایک مشہور کتاب تھی اس کا ترجمہ بیرونی سے بہت پہلے ہو چکا تھا۔ لیکن وہ نہایت غیر مفہوم اور الفاظ متروکہ سے معمور تھا۔ بیرونی نے اپنے الفاظ میں جدید معلومات کی بنا پر اس کتاب کو نئے انداز میں تحریر کیا۔	
۷	"کتاب مقالید علم الهیئة ما یحدث فی بسیط الکرہ" اس کتاب کو اصفہبد جیلجیلان مرزبان بن رستم کے لیئے لکھا تھا۔	۱۵۵

نمبر شمار	نام کتاب	تعداد اوراق
۸*	"خیال الکسوفین عند الهند" آفتاب اور ماہتاب کے دو متحد اور متساوی مداروں کے متعلق یہ کتاب تھی۔ اہل ہند میں یہ مبحث شہرت عام رکھتا تھا اور اِن کے یہاں کوئی زیچ اس سے خالی نہ تھی، لیکن مسلمان مہندسین اس سے قطعاً ناواقف تھے۔	
۹	"امر الممتحن وتبصیر ابن کیسوم المفتتن" ابن کیسوم نے تحقیق سے تجاوز کیا تھا بیرونی نے اُس کی کم علمی کا پردہ فاش کیا۔	۱۰۰
۱۰	"اختلاف الاقاویل لاستخراج التحاویل" تحویلات کے متعلق کسی تبحر نے بیرونی سے دریافت کیا تھا۔ بیرونی نے اس مضمون کے متعلق تفصیلی بحث اس رسالے میں لکھی۔	۳۰
۱۱	"مقالہ فی التحلیل والتقطیع للتعدیل" ایک عالم کی فرمایش سے جسے جداول تعدیل الشمس میں شک تھا اور طریق تحلیل حبش سے اطمینان نہ ہوتا تھا، یہ رسالہ لکھا گیا۔	۷۰
۱۲	موالید (پیدایش) اور تحویل سنن وغیرہ کے واسطے جو ہیئت فلک معلوم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اس کے متعلق ایک رسالہ۔	
	مفتاح علم الہیئت قاضی ابوالقاسم العامری کی فرمایش سے لکھا گیا اس میں محض مبادی ہیئت سے بحث کی گئی تھی اور اشکال اور دشواریوں سے اجتناب کیا گیا تھا۔	۶۰
۱۴	"تہذیب فصول الفرغانی" ابوالحسن مسافر کے لیئے کتاب فصول الفرغانی، کے متعلق جو علم ہیئت پر تھی بیرونی نے یہ کتاب تصنیف کی	۲۰۰

نمبر	نام کتاب	تعداد اوراق
۱۵	"افراد المقال فی امر الاظلال" علم مساحت میں ظل نامی خطوط مستقیم کی پیمائش وغیرہ کے متعلق جتنے امور ہیں اُن سب کا مفصل اور مکمل تذکرہ اس کتاب میں کیا گیا تھا۔ یہ کتاب بھی ابوالحسن مسافر کے لیئے لکھی تھی	۲۰۰
۱۶	"استعمال دوائر السموٰت لاستخراج مراکز البیوت" اس رسالے میں ستاروں کے خانوں کے مرکز نکالنے کے لیئے دوائر سموٰت کے استعمال پر بحث کیگئی تھی۔ یہ کتاب بھی ابوالحسن مسافر کے واسطے لکھی گئی۔	۱۰۰
۱۷	"مقالہ فی طالع قبۃ الارض و حالات الثوابت ذوات العروض" وسطِ زمین اور ذوات العروض ستاروں کے جو خط استوار کے شمال میں واقع ہیں، حالات میں یہ رسالہ جرجان کے ایک منجم کے لیے لکھا گیا۔	
۱۸	ایک چھوٹا سا رسالہ لیل و نہار کی مقدار کے متعلق جس میں نہایت سہل پیرایہ میں یہ ثابت کیا گیا تھا کہ قطب کے نیچے ایک سال کا ایک دن ہوتا ہے۔	

اطوال البلاد، اور عروض البلاد کے متعلق نیز مقامات کی سمتوں اور فاصلوں وغیرہ کی کیفیت میں حسب ذیل کتابیں بیرونی نے لکھی تھیں۔

نمبر	نام کتاب	تعداد اوراق
۱	"تحدید نہایات الاماکن لتصحیح مسافات المساکن" موقعوں کی حدبندی اور شہروں کے فاصلوں کی تصحیح کے متعلق۔	۱۰۰
۲	"تہذیب الاقوال فی تصحیح العروض و الاطوال" عرض البلد اور طول البلد کی درستی کے متعلق۔	۲۰۰

تعداد اوراق	نام کتاب	نمبر
۴۰	"تصحیح المنقول من العروض و الطول" عرض و طول کے متعلق گزشتہ بیانات کی درستی۔	۳
۲۰	"مقالہ فی تصحیح الطول و العرض لمساکن المعمور من الارض"	۴
۲۰	"عرض و طول کے متعلق ہر شہر کی تعیین"	۵
۴۰	"مقالہ فی استخراج قدر الارض برصد انحطاط الافق عن قلل الجبال" پہاڑ کی چوٹی سے افق کا نشیب نکال کر زمین کی مقدار (پیمایش) کس طرح معلوم کی جائے (قانون مسعودی میں اس پیمایش کا ذکر ہے جو بیرونی نے اس طریق پر کی تھی دیکھو اخیر باب ہماری اس کتاب کا)۔	۶
۲۰	منارۂ اسکندریہ کے قریب غروب شمس کے بارے میں تحقیقات	۷
۲۰	اقلیموں کی تقسیم کے متعلق کیا کیا اختلافات ہیں۔	۸
	عرض اور میل کے نکالنے کے متعلق اہل علم میں کیا کیا اختلاف ہیں	۹
۳۰	قبلہ کی صحیح جانب معلوم کرنے کے متعلق جوابات و سوالات۔	۱۰
	سمت قبلہ کے متعلق دلائل کی توضیح۔	۱۱
۴۰	قبلہ کی صحیح سمت دریافت کرنے کے لیئے کن شرائط پر کاربند ہونا ضروری ہے۔	۱۲
۱۵	تقویم القبلہ (قبلہ کا جغرافیہ) اور اُس کے طول اور عرض کی تصحیح	۱۳
۴۵	"فی الانبعاث لتصحیح القبلہ" قبلہ کی صحیح سمت معلوم کرنے کے لیئے کیا کیا شرائط پوری کرنی چاہئیں۔	۱۴

نمبر شمار	نام کتاب	تعداد اوراق
۱۵	کتاب دلائل قبلہ میں جو لغزشیں ہوگئی تھیں اُن کی تصحیح ۔	
	حساب کے متعلق	
۱ *	سند ہند کی رقموں سے حساب شمار ۔	۳۰
۲	کِعاب (جمع کعب) اور کعاب کے علاوہ حساب کے دوسرے قاعدوں کا نکالنا ۔	۱۰۰
۳ *	حساب سکھانے میں نقوشِ ہند (رسوم الہند) کی کیفیت ۔	
۴ *	عدد کے مراتب میں اہلِ عرب کی رائے اہلِ ہند سے بہتر ہے ۔	۱۵
۵ *	راشیکات الہند (اربعہ متناسبہ)	
۶ *	فی سکلب الاعداد جس کا آدھا ۳۰ ورق میں ہے ۔	۶۰
۷ *	براہم سدھانت میں حساب کے جتنے طریقے بیان کیے گئے ہیں اُن کا ترجمہ ۔	۴۰
۸	"منصوبات الضرب" ضرب نکالنے کے متعلق مختلف منصوبے (چٹکلے)	
	شعاعات اور ممر کے متعلق (یعنی علم الاشعیا "علم المناظر" کے متعلق جسمیں شعاعوں اور اُنکے گذرگاہوں کا ذکر ہوتا ہے)	
۱	"تجرید الشعاعات والانوار عن الفضائح المدونہ فی الاسفار" شعاعوں اور روشنیوں کی بحث کے متعلق جو خرابیاں کتابوں میں جمع ہوگئی تھیں اُنکی اصلاح ۔	۵۵
۲	"تحصیل الشعاعات بابعد الطرق عن الساعات" ساعتوں کے نہایت	

بابک

نمبر شمار	نام کتاب	تعداد اوراق
	دشوار قاعدوں سے شعاعات کی کیفیت معلوم کرنا۔	۱۰
۳	"مقول فی مطرح الشعاع ثابتا علی تغیر البقاع"	
۴	"تمہید المستقر لمعنی الممر" ممر کی حقیقت کے متعلق پوری بحث	۶۰
	آلات اور اُن کے استعمال کے متعلق کتابیں یہ ہیں :-	
۱	اُصطرلاب بنانے میں کتنی صورتیں ممکن ہیں۔	
۲	اُصطرلاب کے ٹھیک کرنے اور اُس کے مرکبات شمالی و جنوبی کے استعمال کے سہل طریقے۔	۱۰
۳	"تسطیح الصور و تبطیح الکور" صورتوں اور کُروں کا پھیلانا۔	
۴	اُصطرلاب کے کام میں لانے سے کون کون سے مسائل حل ہو سکتے ہیں یعنی اُصطرلاب کے مختلف استعمالات کیا کیا ہیں۔ ("فیما اخرج ما فی قوۃ اُصطرلاب الی الفعل")	۳۰
۵	اُصطرلاب الکری کے استعمال کے متعلق	۱۰
	ازمنہ اور اوقات کے متعلق	
۱	"تعبیر المیزان لتقدیر الازمان" اُس ترازو کا بیان جس سے اوقات معلوم کیئے جاتے ہیں۔	۱۵
* ۲	اہل ہند کے یہاں زمانے کے اجزا معلوم کرنے کے کیا قاعدے ہیں۔	۱۰۰
۳	نصاریٰ کے روزے اور عید کے وقتوں کا ذکر	۲۰
۴	تاریخ اسکندری میں بیرونی سے جو لغزش ہو گئی تھی اُس کا اعتذار	۱۰

نمبر شمار	نام کتاب	تعداد اوراق
۵	عبد الملک طبیب بستی نے مبداء و منتہاے عالم کے متعلق جو حکایات لکھی تھیں اُن کی تکمیل۔اس کتاب میں بیرونی نے اپنی ذاتی معلومات سے مسئلہ آغاز و انجام عالم کے متعلق مختلف قوموں کے عقائد بیان کیے تھے۔	۱۰۰
	مذنبات (دُمدار ستاروں) اور ذوائب گیسو دار ستاروں) کے متعلق	
۱	کیا کیا آثار علوی ہیں جو دنیاوی واقعات کی رہبری کرتے ہیں۔	۳۰
۲	(مقالہ فی دلالۃ الآثار العلویہ علی الحداث السفلیہ) جو سما (فضا) میں جو ستارے نمودار ہوتے ہیں اُن کے متعلق بعض طبیبوں کے دل میں خیالات فاسد تھے۔بیرونی نے اُن کے خیال کا ابطال کیا۔	۷۰
۳	کواکب ذوات الاذناب اور ذوات الذوائب (دُمدار اور گیسو دار ستاروں) کے متعلق تحقیقات۔	۶۵
۴	ہَوا میں جو روشن چیزیں نمودار ہوتی ہیں اُن کا بیان۔ کواکب منقضّہ (ٹوٹنے والے تاروں) کے متعلق ابوسہل القوہی کے کلام کا تفحص۔	۱۵
	متفرقات	
۱	منازلِ قمر کی تحقیقات میں	۱۸۰
۲	ابو حفص عمر بن الفرخان کے نوادر و عجائبات کے متعلق تحقیق و تفحّص۔	۲۴۰

تعداد اوراق	نام کتاب	نمبرشمار
۸۰	"مقالہ فی استخراج الاوتار فی الدائرہ عواص الخط المنحنی" دائرے کی وتروں کے معلوم کرنے کے متعلق۔	۳
۳۰	فلزات اور جواہر کے حجم میں کیا نسبت ہے۔	۴
۱۰	صحیح وسالم مسافر کتنی مسافت طے کر سکتا ہے	۵
۲۰	"مقالہ فی نقل خواص الشکل القطاع الی مایغنی عنہ" شکل القطاع کے خواص کی مکمل توضیح۔	۶
۱۰	اُن دو خطوں کے جو کسی ایک جگہ پر ملنے کے بعد کہیں جا کر نہ ملیں نہایت قریب مقداروں میں کس طرح ٹکڑے ہو سکتے ہیں۔	۷
۴۵	دنیا میں گرمی کن وجوہات سے پیدا ہوتی ہے اور فصلوں اور موسموں کا اختلاف کس طرح واقع ہوتا ہے۔	۸
۴۰	"کتاب آثار العلویہ" (زیر بحث مذنبات وغیرہ) میں جو طریقۂ متعارف مذکور ہوا ہے اُس کے متعلق بحث	۹
۷۰	"المسائل البلخیہ فی المعنی المتعلقہ بالخسار الصناعت"	۱۰
۱۲۰	ہندوستان کے منجموں کے یہاں سے جو سوالات آئے تھے اُن کے جوابات	۱۱ *
	کشمیر کے علما نے جو دس سوالات بھیجے تھے اُن کے جوابات	۱۲ *

احکام النجوم کے متعلق

	"کتاب التفہیم لاوائل صناعت التنجیم" علم نجوم کے متعلق ابتدائی کتاب	۱
	"مقالہ فی تقسیط القوی والدلالات بین اجزاء البیوت الاثنی عشرۃ" بارہ	

نمبر شمار	نام کتاب	تعداد اوراق
	بارہ برجوں کے درمیان قوتوں اور رہنمائیوں کا تقسیم کرنا (متعلق علم نجوم)	۱۵
۳	"فی سیر سہمی السعادت و الغیب" اس میں ستاروں کے مختلف موقعوں سے طالع مولود میں جو اثرات ہوتے ہیں اُن سے بحث تھی۔	
۴*	عمر نکالنے کے متعلق ہندوؤں کا کیا قاعدہ ہے۔	
۵	"فی الارشاد الی تصحیح المبادی علی النموذارات" (نجوم کے متعلق)	۵۰
۶	"فی تبیین رائے بطلیموس فی سالخداہ"	۷
۷*	براہمہر کی کتاب موالید الصغیرہ کا ترجمہ۔	
	ہزل و سخف میں	
۱	ترجمہ قصہ وامق و عذرا	
۲	قسیم السرور اور عین الحیات کی کہانی۔	
۳	ارمزد یار اور مہریار کا قصہ۔	
۴	بامیان[۱] کے بتوں کا حال۔ اِس میں بیرونی نے بودھوں کے مشہور معبد بامیان	

باب

[۱] شہر بامیان جو شہر غزنی سے بخط مستقیم ۹۰ میل کے فاصلے پر شمال و مغربی سمت میں واقع ہے قبل از زمانۂ اسلام بدھ مذہب کا ایک مشہور مرکز تھا۔ یاقوت نے آغاز ہفتم صدی ہجری میں بامیان کے تراشیدہ بتوں کا (جو بدھ کی مورتیاں تھیں) مفصل حال لکھا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ پہاڑ پر ایک عمارت ستونوں پر بنی ہوئی تھی اور اُن ستونوں پر طرح طرح کے پرندوں کی تصویریں کھدی ہوئی تھیں۔ اس عمارت کے نیچے دروازے کی باہر کی طرف دو بڑے بت تھے جنھیں پہاڑ ہی میں تراش کر بنایا تھا۔ اور یہ لاثانی بت "سرخ بد" اور "خنگ بد" کہلاتے تھے۔ قزوینی نے بھی بامیان کے "بیت الذہب" کا ذکر کیا ہے اور بدھ کے ان دو بتوں کا حال لکھا ہے۔ یہ شہر مغلوں کی تاخت و تاراج میں بالکل برباد ہو گیا اور چنگیز خان نے اس شہر کو منحوس قرار دے کر حکم دیا کہ کوئی شخص یہاں پر نہ بسے۔ بامیان کے بدھ کی مورتوں کی تصویریں جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی (انگلینڈ) ۱۸۸۶ء ص ۳۲۳ (cf. Le Strange: Lands p. 418 - 19)

نمبر شمار	نام کتاب	تعداد اوراق	باب
	کے تعجب انگیز بتوں کی عالمانہ اور محققانہ کیفیت بطور تحقیقات آثار عتیقہ لکھی ہوگی۔		
۵	داذمہ اور گرامی دخت جبلی الوادی کی کہانی۔		
۶*	حکایت بیتی دبرہاکر بزبان نیلوفر۔		
۷	ابی تمام کے شعر میں جتنے الف کے قافیہ آئے ہیں اُن کا پورا ذکر۔		
۸	مقالہ فی الاتجار فی قدالاشجار" درختوں کے قدوقامت کے متعلق علمی تجربوں کا ذکر۔		
۹	مساحت کا درست کام بسہولت تمام کس طرح انجام دے سکتے ہیں۔ اس رسالے میں ایسے طریقے بیان کیئے گئے تھے جن کی مدد سے نہایت آسانی کے ساتھ پیمایش ہوسکتی تھی۔		
۱۰	" التحذیر من قبل الترک" ترکوں کی جانب سے جو اندیشے ہیں اُن سے لوگوں کو بچانا۔		

(بقیہ نوٹ ص ۱۱۸) ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں بھی بامیان کے متعلق لکھا ہے کہ بامیان ہند کی ان حدود کے جو سجستان سے ملی ہوئی ہیں قریب ہے۔ جب یعقوب ابن اللیث نے ہندوستان کی فتح کا قصد کیا تو یہیں کا والی تھا جو اس کے خدمت میں پہونچا۔ بامیان وہی مقام ہے جہاں سے بوقت فتح بغداد میں مورتیں (صُور) بھیجی گئی تھیں۔ یہ ایک بہت بڑا عبادت خانہ (بیت) ہے جہاں زُہاد اور عباد آکر معتکف ہوتے ہیں۔ اس بیت میں بہت سے سونے کے مرصع بت ہیں جن کی شمار انداز سے باہر اور خوبیاں بیان سے بالا ہیں۔ ہند کے لوگ براہ خشکی و تری دُور دُور کے شہروں سے یہاں جاترا کے لیئے آتے ہیں۔ بیت الذہب کے صحن میں ایک عمارت ہے جس کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ پتھر کی ایک عمارت ہے جس میں بُدہ (بدھ) ہیں اور اس کا نام بیت الذہب اس لیئے پڑ گیا ہے کہ جب عربوں نے حجاج کے زمانے میں اسے فتح کیا تو یہاں سے بہت سا سونا ملا۔ ابودلف ینبوعی سیاح نے مجھ سے

باب ۷

نمبر شمار	نام کتاب	تعداد اوراق
۱۱	"القرعة المصرحة بالعواقب" قرعہ جس میں انجاموں کا صاف صاف حال معلوم ہو جائے۔	
۱۲	"القرعہ المثمنہ لاستنباط الضمائر المخمنہ" مخفی ضمیروں کے معلوم کرنے کے متعلق قیمتی قرعہ۔	
۱۳	"شرح فرامیر القرعہ المثمنہ" نمبر ۱۳ کی شرح۔	
۱۴*	کلب یا رہ کا ترجمہ۔ اس میں ان امراض سے بحث کی گئی تھی جو عفونت سے پیدا ہوتے ہیں۔	
	عقائد کے متعلق	
۱*	"کتاب فی تحقیق ما للہند من مقالہ مقبولہ او مرذولہ" (کتاب الہند)	۷۰۰
۲	"زایچوں میں برجوں کی علامتوں کو حروف جمل کے ذریعہ سے کیوں ظاہر کیا جاتا ہے۔	
۳	"کلام فی المستقر و المستودع" مرکز کے متعلق۔	
۴*	"مقالہ فی ناسدیو الہند عند مجیئہ الادنی" ناسدیو کے ادنیٰ حالتوں (جونوں) میں ظاہر ہونے کے بارے میں اہل ہند کے کیا خیالات ہیں	۱۰

(بقیہ نوٹ ص ۱۱۹) بیان کیا کہ یہ مکان وہ نہیں ہے جسے بیت الذہب کہتے ہیں بلکہ ہماری ہند میں ارض مکران و قندھار کا ایک مقام ہے جہاں سوائے عباد اور زہاد ہند کے کوئی نہیں جا سکتا۔ یہ مکان سونے سے بنا ہوا ہے۔ الخ ... (الفہرست ص ۳۴۱) تحت "اسماء مواضع العبادات ببلاد الہند وصفة البیوت وحال البددہ)

تعداد اوراق	نام کتاب	نمبر
	"ترجمہ کتاب سانک فی الموجودات المحسوسہ المعقولہ"	۵*
	"ترجمہ کتاب باتجل فی الخلاص من الارتباک"	۶*

اس فہرست کے بعد بیرونی لکھتا ہے:-

"اس کے علاوہ وہ کتابیں جو میری تصنیف کی ہوئی ہیں اور جن کے نسخے میرے پاس سے چلے گئے ہیں بہت ہیں۔ مثلاً:-

۱	"التنبیہ علی صناعہ التمویہ"	ملمع سازی کے متعلق۔
۲	"تنویر المناہج الی تحلیل الازیاج"	زائچوں کو کس طرح حل کیا جائے۔
۳	"التطبیق" الی تحقیق حرکۃ الشمس"	سورج کی گردش کی تحقیق۔
۴	"البرہان المنیر فی اعمال التیسیر"	کیمیاوی اعمال کے متعلق۔
۵	"تنقیح التواریخ"	تاریخوں کے تحقیق کرنے کے متعلق
	و امثال ذلک۔	

اس کے بعد بیرونی نے اپنے خواب کا حال لکھا ہے جس کا تذکرہ اوپر تیسرے باب میں کیا جا چکا ہے۔ پھر بیان کیا ہے کہ ابھی تک مجھے بہت سی کتابوں کا پورا کرنا باقی ہے، جو میرے پاس ناقص حالت میں پڑی ہیں یا مسودوں سے ابھی تک صاف نہیں کی گئی ہیں۔ مثلاً:-

۱	قانون مسعودی۔
۲	"آثار الباقیہ عن القرون الخالیہ" (!)
۳	"الارشاد الی مایدرک ولاینال من الابعاد" جو دو دریائی ورقا صلے کہا ئی

نمبر	نام کتاب
	دیں اور وہاں تک نہ پہنچ سکیں اُن کو کس طرح معلوم کیا جائے۔
۴	"الکتاب فی المکاییل و الموازین وشرایط الطیار و الشواہین" پیمانوں اور وزنوں کا ذکر اور ڈنڈی کے دونوں حصّوں کے شرایط کے متعلق۔
۵	"جمع الطرق السائرہ فی معرفہ اوتار الدائرہ" دائرہ کے وتر معلوم کرنے کے متعلق جتنے قاعدے معلوم ہیں اُن سب کا ذکر۔
۶	"تصور امر الفجر والشفق فی جہتی الغرب والشرق" ظہور صبح اور شفق کے متعلق
۷	"تکمیل صناعۃ التسطیح" علم تسطیح کرہ کا مکمل بیان۔
۸	جلاء الاذہان فی زیج البتانی" مشہور مہندس البتّانی کی زیج کے متعلق۔
۹	"تحدید المعمورہ و تصحیحہا فی الصورہ" ملکوں اور شہروں وغیرہ کی حدبندی اور نقشے میں انکی تصحیح کو بیان
۱۰	"علل زیج جعفر المکنی بابی معشر" مشہور منجم ابو معشر کی زیج کے متعلق۔ نیز وہ تمام کتب ہند، جن کا ترجمہ کرنا چاہتا ہوں۔

آگے چلکر لکھا ہو کہ جب تک صحت حواس، قوت بدن اور بے فکری میسر نہ آئیں یہ کام انجام نہیں پاسکتا۔ اخیر میں ان کتابوں کی فہرست دی ہو جن کو بیرونی کے احباب نے (بلاشبہ اُس کی مدد، فرمایش یا اشارے سے) بیرونی کے نام پر لکھا تھا۔ اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ متقدمین میں اُستاد یا کسی بڑے فاضل یا کسی عزیز دوست کے نام سے کتابیں لکھنے کا عام دستور تھا اُستاد اور فضلا بھی اسے ناپسندیدہ نہ سمجھتے تھے اور اکثر اپنے معتقدین کی کتابوں کی اصلاح خود کردیا کرتے تھے۔ افلاطون اور سقراط کے دوسرے شاگردوں نے اپنے استاد کے نام سے اُس کی وفات کے بعد بہت سی کتابیں لکھیں مثلاً

افلاطون کی کتاب "ری پبلک" (Republic) یہ کتابیں جو ابونصر، ابوسہل اور بابا ابو علی نے بیرونی کے نام سے تصنیف کی تھیں، بلاشبہ اُن کی عقیدت اور محبت کی یادگاریں ہیں۔

ابونصر منصور بن علی بن عراق مولٰی امیر المومنین نے بیرونی کے نام

سے حسب ذیل کتابیں لکھی تھیں۔

۱ "کتاب فی السموات" سماوات کے متعلق۔

۲* کتاب فی تنصیف التعدیل عند اصحاب السندہند۔

۳ کتاب فی تصحیح کتاب ابراہیم بن سنان فی تصحیح اختلاف الکواکب العلویہ۔

۴. "کتاب فی براہین اعمال حبش بجدول التقویم" مشہور مہندس حبش نے جو جغرافیائی جدول تیار کی تھی اُس کی صحت کے متعلق ابونصر نے دلائل لکھے۔

۵ "رسالہ فی تصحیح ما وقع لابی جعفر الخازن من السہو فی زیج الصفائح" زیج صفائح میں ابی جعفر خازن سے جو سہو ہو گئے تھے اُن کی درستی کی غرض سے یہ کتاب لکھی گئی۔

۶ رسالہ فی مجارات دوائر السموٰت فی الاصطرلاب" اصطرلاب میں سماوات ظاہر کرنے والے دائرے کہاں کہاں ہو کر گزرتے ہیں۔

۷ رسالہ فی جدول الدقائق۔

۸ رسالہ فی براہین علی عمل محمد بن الصباح فی امتحان الشمس" محمد بن صباح نے ترصید شمس کے متعلق جو اپنی تحقیقات لکھی تھیں اُن کے دلائل میں یہ رسالہ لکھا گیا۔

۹ رسالہ فی براہین علی عمل حبش فی مطالع السمت فی زیجہ" حبش کی زیج میں مطالع السمت

باب ۲ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا تھا اس پر دلائل لکھی گئیں۔

۱۰ رسالہ فی دوائر التی تحد الساعات الزمانیہ" ساعات اور اوقات کے متعلق

۱۱ "رسالہ فی معرفہ القسی الفلک لطریق غیر طریق النسبتہ المولفہ" اس رسالے میں قوسہائے فلک کے معلوم کرنے کا نیا طریقہ بیان کیا گیا تھا۔

۱۲ "رسالہ فی حل شبہ عرضت فی الثالثہ عشر من کتاب الاصول" کتاب الاصول کے تیرھویں باب میں جو شبہ پیدا ہوا تھا اس کا حال۔

ابوسہل مسیحی نے بیرونی کے نام سے یہ کتابیں لکھیں

۱ کتاب مبادی الھندسہ۔

۲ کتاب سوم الحرکات فی اشیا ر ذوات الوضع" اشیائے محسوسہ میں کیا کیا نقوش حرکت پائے جاتے ہیں (؟)

۳ کتاب فی سکون الارض و حرکتھا۔ حرکت و سکون ارض کے متعلق بحث کی گئی تھی۔

۴ "کتاب فی التوسط بین ارسطوطالیس و الجالینوس فی المحرک الاول" مابعد الطبیعات کے مسئلہ "محرکِ اول" کے متعلق ارسطو اور جالینوس کے خیالات کا موازنہ اور ان دونوں حکیموں کی رایوں میں درمیانی راہ کا پتہ لگانا۔

۵ "رسالہ فی دلالۃ اللفظ علی المعنی" لفظ معنی پر دلالت کرتا ہے (بحث منطق)۔

۶ "رسالہ فی سبب برد ایام العجوز" موسم سرما کے نہایت سرد ایام جو ہوتے ہیں ان کی سردی کا کیا سبب ہے۔

۷ "رسالہ فی علہ التربیہ (؟) التی مستعمل فی احکام النجوم"۔

۸ رسالہ فی آداب صحبت الملوک۔ بادشاہ کی ہم نشینی کے آداب۔ بابک

۹ رسالہ فی قوانین الصناعہ، نجوم کے قوانین۔

۱۰ رسالہ فی دستور الخط۔ تعلیم رسم الخط کے متعلق۔

۱۱ رسالہ غزلیات الشمسیہ، آفتاب میں سیاہ داغ کیسے ہیں۔

۱۲ رسالہ النرجسیہ (رسالہ نرگسیہ)

ابو علی الحسن بن علی الجیلی نے بیرونی کے نام پر رسالہ "من وعن" لکھا۔

اِس کے بعد یہ خط ان الفاظ پر ختم ہوتا ہے۔

"اب میں نے تمہارے سامنے وہ کتابیں عرض کر دیں، جو میرے پاس ہیں، تاکہ تمہیں جس کی ضرورت ہو معلوم کر لو۔ وہی میں تمہیں بھیج دوں۔ والسلام"۔

اس طویل فہرست کے ختم ہو جانے پر ناظرین نتائج ذیل پر، جو فہرست ہذا سے ماخوذ ہیں غور کریں۔

۱ بیرونی نے اپنی تصنیف کی ہوئی کتابوں کے جو نام لکھے ہیں، اُن کی تعداد ایک سو چودہ ہے!۔

۲ اِن میں بعض ضخیم کتابیں ہیں اور بعض چند ورق کے رسالے ہیں۔

۳ بعض کتابوں کے آگے ورقوں کی تعداد بھی لکھی ہے۔ شمار کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ من جملہ ۱۱۴ کتابوں کے ۶۶ کتابوں کے اوراق کی تعداد ۶۶۷۰ (۱۳۳۴۰ صفحہ) ہے۔ باقی ماندہ ۴۸ کتابیں ہیں، جن کے اوراق کی تعداد

نہیں لکھی ہے، بعض کتابیں بلاشبہ کافی ضخیم ہیں، مثلاً قانون مسعودی، آثار الباقیہ باب۵
وغیرہ۔

۴ کتابوں کی یہ فہرست بالکل نامکمل ہے۔ یعنی ان ۱۱۴ کے سوا اور بہت سی کتابیں بیرونی لکھ چکا تھا اور بہت سی زیرِ تصنیف تھیں۔ خط میں صرف اُن کتابوں کا ذکر کیا ہے جو خط کے لکھتے وقت موجود تھیں اور جن کو دوست کے طلب کرنے پر بھیج سکتا تھا۔ چنانچہ ناظرین کو وہ موقع یاد ہوگا جہاں لکھا ہے کہ جن کتابوں کے نسخے میرے پاس نہیں ہیں وہ بہت ہیں جن میں سے مثال کے طور پر چار پانچ کے نام بھی لکھ دیئے ہیں۔ آگے چل کر جب غیر مکمل نسخوں کا ذکر آیا ہے تو وہاں بھی یہی کہا ہے کہ ایسی کتابوں کی اتنی تعداد ہے کہ بقیہ عمر اُن کی تکمیل کے لیئے کافی نہیں ہوسکتی۔ سرسری طور پر دس کتابوں کے نام بھی لکھ دیئے ہیں۔

۵ معتد بہ تصانیف دوسروں کی فرمایش اور خواہش سے لکھی گئی ہیں اور حلقۂ سائلین میں جرجان، بلخ، خوارزم، ہندوستان اور کاشمیر تک کے علماء شامل ہیں۔ نیز بہت سی کتابیں تصحیح، تہذیب، ترتیب، تفسیر، اور رد وجواب کی حیثیت سے لکھی گئی ہیں۔

ان مقدمات کو ذہن نشین کر لینے کے بعد تذکرہ نویس کا فرض ہے کہ فہرست کی تکمیل کی غرض سے ان کتابوں کے نام بھی درج کردے جو دوسرے معتبر ذرائع سے معلوم ہوئے ہیں۔ حسب ذیل کتابوں کے نام برسبیل تذکرہ آثار الباقیہ میں آئے ہیں اور یہ فہرست مندرجۂ بالا میں شریک نہیں ہیں۔

باب۳

۱ کتاب الاستشہاد باختلاف الارصاد۔

۲ کتاب الارقام۔

۳ کتاب فی الاخبار القرامطہ والمبیضہ، فرقہائے قرامطہ ومبیضہ کی تاریخ۔

۴ بحث بیرونی وابن سینا دربارۂ تقویم یونان۔

۵ کتاب العجائب الطبیعیہ والغرائب الصناعیہ۔

اسی طرح پر کتاب الہند کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مندرجۂ ذیل کتابیں جو بیرونی کتاب الہند کی تصنیف سے پہلے لکھ چکا تھا، شامل فہرست نہیں ہیں۔

۱ * برہم گپت کی پانی ساسی دھانت کا ترجمہ

۲ * برہم گپت کی برہم سدھانت۔

۳ * ترجمہ لگھو جاتم مصنفہ وراہمہیر۔

نیز کتاب الہند کی تصنیف کے وقت بیرونی حسب ذیل کتابوں کا سنسکرت میں ترجمہ کرنے میں مشغول تھا۔

۴ * تحریر اقلیدس۔

۵ * کتاب المجسطی۔

۶ * اصطرلاب بنانے کے قواعد خود اپنی تصنیف سے۔

۷ * مفتاح الہیئت۔

اِن بارہ کتابوں کا پتہ کتاب الہند اور آثار الباقیہ سے چلا ہے۔ ماسوا اس کے ذیل کی کتابیں، جو ہنوز شمار میں نہیں آئی ہیں، حاجی خلیفہ کی مشہور فہرست کتب "کشف الظنون عن الاسامی الکتب والفنون" سے معلوم ہوتی ہیں۔

۱	ارشاد فی احکام النجوم	جلد ۱	صفحہ ۲۵۸
۲	استیعاب فی تسطیح الکرہ	〃 ۱	〃 ۲۷۷
۳	الجماہر فی الجواہر	〃 ۲	〃 ۶۰۸
۴	تعلیل باحالۃ الوہم فی معانی النظم	〃 ۲	〃 ۳۲۴
۵	شرح ابو تمام	〃 ۳	〃 ۲۵۴
۶	زیچ العلائی	〃 ۴	〃 ۲۶۷
۷	کتاب الاحجار	〃 ۵	〃 ۳۳
۸	کتاب تسطیح الکرہ	〃 ۵	〃 ۶۳
۹	کتاب الصیدلہ	〃 ۵	〃 ۱۱۰
۱۰	مختار الاشعار والآثار	〃 ۵	〃 ۱۳۵
۱۱	خلاصہ مجسطی	〃 ۵	〃 ۳۸۶
۱۲	زیچ المسعودی (قانون المسعودی) ؟	〃 ۳	〃 ۵۶۸

نیز غلام حسین جونپوری نے اپنی تالیف جامع بہادر خانی (۱۸۳۵ء) میں ص ۱۹۸ پر بیرونی کی ایک کتاب "لمعات" کا ذکر کیا ہے جو علم الابصار (علم المناظر والانعکاس) میں لکھی گئی تھی۔ اس میں سے جامع بہادر خانی کے مؤلف نے چار شکلیں منتخب کی ہیں۔ ماسوا اس کے ابوالفضل بن الحسن البیہقی نے تاریخ بیہقی میں لکھا ہے کہ میں اپنی کتاب کی دسویں جلد میں تاریخ خوارزم کا حال لکھوں گا اور خوارزم کے تاریخی حالات میں ابوریحان کی تاریخ خوارزم سے مدد لوں گا جسے میں نے چند سال ہوئے دیکھا تھا۔[۱]

---

[۱] دیکھو ایلیٹ ڈوسن کی تاریخ ہند جلد ۲۔ ص ۵۷۔

یاقوت رومی کے ارشاد الادیب سے حسب ذیل کتابوں کا پتہ چلتا ہے۔ یادؔ

(۱) کتاب فی اعتبار مقدار اللیل و النهار
(۲) کتاب لوازم الحرکتین
(۳) کتاب الدستور جسے مودود کے لیئے لکھا تھا
(۴) کتاب التعلل باحالۃ الوہم فی معانی نظم اولی الفضل
(۵) کتاب التاریخ ایام السلطان محمود و اخبار ابیہ
(۶) کتاب مختار الاشعار و الآثار
(۷) کتاب المسامرہ فی اخبار خوارزم۔

علاوہ بریں حسب ذیل کتابیں بیرونی کی تصانیف سے ایسی ہیں جن کے نام کسی دوسرے ذریعہ سے معلوم نہیں ہوئے اور جو اس وقت یورپ کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔

۱ کتاب الدرر فی سطح الاکر (بوڈلین لائبریری)

کتاب نزہۃ النفوس و الافکار فی خواص الموالید الثلاثہ المعادن و النبات والاحجار۔ (بوڈلین لائبریری)

بیرونی کی تالیفات کا تذکرہ نامکمل رہ جائیگا اگر ہم اخیر میں اُن قلمی نسخوں کی مفصل فہرست بھی شامل نہ کردیں جو ہمارے علم میں دُنیا کے مختلف کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔

۱	استیعاب الوجوہ الممکنہ۔	۲ نسخے (۱) برلن (۲) بوڈلین آکسفورڈ
۲	کتاب الدرر۔	۱ نسخہ (۱) بوڈلین
۳	مقالہ فی سہمی السعادت و الغیب	۱ نسخہ (۱) بوڈلین

۴۰ ۴ نزہتہ الافکار۔ ا نسخہ (۱) بوڈلین

۵ الجماہر فی الجواہر۔ ا نسخہ (۱) اسکوریل (اسپین)

۶ تری راجیک (فی راشیکات الہند) ا نسخہ (۱) انڈیا آفس لائبریری

۷ فی تسہیل التسطیح الاصطرلابی والعمل۔ ا نسخہ (۱) برلن

۸ آثار الباقیہ ۳ نسخہ (۱) برٹش میوزیم (۱۰۷۹ھ)

(۲) سر ہنری رالنسن (۱۲۵۴ھ)

(۳) کتب خانہ قومی پیرس

افسوس ہے کہ "آثار الباقیہ" کے تمام نسخے بہت قریب زمانے کے لکھے ہوئے ہیں اور کتاب کے بہت سے مقامات چھوٹے ہوئے ہونے کے علاوہ جابجا ہر قسم کی غلطیاں بھری ہوئی ہیں۔ سخاؤ نے بہت کوشش کرکے حتی المقدور ان خرابیوں کو رفع کیا ہے، لیکن تا وقتیکہ کوئی مکمل اور صحیح نسخہ دستیاب نہ ہو جائے، یہ خرابیاں آخر کیسے رفع ہو سکتی ہیں۔

۹ کتاب الہند۔ ۳ نسخے (۱) موسیو شیفر (پرانا نسخہ ہے اور بہت صحیح ہے بیرونی سے ۱۲۹ سال بعد کا لکھا ہوا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ خود بیرونی کے نسخے سے براہ راست نقل کیا گیا ہے)

(۲) پیرس (کتب خانہ قومی)

(۳) قسطنطنیہ۔ یہ دونوں نسخے شیفر والے نسخے کی نقل معلوم ہوتے ہیں۔

۱۰ صیدلہ (یا صیدنہ) النسخہ لٹن لائبریری مدرسۃ العلوم علی گڑھ (سنہ ۱۹۳۱ء) باب ۴

یہ کتاب لغات طب میں ہے۔ اس کا ترجمہ سنہ ۶۰۷ ہجری (سنہ ۱۲۱۱ء) کے بعد ہندوستان میں عثمان الکاشانی نے کیا تھا۔ مترجم نے نعت اور حمد کے بعد لکھا ہے۔

"چنیں گوید ابن الکاشی ندیم اللہ برکہ حیوتہ کہ ہیچ انیس مر خردمند را در اوقات تنہائی چوں مطالعۂ کتب نیست۔ و فوائد تالیفات علما و تصنیفات حکما نزدیک ارباب الباب ازاں روشن ترست کہ بتقریر آں اطنابے حاجت افتد۔ ابوریحان گوید کہ در تالیف ایں کتاب صیدنہ رجوع در حل مشکلات بشیخ ابوحامد بن محمد بن احمد السہتشقی[1] کردم زیراکہ او در عہد خود از ابنائے جنس خود در علم لغت و طب مستثنیٰ بود و تصانیف متقدمان دریں ہر دو نوع علم سماع کردہ و بر جملۂ دلائل و نکات و رموز و اشارات اطلاع تمام یافتہ و تالیف ایں کتاب بر ترتیب حروف معجم اتفاق افتاد تا انتفاع از وے آسان تر رسد انشاء اللہ تعالیٰ و بہ نستعین"

کتاب کی ترتیب اس طرح پر ہے کہ پہلے مصنف مفرد دوا کا نام، جو عام طور پر مشہور ہوتا ہے دیتا ہے، بعدہٗ عربی، یونانی، سریانی، جرجانی، خوارزمی، فارسی، عراقی، ہندی، سندھی وغیرہ وغیرہ زبانوں کے لغات ہم معنی کا ذکر کرتا ہے اور پھر اس کی خاصیت بیان کرتا ہے۔

لٹن لائبریری والے نسخے کے اخیر میں یہ عبارت سرخ روشنائی سے لکھی ہوئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب مجمل اور مختصر طور پر مصنف نے لکھی تھی۔

(سرخ) "ایں صیدنہ را بر سبیل ایجاز نوشتہ شد آنچہ از دو رباعیتر و محتاج تر بود یاد کردہ شد

---

[1] صحیح لفظ بیہقی معلوم ہوتا ہے۔ ۱۲ برنی

باب۴ تا زود تر مقصود بحاصل آید۔"

(سیاہ) تمت تمام شد بتاریخ یکم جمادی الآخر ۱۰۰۸؁ (۱۰۰۸؁ ہجری)

یہ نسخہ نسخ خط میں لکھا ہوا ہی لیکن غلطیاں جابجا پائی جاتی ہیں۔

۱۱ کتاب التفہیم (عربی) ۳ نسخہ (۱) و (۲) بوڈلین (۳) برلن

(فارسی) ۴ نسخہ (۱) برٹش میوزیم (۲) موسی شیفر

(۳) و (۴) لٹن لائبریری مدرستہ العلوم علی گڑھ۔

مدرستہ العلوم علی گڑھ کی لائبریری میں جو دو نسخے ہیں وہ اصل کتاب سے دو علیحدہ شخصوں کے ترجمہ کیئے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ کتاب کے ابتدائی جملے ذیل میں لکھے جاتے ہیں جس سے دونوں ترجموں کا فرق معلوم ہوگا۔

پرانا نسخہ

دانستن صورت عالم و چگونگی آفرینش آسمان
و زمین و انچہ میان ہر دوست فہمیدن و
بعمل آوردن آنہا بسیار سودمند است
در علم نجوم زیرا کہ اصطلاحی بناہا و لفظہا کہ
منجمان بکار برند اندر فراگیرد، و صورت
بستن و معنی آن آسان گردد تا چون بعلتہا
و حجتہا برسد بداند و از اندیشہ و فکر آسودہ بود
و رنج آن بر معلم و متعلم آسان باشد۔
و این نسخہ را یادگار نوشتم برائے ریحانہ

نیا نسخہ

دانستن صورت عالم و چگونگی نہاد آسمان و
زمین و انچہ بمیان ہر دوست بروی شنیدن
و بتقلید گرفتن ہمچوں چیزہا سخت سودمندست
اندر پیشہ نجوم زیرا کہ گوش بناہا و لفظہا کہ
منجمان اندر خور کنند و صورت بستن معانی
آسان گردد تا چوں بعلتہا و حجتہا آن باز
آید و آن را بحقیقت خواہد تا بداند اندیشہ و فکرت
آسودہ بود و رنج از ہر دو سوی برا و گرد نیاید۔
و این یادگار ہمچنیں کردم مر ریحانہ

پُرانا نسخہ

بنت الحسن الخواندمیہ کہ خواهندۂ این علم بود بر طریقِ سوال و جواب کہ بفہم مبتدی آسان تر بود - وابتدا کردیم بهندسہ اوّل پس بشمار و پس بصورت عالم پس باحکام نجوم زیرا کہ مردم را نام منجّمی سزاوار نہ شود تا این چہار علم بتمامی نداند و ایزد تعالیٰ توفیق دہندہ است بر صواب گفتار و کردار بمنّتِ خویش -

نیا نسخہ

بنت الحسن الخوارزمیہ را کہ خواهندۂ او بود بر طریقِ پرسیدن و جواب دادن کہ خوب تر بود و صورت بستن آسان تر بود - وابتدا کردیم بهندسہ پس بشمار و عدد پس بصورت عالم پس باحکام نجوم زیرا کہ مردم نام منجّمی را سزاوار نہ شود تا این چہار علم را بتمامی نداند و ایزد تعالیٰ توفیق دہندہ است بر صواب گفتار و کردار بمنّت و فضل خویش -

یہ اختلاف عبارت آگے جا کر بہت کم ہو جاتا ہے حتی کہ بعض اوقات پوری عبارت کے الفاظ دونوں نسخوں میں بالکل یکساں ہوتے ہیں - اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں لفظی ترجمے ہیں - دونوں ترجموں کا مقابلہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نئے نسخے کا ترجمہ زیادہ قدیم ہے -

پہلا نسخہ ایک پرانا نسخہ ہے جس میں کل (۱۳۶) ورق ہیں - اس نسخے کی تقطیع ۱۰ - ۷ انچ ہے - اس میں اخیر کے دس بارہ اوراق باقی کتاب سے زیادہ پرانے اور کسی دوسرے شخص کے لکھے ہوئے ہیں - دونوں کاتب کم علم اور کتاب کے مضامین سمجھنے کے ناقابل ہیں - ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں نسخے میں جتنی غلطیاں ہوں کم ہیں - کئی جگہ تو کورے صفحے چھوٹے ہوئے ہیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یا تو کاتب اُن جدولوں کو جو اُن موقعوں سے تعلق رکھتی ہیں خود نہیں سمجھا یا جس نسخے سے اُس نے نقل کیا ہے وہ ایک نامکمل نسخہ تھا - اس نسخے کا خط شکست ہے اور طرز سے میں انداز کرتا ہوں کہ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد سے پہلے کا لکھا ہوا نہیں ہے - اس نسخہ کے

باب پہلے صفحہ پر سید سعید علی خاں کے نام کی چھوٹی سی مُہر لگی ہوئی ہے جس میں ۱۱۶۷ھ ہجری نبوی لکھا ہوا ہے۔

دوسرا نسخہ ۱۲۶۶ھ ہجری (۱۸۵۰ء) کا لکھا ہوا ہے۔ یہ ایک خوشخط اور غالباً صحیح نسخہ ہے۔ تقطیع کم وبیش ۱۲ - ۸ انچ اور کاغذ ہلکا نیلگوں ہے۔ باقی حالات حسب ذیل عبارتوں سے جو نسخے کے اخیر میں لکھی ہوئی ہیں معلوم ہونگے۔

(روشنائی) "سپری شد روز اشتاد از مہر ماہ سال برسی صد و نود و ہشت یزدجردی مطابق ۴۲۰ھ ہجری"

"الحمد للہ حسب الارشاد جناب معلی القاب نواب ضیاء الدین احمد خان بہادر متخلص بہ نیّر و رخشاں بروز آدینہ ہفتم ماہ عید روز کشا سال ۱۲۶۶ھ ہجری، مطابق ۱۶ ماہ اگست ۱۸۵۰ء این تسطیر بہ تحریر رسید"

پنسل سے یہ عبارت لکھی ہوئی ہے۔

"این کتاب تفہیم بہ دوم ستمبر ۱۸۵۰ء دوشنبہ بمقام دہلی بمقابلہ مرزا عاشق بیگ ولد مرزا اکبر بیگ مہندس دہلوی و میر حسن صاحب از مقابلہ منقول عنہ فراغ یافت" (نیّر رخشاں)

"اصل کتاب از کتاب خانہ پسر ملّا فیروز بن ملّا کاؤس پارسی بمبئی معرفت صاحب سکرتر اعظم رسیدہ بود کہ صحیح و مقابلہ نمودۂ ملّائے مذکور بود کہ اعلم علمائے پارسیان بود" (نیّر)

یہ نسخہ چونکہ واضح لکھا ہوا ہے اس میں ۳۹۶ صفحے ہیں۔ مضامین کی فہرست بتعیین صفحات ذیل میں لکھی جاتی ہے۔

بارؔ

۲۶-۳	فن ہندسہ +	۲۷-۴۶	فن حساب	
۱۶۴-۴۶	فن ہیئت +	۱۶۴-۲۱۴	فن معرفت تقویم	
		۲۱۴-۳۹۶	مسائل متعلق فنِ نجوم	

یہ رسالہ نہایت سہل پیرایہ میں سوال و جواب کی صورت میں لکھا گیا ہے۔ نہایت دشوار مسائل چھوڑ دیئے ہیں اور مبتدی کی آسانی کے لیئے شکلوں اور نقشوں کو کثرت سے استعمال کیا گیا ہے جیسا کہ ناظرین کو رسالے کی ابتدائی عبارت سے معلوم ہوا ہوگا، یہ رسالہ بیرونی نے ایک خاتون کے واسطے (جس کا نام ریحانہ بنت الحسن تھا اور جو بیرونی کی ہم وطن تھی) لکھا تھا۔

خواتین اسلام کی فہرست میں ریحانۂ موصوفہ کا نام بحیثیت شایق علوم ہونے کے اضافہ کیئے جانے کے قابل ہے۔ بلاشبہ ریحانہ کی مثال اُس زمانے کے علمی شوق اور مسلمانوں کی تعلیمی حالت پر گہری روشنی ڈالتی ہے میں اسے محض اتفاقیہ مثال ماننے کے لیئے آمادہ نہیں ہوں بلکہ مجھے یقینِ واثق ہے کہ چوتھی پانچویں صدی کے روشن علمی دور میں خواتین اسلام بھی علم کی دلدادہ تھیں اُس زمانے کے مردوں اور عورتوں کی حالت بلاشبہ ہماری موجودہ پست تعلیمی حالت سے بالکل جداگانہ تھی، اور بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ ہماری تعلیمی ترقی بجائے اس کے کہ غیروں کی مثال کی محتاج ہو قومی روایات کی تقلید کی زیادہ محتاج ہے۔

نجوم کے حصّے کو چھوڑ کر جس میں فی زمانا دلچسپی نہیں لی جا سکتی، کتاب کے باقی تمام حصّے نہایت قیمتی اور کارآمد معلومات سے معمور ہیں اور میرا خیال ہے کہ اُن کی اشاعت مُفید اور دلچسپ ثابت ہوگی۔ اگر فرصت ملی تو ارادہ ہے کہ کتاب التفہیم کے وہ مقامات، جو تاریخی اہمیت رکھتے ہیں، کسی وقت ضرور شائع کرادونگا۔ انشاء اللہ۔

باب ۱۲ قانون مسعودی ۶ نسخے - (۱) بوڈلین لائبریری اکسفورڈ -

(۲) برلن لائبریری

(۳) برٹش میوزیم (۴) امپیریل لائبریری کلکتہ

(۵) لٹن لائبریری مدرستہ العلوم علی گڑھ

(۶) ملا فیروز لائبریری بمبئی -

بوڈلین کا نسخہ سب سے پرانا نسخہ ہے اور اس کی کتابت کا زمانہ ۴۷۵ھ ہجری یعنی بیرونی کی وفات سے ۳۵ سال بعد کا ہے۔ اس نسخے کے کچھ اجزا کے فوٹو مدرستہ العلوم کی لائبریری کے واسطے منگائے گئے ہیں کتاب کا ابتدائی حصہ مفقود ہے اُس موقع پر جہاں قانون کا آخر مقالہ ختم ہوتا ہے کاتب نے لکھا ہے کہ میں مصنف کے اصل نسخہ سے فلاں تاریخ کو مقابلہ کر کے فارغ ہوا۔ یہ نسخہ نہایت بیش بہا چیز ہے اور قانون مسعودی کی تصحیح اور اشاعت میں اس سے بہت کچھ مدد ملیگی -

برٹش میوزیم کے نسخے کی تاریخ ۵۷۰ھ ہجری ہے اور یہ بوڈلین کے نسخے سے تقریباً سو سال بعد کا ہے۔ مدرستہ العلوم کی لائبریری میں اس وقت دو نسخے ہیں - پہلا کچھ زیادہ پرانا نہیں ہے اور صحت وغیرہ کی حالت بہت ناقابل اطمینان ہے۔ تقطیع ۱۲+۸ انچ سے کچھ زیادہ ہے اور تقریباً ساڑھے چھ سو صفحے ہیں -

دوسرا نسخہ[1] ایک بے نظیر نسخہ ہے جس کی صحت زیادہ لائق اعتماد ہے۔ اس کی تقطیع پہلے نسخے سے چھوٹی اور خط گنجان اور باریک ہے، جیسا کہ بالعموم پانچویں صدی میں ممالک مشرق میں رائج تھا۔ کل اوراق کی تعداد ۲۳۹ ہے۔ اوراق ۹۱ - ۹۸ - اور ۱۲۱ - ۱۳۱ کسی قدر بعد

---

[1] یہ نسخہ دراصل کلکتہ کی امپیریل لائبریری کی ملکیت ہے لیکن فی الحال مدرستہ العلوم کی لائبریری میں موجود ہے اور جس وقت تک ضرورت سمجھی جائے گی یہیں رہیگا - ۱۲

باب ۶

کے لکھے ہوئے ہیں۔

نسخۂ ہذا کے خاتمے پر عبارتِ ذیل مرقوم ہے۔

"تمت المقالة الحادية عشر من قانون المسعودی و
تم بتمامها الکتاب و الحمد للّٰہ رب العالمین و الصلوٰۃ
علی محمد و اٰلہ اجمعین و فرغ من تسویدہ ابو الفتح نصر
بن محمد بن ہبۃ اللّٰہ فی سلخ ربیع الآخر سنہ اثنتی و
ستین و خمس مأتہ و الموافق بروزا بان من ماہ اسفندار
من سنۃ ست خمسین و خمس مأتہ حامدا للّٰہ سبحانہ
تعالیٰ و مصلیا علی نبیہ محمد و اٰلہ"

اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب ہذا کو ابو الفتح نصر بن ہبۃ اللّٰہ نے ربیع الآخر ۵۶۲ ہجری میں لکھا تھا۔ اس طرح پر یہ نسخہ بیرونی کی وفات سے سوا سو بعد کا لکھا ہوا ہے۔ علاوہ بریں کتابِ ہذا کے صفحۂ اوّلیں کی طرف سادہ پر خوشخط خط نسخ میں مُطلّا طغریٰ[۱] کے نیچے مرقومۂ ذیل عبارت تحریر ہے۔

"من عواری الزمان دخل فی نوبہ العبد الجانی افقر
خلق اللّٰہ تعالیٰ و احوجہم الیہ اوحد بن اسعد بن بہرام
المستوفی البیہقی ختم اللّٰہ لہ بالخیر و الحسنیٰ و یسر
امالہ فی الاولیٰ و الاخریٰ بحق اصوب بینہم استخرج من
کنان کنانہ و ابہی تاج توج بہامۃ تہامہ فی شہر شعبان

[۱] یہ نہایت عمدہ طغریٰ ہے اور اس میں "کتاب المسعودی" لکھا ہوا ہے۔ ۱۲

المعظم من شہور سنہ ثمان عشرہ وثمان مائۃ من الہجرۃ

النبویہ المصطفویہ والحمد للہ اوّل وآخرہٗ

یہ عبارت ظاہر کرتی ہے کہ ۸۱۸ھ ہجری میں یہ نسخہ ایک صاحب واحد بن اسعد بہرام البیہقی کے پاس پہنچا۔ دو مہریں بھی اسی جانب لگی ہوئی ہیں جن میں "فاضل خاں بندہ شاہجہاں" لکھا ہے اس کے علاوہ دو چھوٹی مہروں کے نشان اور مختلف خطوں میں کچھ عبارتوں کے علامات بھی ہیں جو اس بری طرح مٹ گئی ہیں کہ پڑھی نہیں جا سکتیں۔ قانون مسعودی ہیئت میں بے نظیر تالیف ہے اہلِ عرب نے اس فن میں جو حیرت انگیز ترقی کی تھی اُس کا غالباً بہترین ثبوت اس کتاب کو سمجھنا چاہیئے۔ کہا جاتا ہے کہ اس میں بعض ایسے مسائل پائے گئے ہیں جن کا انکشاف سترھویں صدی میں اہلِ یورپ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے[۱]۔

ڈاکٹر جوزف ہارووٹس صاحب جو عربی کے مشہور جرمن اسکالر جنگ سے پیشتر مدرستہ العلوم علی گڑھ کے عربی زبان کے پروفیسر تھے قانون مسعودی کی اشاعت کا اہتمام کر رہے تھے۔ پروفیسر موصوف کے کالج سے علیٰحدہ ہو جانے کے بعد بھی کچھ کام ہوا لیکن جاری نہ رہا اور عرصہ سے بند ہے۔ اب دیکھیئے کب تک اہلِ علم کو اس کتاب کی اشاعت کا انتظار کرنا پڑے۔

---

[۱] دیکھو کامریڈ مورخہ ۱۷ رمئی ۱۹۱۳ء ص ۴۱۱

باب ۵

باب (۵)

کتاب آثار الباقیہ پر تبصرہ

جب ہم بیرونی کی تالیفات کے تذکرے میں مصروف تھے، تو معلوم ہوتا تھا کہ گویا ہماری متخیلہ نے ہمیں کسی پرانے بیت الحکمت کے کتب خانے میں لا کھڑا کیا ہے، جہاں ہر کتاب کا نام ہمیں چونکا دینے والا ثابت ہوتا ہے اور بے ساختہ دل چاہتا ہے کہ ان دل فریب کتابوں میں سے ایک ایک کو نکال کر گرد و غبار سے پاک و صاف کیا جائے اور روزِ روشن میں ایک ایک ورق لوٹ کر دیکھا جائے کہ لکھنے والے نے ان میں کیا لکھا ہے، لیکن دستِ تمنا دراز ہو کر جس کتاب پر پڑتا ہے وہ خاک ہو کر ہاتھ میں رہ جاتی ہے اور آرزومند دل کو کفِ افسوس ملنے کے سوا کوئی چارہ نظر نہیں آتا۔

اللہ رے گردشِ زمانہ! بیرونی کی ساری عمر کی جمع کی ہوئی دولت کا دسواں حصہ بھی باقی نہ رہ سکا۔ کیا اس کی ہفتاد سالہ جد و جہد کا یہی انجام ہونا چاہیئے تھا کہ حرفِ غلط کی طرح دنیا سے اس کا نام مٹانے کی کوشش کی جاتی۔ کیا وہ رات دن اپنی دھن میں مٹجانے والا ایک آن کے لیئے بھی یہ سوچتا تھا کہ ابنائے دہر کی ناقدرشناسی سے اس کے ثبت کیئے ہوئے نقوش پر اس طرح پانی پھر جایگا۔ شہرزوری نے لکھا ہے کہ "بجز نوروز اور مہرجان کے دو دن کے سال بھر میں کسی وقت بیرونی کا ہاتھ قلم سے، اس کی آنکھیں دیکھنے سے اور اس کا دماغ تدبر و فکر سے جدا نہ ہوتا تھا۔" آخر یہ انہماک کس لیئے تھا؟ اے بیرونی رنگِ دہر سے تو

باش ناواقف نہ تھا۔ آثار عتیقہ کی جستجو کے وقت تو نے سب سے پہلا سبق یہی لیا ہوگا کہ تیرے قایم کئے ہوئے آثار دست بُرد زمانہ سے محفوظ نہ رہ سکیں گے اور ایک زمانہ آئیگا جب قدامت پرستوں کا گروہ تیرے باقی ماندہ آثار کو سمیٹنے کے لیئے سارے زمانے کی خاک چھانتا پھریگا۔

اگر متلاشیانِ آثار عتیقہ کی کوششیں کبھی شکر گزاری کی مستحق ہو سکتی ہیں، تو بلاشبہ جرمن مستشرق ایڈورڈ سخاو کا ہمیں احسان مند ہونا چاہیئے کہ اُس نے مدّتوں کی تلاش اور برسوں کی دماغ سوزی کے بعد بیرونی کی دو معرکۃ الآرا تصانیف آثار الباقیہ اور کتاب الہند کو اس اہتمام کے ساتھ شائع کرا دیا ہے اور اُن کے انگریزی اور جرمن ترجمے بھی طبع کرائے ہیں، تاکہ وہ لوگ جو اصل تصانیف کو نہیں پڑھ سکتے، ترجموں ہی کے ذریعہ سے بیرونی سے تعارف حاصل کر لیں۔ چونکہ یہ دونوں کتابیں ہر شخص کو دستیاب ہو سکتی ہیں اور ہم بھی اُن کے متعلق پوری معلومات رکھتے ہیں، غالباً یہ نامناسب نہ ہوگا کہ یہاں ان کتابوں پر تبصرہ کر دیا جائے تاکہ ناظرین اپنے مطالعہ سے پہلے اُن کی قدر و قیمت کا اندازہ کر سکیں۔

کتاب آثار الباقیہ، بیرونی کے قیام جرجان کی یادگار ہے۔ اس بیش بہا کتاب کا پورا نام "الآثار الباقیہ عن القرون الخالیہ" ہے جیسا کہ نام سے ظاہر ہے: اس میں زمنۂ گزشتہ کے علمی آثار سے بحث کی گئی ہے۔ دیباچے میں کتاب کے مضامین اور طریق تحقیق کو بتایا گیا ہے چونکہ یہ مقام کئی لحاظ سے اہمیتِ خاص رکھتا ہے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اُسے بجنسہ بیرونی کے الفاظ میں نقل کر دیا جائے۔

> "اما بعد ادبا میں سے ایک صاحب نے مختلف قوموں کی تواریخ (سنین) کی کیفیت اُن کے اُصول میں اختلاف کی وجہ، مجھ سے دریافت کی، یعنی تاریخیں کہاں سے شروع ہوتی ہیں، اور اُن کے حصے، یعنی سال اور مہینے جن پر وہ

مبنی ہیں کیا ہیں؛ علاوہ بریں وہ کیا اسباب تھے جن کی وجہ سے یہ اختلاف پیش آیا باب۳
نیز کون کون سے مشہور تیوہار اور میلے اور یادگار ایام مخصوص اوقات اور رسوم وغیرہ ہیں جو مختلف قوموں میں رائج ہیں، صاحب نے مجھ کو زور دے کر اصرار کیا کہ ان امور کی تشریح ایسی وضاحت کے ساتھ کردو کہ یہ باتیں پڑھنے والے کی بخوبی ذہن نشین ہو جائیں اور اسے متفرق کتابوں اور گزشتہ مصنفین کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہ رہے۔ مجھے معلوم تھا کہ یہ ایک نہایت دشوار اور مشکل الحصول کام ہے، بالخصوص اس شخص کے لیئے جو ان باتوں کو اس پیرایہ میں لکھنا چاہے کہ پڑھنے والے کے دل میں کسی قسم کا شک و شبہ نہ رہے۔ لیکن مولانا امیر سید الاجل منصور ولی النعم شمس المعالی ادام اللہ قدرتہ کی علو دولت کے طفیل میں مجھے محنت اور کوشش کرنے کی توفیق ہوئی اور میں نے اس پورے مبحث کو اپنی اُن معلومات کی مدد سے جو سماع، عیاں یا قیاس سے حاصل ہوئی تھیں تحریر کرنا چاہا . . . .

اِن مسائل کی بہترین تشریح کے لیئے گزشتہ قوموں کے اخبار و روایات جاننے کی ضرورت ہے، اس لیئے کہ اُن میں سے اکثر اُن کی باقی ماندہ دینی و دنیوی رسوم پر روشنی ڈالتے ہیں۔ یہ مقصد محض عقلی استدلال (استدلال بالمعقولات) یا مشاہدہ محسوسات پر قیاس کرنے سے حاصل نہیں ہوسکتا۔ بلکہ اہلِ کتب اور اصحاب الآرا اور اربابِ ملل کے متداول اور صحیح خیالات سے مطلع ہونے اور ان معلومات کی بنا پر بجاے خود غور کرنے سے یہ گوہر مقصود حاصل ہوسکتا ہے۔ اِس کے علاوہ اس بارے میں خود ان کے مختلف

باب

اقوال اور خیالات کا موازنہ ضروری ہے۔

لیکن سب سے پہلے واجب ہے کہ اپنے نفس کو ان عوارض اور اسباب سے خالی کر لیا جائے جو اکثر لوگوں کو سچائی کے دیکھنے سے اندھا کر دیتے ہیں مثلاً عادت مالوف، تعصب، جوش فتحمندی، خود غرضی، خیالِ مقصد برآری وغیرہ وغیرہ جس طریقے کا میں ذکر کر رہا ہوں یہی گوہرِ مقصود کے پانے اور شوائب شبہ و شکوک کے رفع کرنے کا بہترین طریقہ ہے۔ اس کے بغیر چاہے کتنے ہی سخت اعتنا اور کوشش کی جائے ناممکن ہے کہ یہ غرض پوری ہو جائے۔

لیکن اس کو میں مانتا ہوں کہ جو اصول اور طریقے ہم نے مقرر کیے ہیں اُن پر عمل پیرا ہونا سہل نہیں ہے، بلکہ بُعد اور صعوبت کی وجہ سے شُبہ ہوتا ہے کہ اُن تک پہنچنا ناممکن ہے۔ وجہ یہ ہے کہ تمام اخبار و روایات میں بکثرت جھوٹی باتیں داخل ہو گئی ہیں اور بظاہر ایہ باتیں ناممکنات سے بھی نہیں معلوم ہوتیں کہ انھیں آسانی سے پہچان کر نکال دیا جائے۔ بہرحال ہم نے روایات و اخبار کو ممکن الوقوع تصور کر لیا اور بطور صحیح روایات کو مان لیا ہے، بشرطیکہ دوسرے شواہد سے اُن کا بطلان نہ ہوتا ہو۔ اس لیے کہ ہم احوال طبیعی میں خود ایسی باتیں دیکھتے ہیں اور ہم سے پہلے بھی لوگوں نے بارہا ایسی باتیں دیکھی ہیں کہ اگر اُن کے مثل پچھلے زمانے کی کوئی روایت ہوتی تو ہم کہہ اُٹھتے کہ یہ تو ناممکن ہیں۔ اس کے سوا عمرِ انسانی ایک ہی قوم کے اخبار جاننے کے لیئے کافی نہیں ہو سکتی پس یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ بے شمار قوموں میں تمام قوموں کے پورے اخبار معلوم ہو جائیں۔ یہ قطعاً

ناممکن ہے۔

جب معاملات کی یہ کیفیت ٹھیری تو ہم پر واجب ہے کہ زیادہ قریب کی باتوں سے کم قریب کی باتیں اور زیادہ معلوم شدہ باتوں سے کم معلوم شدہ باتیں اخذ کریں اور جہاں تک ہو سکے انھیں صحیح کر دیں روایات کو ان لوگوں سے بہم پہنچائیں جن کا تعلق ان روایات سے ہے، جہاں تک ہو سکے ان کی اصلاح اور درستی کی کوشش کریں اور باقی کو اُن کے حال پر چھوڑ دیں، تاکہ ہمارے اس عمل سے طالب حق اور محب حکمت کو دوسرے مضامین کی تحقیقات اور اُن امور کے دریافت کرنے کا موقع ملے جو ہمیں معلوم نہیں ہو سکے۔ ہم نے خدا کی مدد سے اسی پر عمل کیا ہے۔"

تحقیق و تفحص کا جو طریقہ بیرونی نے بتایا ہے اُس پر عمل پیرا ہونے کی اُس نے ہمیشہ کوشش کی ہے اور اُس کی ہر تصنیف کے مطالعہ سے بخوبی ثابت ہو سکتا ہے کہ کس قدر کامیابی کے ساتھ وہ اُس پر کاربند ہوا ہے۔ ہمارے زمانے میں، جو مشاہدۂ تحقیق و تفحص کا زمانہ کہلاتا ہے، لوگوں کا عام طور پر یہ گمان ہے کہ متقدمین کا دارومدار محض "استدلال بالمعقولات" پر تھا، اور وہ اُصولِ مشاہدۂ و تدقیق سے قطعاً نابلد تھے۔ کہا جاتا ہے کہ سولھویں صدی کے اواخر میں لارڈ بیکن نے جدید فلسفۂ تحقیق کا سنگِ بنیاد رکھا اور اُس کے زمانے سے بتدریج لوگ تحقیقات علمی کی طرف متوجہ ہوئے۔ بیشک ہمیں ماننا پڑیگا کہ یورپ میں بیکن سے پہلے لوگوں میں اتنی استعداد نہ تھی کہ وہ اُن اُصول کا تصور کر سکتے یا اُن پر کاربند ہو سکتے، لیکن بیکن سے چھ سات سو برس پہلے مسلمان اتنی علمی ترقی کر چکے تھے کہ وہ ان اُصول سے واقف تھے اور اُن پر چلنے اور عمل کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔

باب آثار الباقیہ کے مضامین کی وسعت معلوم کرنے کے لیئے ہم ذیل میں اُس کے مباحث کا خلاصہ درج کرتے ہیں اور آگے چل کر چند دلچسپ اقتباسات بھی دینگے جن سے بیرونی کے اندازِ تحقیق کا حال معلوم ہو سکے گا۔

دیباچہ سبب تالیف اور کتاب کا طریق تحقیق

ب ۱۔ دن اور رات کی ماہیت، اُن کی مجموعی حیثیت اور آغاز و ابتدائے یوم کا ذکر۔ دن رات (الیوم بلیلہ) کی تعریف، مختلف قوموں میں ابتدائے روز غروب آفتاب طلوع آفتاب، دو پہر یا آدھی رات سے ہوتا ہے۔ کن کن قوموں میں کس وقت سے دن کا شروع سمجھا جاتا ہے۔ رات اور دن اور یوم الصوم (روزے کے دن) کا طول

ب ۲۔ سالوں اور مہینوں کا ذکر، پورے سال کی لمبائی، شمسی سال کا ذکر، قمری سال کا ذکر۔

ب ۳۔ تواریخ (سنین) کی ماہیت اور اس بارے میں قوموں کے اختلافات تاریخ (سنہ) کی تعریف اور تواریخ کے آغاز کے اسباب، وہ سنہ جو انسان کی پیدائش سے شروع ہوتا ہے۔ انسان کی پیدائش کے متعلق اہل فارس یہود، اور عیسائیوں کے خیالات۔ یہود اور عیسائیوں کی روایات کی علمی تنقید۔ تورات اور اناجیل کے مختلف نسخوں اور اُن میں اختلافات کا ذکر۔ طوفان نوح کی تاریخ کے متعلق بحث، جس میں طوفان کی تاریخ بروایات یہود عیسائی اور منجمین بیان کر کے سب کو قطعاً ناقابلِ اعتبار قرار دیا ہے اور دکھلایا ہے

کہ ان روایات کی بنا پر نہ طوفان کی حقیقت پر کچھ روشنی پڑ سکتی ہے اور نہ اُس کی تاریخ پر۔ باب

تواریخ بختنصر، فیلقس، اسکندر، قیصر اغسطس، انطونینس، دقلطیانوس، ہجرت یزدجرد، معتضد، اور تواریخ قدمائے عرب و قدمائے خوارزم کا تذکرہ۔

ب۳ - ذی القرنین کے متعلق مختلف اقوال و روایات۔

ب۴ - تواریخ مذکورہ میں کیا کیا مہینے استعمال ہوتے ہیں اور اُن مہینوں اور اُن کے دنوں کے کیا نام ہیں۔ فارسیوں، سغدیوں، خوارزمیوں، قدیم مصریوں، مغربیوں اور یونانیوں کے مہینوں کا ذکر۔ عبرانی تقویم اور مہینوں کے بارے میں طولانی اور دقیق بحث۔ ہلال کے طلوع کے متعلق یہود کے خیالات، اہلِ شام، قدمائے عرب، قدمائے مصر، اہلِ ثمود کے مہینوں اور دنوں کے عربی نام۔ ماہ رمضان کی مقدار اور المعتضد کے اصلاح شدہ تقویم کے مہینے۔ خلاصۂ جدول الشہور۔

ب۵ - ایک تاریخ کو دوسری تاریخ سے کیسے نکالا جائے۔ ملوک اور اُن کی مدت حکومت کے حالات باختلاف آرا۔ جدول اولاد حضرت آدمؑ به اختلاف یہود و نصاریٰ، تبصرہ و تنقید۔ جداول مدبّرین، ولاۃ، کاہنین، قضاۃ قبل و بعد عمارت بیت المقدس انسان کی مدتِ عمر کے متعلق منطقی بحث اور عجائب طبیعی کا ذکر، آشوری، بابلی، کالدی، قبطی، مقدونی رومی بادشاہوں کی تاریخی جدولیں، ملوک نصرانیہ قسطنطنیہ کی جدولیں

باب ۸ — اہلِ فارس کی تواریخ ملوک۔ پیشدادیوں، کیانیوں اور ساسانیوں کے متعلق متعدد جدولیں حسب اختلافِ روایات۔ مختلف تواریخ کا مقابلہ بذریعۂ حسابِ ایام۔ "حساب شطرنج" اور ایک تاریخ کا دوسری تاریخ سے برآمد کرنا۔

ب ۔ ادوار اور تقوفات¹ (یعنی سال کا وہ مقام جہاں سے آغاز سال شمار کیا جاتا ہے) ۔ موالید سنین و شہور، اُن کی کیفیتوں اور یہودی اور دیگر سنین کے کبائس² کا ذکر سیاروں، کواکب سبعہ اور بروج کے نام عربی، رومی، فارسی، سریانی، عبرانی، ہندی، خوارزمی زبانوں میں۔ کس طرح کسی تاریخ کے آغاز کا پتہ لگایا جاتا ہے۔

یہ باب آثار کا نہایت دشوار باب ہے۔

ب ۔ مدعیانِ نبوت اور اُن کی اُمتوں کی تاریخیں۔ بُدھ، مانی، مزدک بن ہمداد، مسیلمہ، بہافرید بن ماہ فروذین، ہاشم بن حکیم المعروف بابن المقنع، حسین بن منصور حلاج، ابن ابی زکریا الطامی اور ابن ابی العزاقر³ کے حالات۔

افسوس ہے کہ یہ قیمتی باب موجودہ نسخوں میں ناکمل ہے۔ زردشت کے حالات اس میں نہیں پائے جاتے اور ابن ابی العزاقر کے حال میں صرف ایک دو فقرے باقی رہ گئے ہیں۔ اگلے یعنی نویں باب کے ابتدائی مضامین نہیں ہیں اور اس طرح پر یہ باب بھی غیر مکمل ہے۔ اس سے

---

¹ انگریزی میں (Year point) کہتے ہیں ² انگریزی میں (Leap years) کہتے ہیں۔

³ ابن ابی العزاقر اور اس کے پیرو: ابراہیم بن محمد بن احمد بن ابی عون ابن ہلال ابی النجم الکاتب ابو اسحاق صاحب کتاب التشبیہات کا مفصل حال یاقوت نے دیا ہے۔ دیکھو ارشاد الادیب مطبوعۂ گب میموریل ج ۱ ص ۲۹۶۔ ص ۲۰۷

ظاہر ہوتا ہے کہ بیچ کے اوراق گم ہو گئے اور نقل کرنے والوں نے مجبوراً جتنا موجود تھا بہ تمام باث وکمال نقل کر لیا۔

ب۹ - اہلِ فارس کے عید تیوہاروں کا ذکر۔

ب۱۰ - اہلِ سغد کی عیدوں وغیرہ کا ذکر۔ منازلِ قمر کی جدول بلغت سغد و خوارزم۔

ب۱۱ - اہلِ خوارزم کی عیدوں کا ذکر۔

ب۱۲ - خوارزم شاہ کی تقویم خوارزم کی اصلاح کا ذکر۔

ب۱۳ - تقویم یونانی کے ایام کا تذکرہ، جیسا کہ یونانی اور دوسری قوموں کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے۔

ب۱۴ - یہود کے مشہور دنوں اور عیدوں کا بیان۔

ب۱۵ - سریانی مہینوں کے مشہور عیدوں، تیوہاروں کا ذکر جو عیسائیوں کے فرقہ ملکیہ میں رائج ہیں۔

ب۱۶ - عیسائیوں کے ان روزوں، عید تیوہاروں وغیرہ کا ذکر جن کے متعلق تمام عیسائی فرقے اتفاق رکھتے ہیں۔

ب۱۷ - نصاریٰ نسطوریہ کی عیدوں، روزوں اور دوسرے مشہور دنوں کا ذکر۔

ب۱۸ - قدیم مجوسیوں کی عیدوں اور صابئین کے روزوں اور عیدوں کا بیان۔

ب۱۹ - عربوں کی ان عیدوں کا ذکر جو ایام جاہلیت میں رائج

باب ۱۹ تیس فصلوں (یعنی موسموں) کی جدول باختلاف آراء۔

باب ۲۰ ۔ مسلمانوں کی عیدوں اور مشہور ایّام کا ذکر۔

باب ۲۱ ۔ منازلِ قمر طلوع و غروب اور چاند کی مختلف صورتوں کا ذکر

اسی باب میں مختلف موسمی ہواؤں، اُن کی تعداد اور اختلاف سے بحث کی گئی ہے اور منازلِ قمر کے احوال کی جدول دی ہے اور اُن ۸۴ کو اکب کے مقامات کی فہرست بیان کی ہے جہاں سے ہو کر چاند گزرتا ہے۔ اخیر میں تسطیح اور ستاروں کے نقشے بنانے کا حال بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس بارے میں اس وقت تک کوئی کتاب موجود نہ تھی۔

غرض یہ فہرست ہے بیرونی کی آثار الباقیہ کے مضامین کی۔ لیکن محض اس فہرست کے اوپر سرسری نظر ڈال لینے سے کتاب کی خوبیوں کا پورا اندازہ ہونا دشوار ہے۔ اس کتاب کو دیکھ کر ایک مُبصّر کو حیرت ہوتی ہے کہ سوا نو سو سال پہلے کس طرح کوئی مُصنّف ایسے عالمانہ اور محققانہ طور پر اس پایہ کی تصنیف لکھ سکتا تھا۔ کسی مضمون کے متعلّق تمام روایات کو جمع کرنا، تنقیدی نظر سے اس کے ہر پہلو کو جانچنا، ہر ایک کی صحت و عدم صحت کی پوری تحقیقات کے بعد صحیح فیصلہ صادر کرنا بیرونی کے آثار کے ایسے عام خصایص ہیں جو اُس کی ہر تصنیف کو دیگر تصانیف سے ممتاز کرتے ہیں۔ جا بجا ریاضی و حساب کی مدد سے معاملات کو پرکھا ہے اور موشگافی کے عجیب عجیب طریقوں سے کام لیا ہے۔

اِس میں شبہ نہیں کہ اس ایک کتاب کی تالیف کی غرض سے بیرونی کو بے شمار کتابیں دیکھنی پڑی ہونگی، لیکن جو باتیں بیرونی نے آثار میں جمع کی ہیں اُن کے تفحص کے لیئے محض کتابوں سے کام نہیں چل سکتا تھا۔ جا بجا ہم دیکھتے ہیں کہ آثار کے مصنف نے اپنی ذاتی معلومات سے بہت سے

نئے اُمور جمع کئے ہیں مثال کے طور پر اہلِ فارس اہلِ خوارزم اور اہلِ سغد کو لیجئے، جن کے قومی اور مذہبی قوانین مراسم اور عقائد کے متعلق آثار میں بیش بہا معلومات جمع کی گئی ہیں۔ بیرونی کے زمانے میں مجمیوں کے متعلق اسلامی علم ادب میں کافی تالیفات موجود تھیں، لیکن کتاب کے دیکھنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اکثر مسالہ خود بیرونی کا جمع کیا ہوا ہے۔ ایران و خوارزم میں اُس وقت تک مجوسی کافی تعداد میں موجود تھے۔ یہ لوگ اکثر دیہات میں رہتے اور دہقان کہلاتے تھے۔ اِن کا ملکی اقتدار تو مدتوں سے جا چکا تھا لیکن اب اُن میں علمیت بھی مفقود تھی۔ مذہب اور رسم و رواج کی محض کورانہ تقلید کرتے تھے اور اُن سے کسی معاملے کی حقیقت جاننے کی اُمید کرنا فضول تھا۔ بیرونی کی محققانہ کوششوں کا شکر گزار ہونا چاہیئے کہ اس کی بدولت ہمیں آج سے ہزار سال پیشتر کی بابت ایک ایسے فرقے کے مستند حالات معلوم ہو سکتے ہیں جن کا نام و نشان بہت جلد اُن ملکوں سے ہمیشہ کے لیے مٹنے والا تھا۔ بیرونی نے آتش پرستوں کی نہایت عمدہ تقویم، عید نوروز اور تیوہاروں کی کیفیت آثار میں تحریر کی ہے جو فی زمانناً نہایت قابلِ قدر چیز ہے۔

کچھ مجوسیوں ہی پر موقوف نہیں ہے، یہودی تقویم کے متعلق بھی ایسی ہی مکمل معلومات کا ذخیرہ آثار میں موجود ہے۔ نسطوری و دیگر عیسائی فرقوں کے متعلق بھی جو کچھ لکھا ہے، قابلِ قدر ہے۔ خوارزمی، یونانی اور اسلامی تقویموں پر محققانہ ابواب لکھے ہیں۔ شاہانِ قدیم کی فہرستیں بڑی جاں فشانی سے جمع کی ہیں۔ غرض جس پہلو سے دیکھئے ایک بے نظیر دماغ کی کاوشوں کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔

اگر چاہیں تو عام دلچسپی کے مقامات بھی "آثار" میں سے کثیر تعداد میں جمع ہو سکتے ہیں لیکن بہ نظرِ اختصار یہاں پر صرف چند غور طلب اقتباسات درج کیے جاتے ہیں، جن سے بیرونی

ث کی ذہنی حالت پر گہری روشنی پڑتی ہے۔

فی زماننا "قدامتِ انسان" کا مسئلہ دنیائے علم کا ایک مسلم مسئلہ ہے۔ اور حکمائے جدید نسلِ انسان کے آغاز کو اب سے لاکھوں برس پہلے ثابت کرتے ہیں۔ لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ ہمارے زمانے میں اس قسم کے خیالات کی ابتدا ہوئے سو برس بھی نہیں گزرے۔ چند سال پیشتر تک علمائے مغرب عام طور پر پیدائش انسان کو مسیح کی ولادت سے صرف چار ہزار چار سال پہلے تصور کرتے تھے اور اس وقت بھی بے شمار لوگ ایسے موجود ہونگے جو کتب مقدسہ (یعنی اناجیل و تورات) کی بنا پر اس تاریخ کو ناقابل تردید تصور کرتے ہونگے۔ آج سے ہزار سال پہلے مسلمانوں میں بھی (ہمارے زمانے کے مسلمانوں کی طرح) یہود و نصاریٰ اور مجوسیوں کے عقائد اور تاریخی روایتیں نہایت کثیر تعداد میں مسلّم تھیں اور منجملہ دیگر امور کے نسل انسان کے آغاز کو صرف چند ہزار برس پہلے مانا جاتا تھا۔ لیکن بیرونی نے اس بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ موجودہ زمانۂ تحقیق میں خاص دلچسپی سے پڑھا جائیگا۔

"امور قدیمی میں سب سے زیادہ مشہور بات انسان کا عالم وجود میں آنا ہے لیکن اہلِ کتاب یعنی یہود و نصاریٰ اور مجوس وغیرہ میں اس کی کیفیت اور ابتدا کے متعلق ایسا اختلاف ہے کہ تواریخ میں اس قسم کے اختلاف کو کبھی روا نہیں رکھ سکتے ابتدائے خلق اور قرون سابقہ کے علم کے متعلق جتنی باتیں ہیں وہ بُعدِ وقت اور امتداد زمانہ کے باعث غلط امور سے بھری ہوئی ہیں اور محتاط سے محتاط شخص بھی اس عہد کے امور کے حفظ اور ضبط سے عاجز ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے الم یاتھم نبأ الذین من قبلھم لا یعلمھم الا اللہ یعنی کیا ان لوگوں کے پاس اُن لوگوں کی جو ان سے پہلے ہوئے ہیں کہانیاں

نہیں ہیں کہ سوائے خدا کے انھیں کوئی نہیں جانتا۔ لہذا اولیٰ یہی ہو کہ ایسے امور میں کسی قول کو قبول نہ کیا جائے تا وقتیکہ اُس کی صحت کتاب معتمد یا خبر صحیح سے جس کی تصدیق شرائطِ ثقہ اور ظنِ اغلب سے ہوتی ہو، نہ ہو جائے۔"

(آثار ص ۱۳-۱۴)

آگے چل کر یہود کی تاریخی روایات کی ناقابلِ اعتماد حالت نہایت شرح و بسط کے ساتھ دکھا کر بیرونی لکھتا ہو۔

"یہ کچھ تعجب کی بات نہیں ہو کہ ایسا اختلاف ایک ایسی قوم کی روایات میں پایا جاتا ہو جو کئی مرتبہ قید اور جنگ کی مصیبتیں اُٹھا چکی ہو۔ اقرب و اولیٰ قیاس یہی ہو کہ بنی اسرائیل دوسرے معاملات میں پھنس گئے اور اپنی تاریخی روایات کو برقرار نہ رکھ سکے خصوصاً ایسی مصیبت کی حالت میں "جب ہر ایک عورت جو اپنے بچے کو دودھ پلاتی تھی اپنے بچے کو بھول گئی اور حاملہ عورتوں کے حمل گر گئے" (سورہ ۲۲- آیت ۲) اس کے علاوہ حکومت اور ریاست ایک قبیلے میں نہیں رہی تیسرے حکومت اور ریاست ایک قبیلے سے دوسرے قبیلے کو ایسی ترتیب کے ساتھ نہیں پہنچی کہ اُن کے حکمرانوں کی تاریخیں صحیح طور پر محفوظ رہ سکتیں الخ (آثار ص ۸۲)

جو لوگ عہد عتیق کے متعلق موجودہ تنقیدِ تاریخی سے آگاہ ہیں وہ بلاشبہ بیرونی کی ژرف نگاہی کی داد دینگے۔

چوتھے باب میں بیرونی نے ذی القرنین کے متعلق مختلف روایات بیان کی ہیں۔ اُس کے بعد لکھتا ہو۔

باب ۵ "عمر بن الخطابؓ نے جس وقت لوگوں کو ذوالقرنین کی بابت بحث کرتے دیکھا تو کہا "کیا تمہارے لیئے یہ کافی نہ تھا کہ انسانوں کے حالات میں غور کرتے کہ تم دوسری بحث میں پڑ گئے اولا انسانوں سے گزر کر) فرشتوں کے حدود میں جا داخل ہوئے" (آثار ص ۴۰-۴۱)

عجیب و غریب اور فوق العقل روایات کو اس طرح مسترد کرنے کے بعد بیرونی نے بعض لوگوں کی اس رائے کی تائید کی ہے کہ ذوالقرنین یمن کے قدیم بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کا نام ہے اور ثبوت میں یہ دلیلیں پیش کی ہیں کہ یمن کے قدیم بادشاہوں کے اکثر نام لفظ "ذو" سے شروع ہوتے ہیں مثلاً ذوالمنار، ذوالاذار وغیرہ اور نیز یمن کی بعض روایات ذوالقرنین کی حکایات سے ملتی جلتی ہیں۔ آگے چلکر سدِ سکندری کے متعلق جو روایات مشہور ہیں اُن کی عدم صحت کو ظاہر کیا ہے۔ الغرض یہ باب غور سے مطالعہ کرنے کے قابل ہے۔

اسی طرح اور بہت موقعوں پر مافوق الفطرۃ اور ناممکن الوقوع اُمور کی محققانہ تردید کی ہے۔ مثلاً ذیل میں کس ظرافت اور لطف کے ساتھ اس قسم کے بیانات کا خاکہ اُڑایا ہے۔

"کعب الاحبار نے بیان کیا ہے کہ تاریخ ۱۷-کانون یوشع بن نون کے لیئے ایک روز جب کہ آسمان پر بادل گھرا ہوا تھا، سورج پورے تین گھنٹے حرکت سے رُکا رہا۔ اسی طرح شیعوں میں جہلا امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے بارے میں ایک روایت بیان کرتے ہیں۔ اب اگر سوال کیا جائے کہ یہ حکایات صحیح ہیں یا غلط تو ہم یہ کہینگے کہ جن پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے اُنھیں گھڑیاں بہت لمبی معلوم ہوتی ہیں اور خیال ہوتا ہے کہ رہائی کا وقت نہایت آہستہ آہستہ آتا ہے۔ مثلاً علی بن الجہم نے جب وہ غزوۃ الروم میں

گیا تھا ایک رات جس وقت زخموں اور تکان سے چور چور تھا کہا تھا ؎ باب ۵

اَسَالَ بِالصُّبحِ سَیلٌ — اَم زِیدَ فِی اللَّیلِ لَیلُ

یعنی کیا کوئی سیلاب صبح کو بہا لے گیا — یا کوئی دوسری رات اس رات میں ملا دی گئی

بعد میں جس وقت رہا ہوا تو اس واقعہ کے متعلق برابر اُس کے دماغ میں اوہام باطلہ موجود رہے۔

ایسا ہی واقعہ کہا ہے گا ہے رمضان میں پیش آجاتا ہے جب دن کے آخیر حصّے میں بادل اور اندھیرا ہوتا ہے۔ لوگ روزہ کھول ڈالتے ہیں اور تھوڑی دیر بعد جب مطلع تھوڑا بہت کھلتا ہے تو سورج آسمان پر چمکتا ہوا نظر آتا ہے۔"
(آثار صفحہ ۲۴۸ - ۲۴۹)

بیرونی دنیا کے اُن حکما میں سے ہے جو قوانین قدرت کے استحکام اور یکرنگی پر مضبوط اعتقاد رکھتے ہیں۔ غیر واقعی اور ناممکن الوقوع اُمور اُس کی نظر میں کبھی قابل قبول ثابت نہیں ہوتے۔ چنانچہ ایک جگہ لکھتا ہے۔

"۵ و ۶ کانون (دسمبر) لوگ کہتے ہیں کہ ۶ تاریخ کو ایک وقت ہوتا ہے جب کھاری پانی تمام صفحۂ زمین پر میٹھا ہو جاتا ہے۔ پانی کی تمام خاصیتیں اُس زمین پر منحصر ہوتی ہیں جہاں سے اُس کا گزر ہوتا ہے یا جہاں وہ ٹھہرتا یا بہتا ہے۔ یہ خاصیتیں غیر متغیر ہیں اور اُس وقت تک نہیں بدلتیں جب تک کوئی اور باعث حائل نہ ہو جائے۔ لہذا یہ قول کہ اُس وقت یہ پانی میٹھا ہو جاتا ہے بالکل بے بنیاد ہے۔ متواتر تجربہ و مشاہدہ سے اس کلام کی بے بنیادی کا پردہ فاش ہو جائیگا اس لیئے کہ اگر پانی میٹھا ہے تو کچھ مدت تک میٹھا رہیگا۔ ہاں اگر

باٹ

اُس وقت یا کبھی کھاری پانی کے کنوئیں میں چند سیر موم ڈال دو تو ممکن ہو کہ اُس کا کھار کچھ کم ہو جائیگا۔ اصحاب التجارب (اہل تجربہ) نے بیان کیا ہو کہ اگر تم ایک ہلکی سی شمع موم کی بناکر سمندر کے پانی میں اس طرح رکھ دو کہ اُس کا مُنہ (سطح آب سے) اوپر رہے تو برتن میں جو پانی ہوگا وہ میٹھا ہو جائیگا۔ اگر تمام کھاری پانی میں اتنا میٹھا پانی مِل جائے کہ کھار جاتا رہے تب ایسا وقوع میں آسکتا ہو۔ اِس کی مثال تینس نامی جھیل سے ظاہر ہوتی ہو اُس کا پانی خریف اور موسم سرما میں میٹھا ہوتا ہو لیکن اور موسموں میں کھاری ہو جاتا ہو اس لئے کہ دریائے نیل کا پانی اُس میں بہت کم داخل ہو سکتا ہو۔" (آثار ص ۲۵)

لیکن جہاں قوانین قدرت کی مضبوطی کا پورے طور پر معتقد ہو وہاں اس کی نگار رنگ کیفیتوں اور پیچیدہ ولاینحل حالتوں کا خیال بھی اس کے دماغ میں موجود رہتا ہو۔ وہ بخوبی جانتا ہو کہ موجودات میں اکثر اوقات ایسی طبیعی کیفیتیں ظہور پذیر ہوتی ہیں جو بادی النظر میں ممکنات سے خارج معلوم ہوتی ہیں اور جن کے اسباب و علل کے معلوم کرنے سے اکثر انسانی عقل عاجز رہ جاتی ہو۔

عجائب طبیعی کے حقایق پر غور کرنا، اور اسباب و علل کا نکالنا ایک ایسا کام ہو جس کی انجام دہی کے لیئے بڑی ژرف نگاہی اور موشگافی درکار ہو عجائب طبیعی پر بیرونی جس تعمق کے ساتھ نگاہ ڈالتا اور اُن کے قدرتی اسباب و علل کو نکالنے کی کوشش کرتا ہو اُسے دیکھ کر ہمیں حیرت ہوتی ہو اور بمشکل یقین آتا ہو کہ اس کامیابی کے ساتھ بعض متقدمین حکمائے اسلام مسائل طبیعی کے حل کرنے کی استعداد رکھتے تھے۔ ایک جگہ بیرونی نے دریاؤں اور پانی کے چشموں وغیرہ سے بحث کی ہو، جہاں قدرتی اسباب اور طبیعی وجوہ کا کھوج لگایا ہو۔ یہ ایک دلچسپ بحث ہو اور جو لوگ مسائل طبیعیات سے لگاؤ رکھتے ہیں وہ خاص کر اس طویل بحث کو غور اور شوق کے ساتھ مطالعہ کرینگے۔

"۲۸۔ نیسان۔ مصر میں تیز ہوا، اودکسس میں بارش، سنان نے اپنے تجارب کی بنا پر اس تاریخ میں مینھ برسنے کا ذکر کیا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اس روز جنوبی ہوا چلتی ہے اور دریا اور چشمے چڑھنے شروع ہوتے ہیں۔ دریاؤں کا اس زمانے میں چڑھنا تمام دریاؤں کے حق میں درست نہیں ہے۔ بلکہ اس لحاظ سے دریاؤں کی کیفیت میں بڑا اختلاف ہے۔ مثلاً جیحون اُس وقت چڑھتا ہے جب فرات و دجلہ میں بہت کم پانی ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اُن دریاؤں میں جن کے مخرج سرد ملکوں میں واقع ہیں گرمی میں جاڑے سے زیادہ پانی ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر دریاؤں کا اصلی پانی چشموں سے آتا ہے اور چشموں کے پانی کی کمی زیادتی منحصر ہے اس نمی پر جو پہاڑوں پر، جہاں سے دریا نکلتے یا ہو کر گزرتے ہیں گرتی ہے۔ چشموں میں جب پانی زیادہ ہوتا ہے تو دریا میں بھی سیلاب آتا ہے۔ باب۳

یہ ہر شخص جانتا ہے کہ موسم سرما اور اوائل ربیع میں بہ نسبت کسی دوسری موسم کے بخارات زیادہ گرتے ہیں۔ شمالی ملکوں میں جہاں سردی کی شدت ہے، برف خوب جم جاتا ہے۔ لیکن جب ہوا گرم ہونے لگتی ہے اور برف پگھلتا ہے تو جیحون بھی چڑھتا ہے۔ رہے فرات و دجلہ، اُن کے مخارج زیادہ شمال میں نہیں ہیں۔ اسی وجہ سے موسم سرما اور ربیع میں اُنمیں سیلاب آتا ہے اس لیئے کہ جو بخارات نازل ہوتے ہیں وہ فوراً دریا میں آجاتے ہیں اور ربیع کے شروع میں پانی کا وہ حصہ جو منجمد ہوتا ہے اس طرح پر دریا میں بہہ آتا ہے۔

دریائے نیل کو لیجئے۔ جب فرات و دجلہ نہایت پایاب ہوتے ہیں تو اُس میں طغیانی ہوتی ہے اس لیئے کہ اس دریا کا مخرج جبل القمر میں بیان کیا جاتا ہے جو ملک حبش

باب میں شہر اسوان کے بہت جنوب میں واقع ہی۔ یہ مخرج یا تو بالکل خطِ استوا پر واقع ہی یا اُس سے کچھ جنوب کی طرف ہٹا ہوا ہی۔ یہ امر ہنوز مشتبہ ہی اس لیے کہ خط استوا کے حوالی جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہی غیر مسکون ہیں۔ ظاہر ہی کہ وہاں برف کا منجمد ہونا دشوار ہی لہٰذا اگر دریاے نیل کی طغیانی کا باعث بخارات کا گرنا ہی تو ظاہر ہی کہ یہ پانی جہاں گرتا ہی وہاں نہیں ٹھہرتا بلکہ سیدھا نیل میں آجاتا ہی۔ لیکن اگر طغیانی کا باعث چشمے ہیں تو ان چشموں میں ربیع میں پانی زیادہ ہو جاتا ہی لہٰذا نیل موسم گرما میں چڑھتا ہی جس کی وجہ یہ ہی کہ جس وقت سورج ہم سے نہایت قریب اور ہمارے سر کے اوپر ہوتا ہی (یعنی موسم گرما میں) تو وہ اُن مواضع سے جہاں سے نیل نکلتا ہی بہت دور ہوتا ہی۔ لہٰذا وہاں اُس وقت سردی ہوتی ہی (اور اس وجہ سے نمی جمع ہوتی ہی)

اب سوال یہ ہی کہ موسم سرما میں پانی اس قدر کثرت سے کیوں پیدا ہوتا ہی۔ حقیقت الامر یہ ہی کہ حکیم عزوجل نے پہاڑوں کے پیدا کرنے میں بہت سے منافع رکھے ہیں۔ بعض کا بیان ثابت بن قرہ نے اپنی کتاب میں لکھا ہی، جہاں پہاڑوں کے پیدا کرنے میں خدا کی حکمت کا ذکر کیا ہی۔ اُس میں بھی ایسی ہی غرض ہی جیسی خدا نے سمندر کے پانی کو کھاری بنانے میں رکھی ہی۔

ظاہر ہی کہ پہاڑوں میں گرمی سے زیادہ سردی میں نمی گرتی ہی اور بمقابلہ میدانوں کے زیادہ گرتی ہی۔ جب نمی گرتی ہی تو اُس کا کچھ حصہ دریاؤں میں بہ آتا ہی کچھ حصہ نالوں اور پہاڑی گڈھوں میں گر کر جمع ہو جاتا ہی۔ بعد میں یہ جوف اور عیون (چشموں) میں ہو کر بہتا ہی۔ چونکہ موسم سرما میں وہ چیز جن سے چشموں کا

حجم بڑھتا ہے (یعنی نمی) زیادہ پیدا ہوتی ہے لہذا اس موسم میں پانی کی بھی کثرت ہوتی ہے۔ اب اگر جوف (پہاڑوں کی چٹانوں کے شگاف جن میں پانی موجود ہے) پاک و صاف ہے تو اس میں سے پانی بھی صاف شفاف اور شیریں برآمد ہوگا۔ اور اگر ایسا نہیں ہے تو پانی کی مختلف حالتیں اور خاصیتیں ہو جائینگی جن کے علل ہم سے مخفی نہیں۔ باب

اب رہا چشموں کا اُبلنا اور پانی کا چڑھنا سو اس کی شرح یہ ہے کہ اُن کا خزانہ (ذریعۂ روانی) اُن سے زیادہ بلندی پر واقع ہے۔ اس کی مثال بالکل ایسی سمجھنی چاہیئے جیسی فوارے کی اس لیئے کہ پانی کے اوپر چڑھنے کا بس یہی ایک سبب ہے۔

اکثر لوگوں نے، جو علم طبیعیات سے ناواقف ہیں اور اپنی جہالت کے لیئے یہ بہانہ ڈھونڈھ لیا کرتے ہیں کہ خدا کی حکمت ہی ایسی ہے، اس بارے میں مجھ سے بحث کی۔ اپنے خیالات کی تائید میں وہ کہتے تھے کہ ہم نے نہروں اور نالوں میں پانی چڑھتے دیکھا ہے۔ یعنی جتنا پانی اپنے مخرج سے ہٹتا جاتا ہے اُتنا ہی وہ (اپنے مخرج سے) اونچا ہوتا جاتا ہے۔ اصلیت یہ ہے کہ ان لوگوں نے پہاڑی ندیوں میں پانی بہتے دیکھا ہے۔ جن کی تہ فی میل پچاس سے لیکر سو گز تک نیچے کی طرف کو ڈھلواں ہوتی ہے۔ اگر کوئی کسان کہیں پر اُس ندی سے نالا کاٹ کر نکالے اور اُس کا ڈھال اوپر کی طرف کو ہو تو پہلے پانی بہت تھوڑا آتا ہے، لیکن بالآخر دریا کے پانی کی سطح سے کہیں اونچا چڑھ جاتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص ان اُمور میں بصیرت نہ رکھتا ہو تو وہ خیال کریگا کہ دریا کا بہاؤ خط مستقیم میں یا اوپر کی طرف کو ڈھلواں ہے۔ ایسے شخص کو فوراً یقین ہوگا کہ دریا اوپر کی طرف چڑھ رہا ہے۔ اس شکل کے"

باب ۵

دُور کرنے کے لیئے لابد ہی کہ انھیں اُن آلات کی حقیقت سے مُطلع کردیا جائے جن سے زمین تولی اور جانچی جاتی ہی اس لیئے جس وقت وہ اُس زمین کا وزن کرینگے جس میں ہو کر پانی گزرتا ہی تو اُنھیں اپنے خیالات کے خلاف یقین کرنا ہوگا (اس قسم کے خیالات سے لوگ دست بردار نہیں ہو سکتے) تاوقتیکہ وہ علوم طبیعیہ کا مطالعہ نہ کریں اور یہ نہ جانیں کہ پانی مرکز اور مرکز کے قریب کے موقع کی طرف حرکت کرتا ہی۔

اس بات میں قطعاً شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہی کہ پانی کو جہاں چاہیں بلندی پر لے جا سکتے ہیں، حتیٰ کہ پہاڑ کی چوٹی تک، لیکن شرط یہ ہی کہ یہ مقام (جہاں پانی پہنچانا مقصود ہی) اُس کے اصلی خزانے سے نیچا ہو (اس لیئے کہ پانی اُس کی سطح تک پہنچ کر رہ جائیگا) اور کوئی چیز پانی کے اوپر چڑھنے میں حائل نہ ہو۔ پانی اپنے فعل طبیعی میں کسی قوی چیز کا محتاج ہی جو بطور آلے کے کام دے۔ یہ چیز ہَوا ہی۔ یہ عمل نہروں میں جن کے بیچ میں ایسے پہاڑ ہوتے ہیں جو دُور نہیں ہو سکتے اکثر کام میں لایا گیا ہی۔

اس مسئلے کی مثال اُس آلے سے ظاہر ہو گی جس کا نام سارقۃ الماء (پانی چور) ہی۔ اس آلے میں پانی بھر دو اور اُس کے دونوں سروں کو دو برتنوں میں رکھ دو جن کے پانی کی سطح برابر ہو۔ سارقۃ الماء کا پانی دیر تک ٹھہرا رہیگا اور کسی برتن میں نہ گریگا اس لیئے کہ ایک برتن بمقابلہ دوسرے کے پانی سے زیادہ قریب نہیں ہے، اور یہ ناممکن ہی کہ دونوں برتنوں میں گر پڑے اس لیئے کہ آلہ مذکور خالی ہو جائیگا۔ خلا، جیسا کہ بعض حکمار کا خیال ہی یا محال ہی یا جیسا کہ بعض کا خیال ہی موجود ہی جو کہ اجسام کو کھینچتا ہی۔ اب اگر خلا محال ہی تو یہ بھی ناممکن ہی اور اگر خلا کوئی شی ممسکہ ہی

تو وہ پانی کو ٹھہرائے رہتی ہے اور بہنے نہیں دیتی تا وقتیکہ اُس کی جگہ کسی دوسری چیز سے نہ بھر جائے۔ لیکن اگر تم اس آلے کا ایک سرا دوسرے سے نیچا رکھو تو پانی اُسی طرف کو بہتا ہے اس لیئے کہ اگر اُس کی جگہ نیچی ہوگئی ہے تو وہ مرکزِ ارض کے زیادہ قریب ہے اور اس لیئے پانی اُس کی طرف بہتا ہے جب تک برتن کا پانی جہاں سے پانی آتا ہے ختم نہوجائے یا اُس برتن کے پانی کی سطح جہاں پانی بہتا ہے اُس برتن کے پانی کی سطح کے برابر ہوجائے جہاں سے پانی آتا ہے۔ غرض یہ مسئلہ پہلی حالت پر لوٹ آتا ہے۔

اِسی اُصول پر پہاڑوں میں عمل کیا گیا ہے۔ کبھی کبھی پانی نلوں کے ذریعے سے کنوؤں سے اوپر آجاتا ہے بشرطیکہ اُن کا پانی اوپر چڑھنے والا ہو۔ اس لیئے کہ وہ پانی جو چاروں طرف سے گر کر کہیں جمع ہوجائے اوپر نہیں چڑھتا وجہ یہ ہے کہ اس کا ماخذ قریب کا پانی ہے اور اس پانی کی سطح اُس پانی کے متوازی ہے جہاں سے یہاں پر پہنچا ہے۔

برخلاف اس کے ایک قسم کا پانی ہوتا ہے جو تہ میں سے اُبلتا ہے۔ ایسے پانی کی بابت لوگ خیال کرتے ہیں کہ وہ شاید سطح زمین تک آپہنچے اور اُس پر پھیل جائے اس قسم کا پانی اکثر اُن ملکوں میں پایا جاتا ہے، جو کوہستان کے قریب ہیں اور جہاں جھیلیں یا گہرے دریا موجود نہیں ہیں۔ اگر ایسے پانی کا خزانہ سطح زمین سے بلند ہوتا ہے تو پانی اُبلتا ہوا نکلتا ہے بشرطیکہ شگاف (جس میں سے پانی اُبلتا ہے) تنگ ہو۔ لیکن اگر خزانہ نیچا ہے تو پانی سطح زمین تک پہنچ سکیگا۔ پہاڑوں میں اکثر خزانہ ہزاروں گز اونچا ہوتا ہے ایسی حالت میں پانی قلعوں اور میناروں کی

باب ۵ چوٹیوں تک پہنچ سکتا ہے۔

مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ یمن کے لوگ اکثر یہاں تک (کنواں) کھودتے ہیں کہ وہ اس چٹان تک پہنچ جاتے ہیں جس کے نیچے اُن کے خیال میں پانی ہوتا ہے۔ تب وہ چٹان کو بجا کر دیکھتے ہیں اور پانی کی مقدار آواز سے معلوم کرتے ہیں اور بالآخر ایک چھوٹا سا سوراخ کر کے پانی کا حال معلوم کرتے ہیں۔ اگر ٹھیک ہوتا ہے تو پانی نکلنے اور بہنے دیتے ہیں لیکن اگر خوف ہوتا ہے تو فوراً چونے اور گچھ سے بند کر دیتے ہیں اس لئے کہ انھیں یہ اندیشہ رہتا ہے کہ کہیں "سیل العرم" کی طرح سیلاب پیدا نہ ہو جائے۔

ابرشہر[1] اور طوس کے درمیان پہاڑ کی چوٹی پر پانی کی ایک چھوٹی سی جھیل ہے جس کا دور ایک فرسنگ (یعنی قریب بیس ہزار فٹ انگریزی) ہوگا۔ اس جھیل کا نام سبز رود ہے (اور اس کا پانی ہمیشہ جوں کا توں رہتا ہے) اس کے تین اسباب ہو سکتے ہیں۔

(۱) یا تو اُس کا مادہ کسی ایسے خزانے سے جو جھیل سے بہت اونچا ہے، آتا ہے، اگرچہ اس خزانے کا موقع وہاں سے بہت دور ہو، اور اس میں اتنی مقدار میں برابر پانی آتا رہتا ہے جتنا آفتاب کی شعاعیں اس جھیل میں سے بخارات میں تبدیل کر دیتی ہیں۔

(۲) یا اُس کا مادہ کسی ایسے خزانے سے پہونچتا ہے جس کی سطح اُس جھیل کی برابر ہے اور اس وجہ سے اس جھیل کا پانی خزانے کی سطح سے پست و بلند نہیں ہوتا۔

---

[1] نیشاپور کا قدیم نام ہے (Le Strange Lands of the Eastern Caliphate) ص ۳۸۳

باب

(۳) یا اُس کے مخارج کی کیفیت کسی طرح پر آلہ مسمیٰ "الدّحج" اور خود گداز لمپ (سراج الخادم نفسہ) کے پانی سے مشابہ ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ تم ایک پانی کی صراحی ("جرّة الماء") یا دیا ("دبّة الدّهن") لو۔ اور صراحی یا چراغ دان (یا دیا) کے کناروں میں باریک باریک چھید بناؤ پھر اُس میں ایک تنگ سوراخ (ثقبة ضيّقة) تلمّا لطافا جو برتن کے دہانے سے اتنی دُور پر ہو جتنی دُور تک تم پانی صراحی میں یا تیل چراغ دان میں رکھنا چاہتے ہو۔ (یعنی سوراخ وہ نشان ہے جہاں تک تمہیں پانی یا تیل رکھنا مقصود ہے) اُس کے بعد تم جرہ کو طشت میں اور دبّہ کو لمپ ("سراج") میں اُلٹ پلٹ کر ڈالو۔ تب پانی اور تیل باریک باریک سوراخوں میں سے نکل آئیگا یہاں تک کہ وہ اس سوراخ کی سطح تک آ پہنچیگا۔ جب اتنی مقدار جتنی سوراخ میں سے نکلتی ہے خرچ ہو جائیگی تب وہ نکلیگی جو سوراخ کے بعد میں ہے اس طرح اخیر تک پانی کی ایک ہی حالت باقی رہیگی۔

اسی جھیل سے مشابہ میٹھے پانی کا ایک کنواں ضلع کیماک کوہستان مانکور میں ہے۔ یہ ڈھال کی برابر بڑا ہے اور اُس کے پانی کی سطح ہمیشہ کنویں کے کنارے کے متوازی ہوتی ہے اکثر فوج کی فوج اس کنوئیں کے پانی سے سیراب ہو جاتی ہے اور اُس میں اُنگلی برابر بھی فرق نہیں ہوتا۔ اس کنوئیں کے قریب کسی انسان کے پیر کا نشان اس طرح کا بنا ہوا ہے جیسے گویا کوئی عبادت میں مشغول تھا۔ دونوں ہاتھوں، اُنگلیوں اور گھٹنوں کے نشان ہیں۔ نیز بچے کے پیروں اور گدھوں کے سموں کے نشانات بھی ہیں۔ غزی ترک ان نشانات کو پوجتے ہیں۔

باب ۵

اسی طرح کی ایک چھوٹی سی جھیل جو ایک میل مربع (ساڑھے چھ ہزار فٹ) ہے کوہ بیان پر واقع ہے۔ گاؤں جوڑھال پر واقع ہے اُس کا پانی اسی جھیل میں سے ایک چھوٹے سے سوراخ میں ہو کر آتا ہے اور وہاں کے باشندوں کی ضروریات کے لیے کفایت کرتا ہے لیکن اس سے زیادہ دستیاب نہیں ہوتا۔

اکثر میدان میں بھی جہاں کے پانی کا خزانہ بلندی پر ہو، پانی اُبلنے لگتا ہے اگر پانی کے اُبلنے کی طاقت کسی سبب مانع کی وجہ سے رُکی رہتی ہے تو جس وقت یہ مانع دُور ہو جاتا ہے فوراً پانی اُبلنے لگتا ہے۔ الجیحانی نے بخارا اور القریۃ الحدیثہ کے درمیان میں ایک قریہ کا ذکر کیا ہے جہاں کھودنے والوں نے مال کے خزانے کی تلاش میں ایک پہاڑ کو کھودا۔ یکایک اُن کی زد سے رُکے ہوئے پانی کو نکلنے کا موقع مل گیا۔ پھر تو کسی طرح وہ اُن کے روکے نہ رُکا اور آج تک جاری ہے

اگر تمھیں تعجب ہی کرنا ہے تو ایک عجیب موقع پر، جس کا نام فیلوان ہے اور جو مہرجان کے قریب واقع ہے اظہارِ تعجب کر سکتے ہو۔ یہ ایک برامدے (صُفّہ) کی شکل کی چیز ہے جو پہاڑ میں کُھدی ہوئی ہے۔ اس کی چھت پر سے پانی گرتا ہے، تو پانی جم کر لمبی سائل[۱] کی صورت میں بن جاتا ہے۔ مہرجان کے اکثر لوگوں کے زبانی میں نے سنا ہے کہ لوگوں نے کدالوں سے اُس پر ضربیں ماریں تو جس جگہ چوٹ پڑی وہ جگہ خشک ہو گئی اور پانی بالکل نہ بڑھا۔ حالانکہ قیاس چاہتا ہے کہ اگر بڑھا نہیں تو حالت اصلی پر ضرور رہنا چاہیئے تھا۔

۱؎ انگریزی میں "Icicles" کہتے ہیں۔ دریہ برف کی وہ خاص صورت ہوتی ہے جب وہ چھجے وغیرہ جم کر لٹک جاتا ہے۔

باب ۵

اس سے بھی بڑھ کر عجیب جامع مسجد قیروان کے دو ستون ہیں جن کا ذکر جیہانی نے "کتاب الممالک والمسالک" میں کیا ہے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ ہر جمعہ کو طلوع آفتاب سے پہلے ان سے پانی ٹپکتا ہے۔ العجب کہ عین جمعہ کے روز ایسا ہوتا ہے۔ اگر یہ واقعہ عموماً ہفتے کے روز پیش آتا تو فرض کیا جاتا کہ اس کا تعلق ماہتاب کے خلاں موقع شمس پر پہنچنے کے باعث سے ہے۔ غرض یہ قابل قبول امر نہیں ہے اس لیے کہ جمعہ کے روز کا ہونا ایک ایسی شرط ہے جس پر اسے محمول نہیں کیا جا سکتا۔ کہتے ہیں کہ بادشاہ روم نے اُن کے خریدنے کے لیے لوگ روانہ کیے تھے اور کہلا بھیجا تھا کہ مسلمانوں کے لیے نقد قیمت اس سے بدرجہا افضل ہے کہ اُن کی مسجد میں دو پتھر موجود ہوں۔ لیکن اہل قیروان نے انکار کر دیا اور کہلا بھیجا کہ ہم خدا کے گھر سے نکال کر انھیں شیطان کے گھر نہ بھیجیں گے۔

اس سے بھی بڑھ کر عجیب چیز قیروان کا متحرک ستون ہے۔ یہ ایک طرف کو جھکا ہوا ہے۔ جب یہ ستون جھکتا ہے تو لوگ اُس کے نیچے کوئی چیز رکھ دیتے ہیں اور جب سیدھا ہوتا ہے تو وہ چیز اُس کے نیچے سے نکالی نہیں جا سکتی۔ اگر شیشہ نیچے رکھ دیا جائے تو اُس کے پچلنے اور ٹوٹنے کی آواز آتی ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ یہ محض ایک صنعت کا کرشمہ ہے، جیسا کہ اس کے محل وقوع سے ظاہر ہوتا ہے۔"

(آثار الباقیہ صفحہ ۲۶۱-۲۷۵-۱۳ب)

ہم نے یہ مقام جو زیادہ طویل ہے تمام و کمال نقل کر دیا ہے تاکہ پورے طور پر ناظرین اندازہ کر سکیں کہ مسائل طبیعی کی عقدہ کشائی میں بیرونی نے کیسی باریک بیں طبیعت پائی تھی۔

تاریخی روایات کی چھان بین کی کیفیت مندرجۂ ذیل بحث سے ظاہر ہوگی، جو بیرونی نے

باب اہلِ اسلام کے قمری مہینوں کے مشہور ایام کے تاریخی واقعات پر تبصرہ کرتے ہوئے بذیل یوم عاشور محرم تحریر کی ہے۔

"لوگ کہتے ہیں کہ اس روز خدا نے آدم کی خطا معاف کی۔ نوح کی کشتی اس روز کوہ جودی کی چوٹی پر ٹھہری۔ حضرت عیسیٰ اس دن پیدا ہوئے۔ حضرت موسیٰ نے اس روز فرعون کے پنجے سے رہائی پائی۔ حضرت ابراہیم پر اس روز آتشِ نمرود سرد ہوئی۔ حضرت یعقوب کی آنکھوں میں اس روز بصارت واپس آئی۔ یوسف اسی روز چاہِ کنعاں سے نکالے گئے۔ سلیمان اس روز تخت نشین ہوئے۔ قوم یونس نے اس روز عذاب الٰہی سے نجات پائی۔ ایوب نے اس روز مرض سے صحت حاصل کی۔ حضرت زکریا کی دعا اس دن قبول ہوئی۔ نیز یہ بھی مشہور ہے کہ اسی دن حضرت موسیٰ نے بعدو بیر ساحران مصر پر فتح پائی۔ اگرچہ ممکن ہے کہ یہ تمام واقعات ایک ہی تاریخ میں پیش آئیں لیکن یہ باتیں محض ان قصہ گویوں کی ہیں جو تحقیق علمی کے طریقوں سے واقعات اخذ کرنے سے نابلد ہیں اور (روایات کو) اہل کتاب کی روایات سے مطابق کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ "عاشورہ" عبرانی لفظ "عاشور" سے معرب ہے جو یہودیوں کے ماہ تشرین (یعنی یہودی سال کے پہلے مہینے) کی دسویں تاریخ ہے، جس دن کیپور کا روزہ ہوتا ہے یہ بھی کہتے ہیں کہ اس روزے کی تاریخ کا عربی مہینوں سے انطباق کیا گیا اور پہلے عربی مہینے کی دسویں تاریخ اس کے لیئے مقرر کی گئی جس طرح کہ یہودیوں کے پہلے مہینے کی دس تاریخ مقرر تھی۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے پہلے سال میں اسی تاریخ (دس محرم) کو روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا اور رمضان میں روزے مقرر ہوئے۔ باب

لوگوں میں یہ روایت بھی مشہور ہے کہ رسول مقبولؐ نے مدینہ منورہ وارد ہونے کے دن یہودیوں کو عاشورکا روزہ رکھتے دیا۔ جب آپ نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اُس روز خدا نے فرعون کو غرق کیا تھا اور موسیٰ اور بنی اسرائیل کو اس کے پنجے سے نجات دلائی تھی۔ یہ سُن کر حضرتؐ نے فرمایا کہ بہ نسبت یہود کے ہم موسیٰ سے زیادہ قریب ہیں۔ پس اُسی روز آپ نے روزہ رکھا اور صحابہؓ کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ جب رمضان کے روزے مقرر ہوئے تو عاشورہ کے روزے کا نہ آپ نے حکم دیا نہ اُس کی ممانعت کی۔

علمی تحقیقات سے یہ روایت صحیح ثابت نہیں ہوتی۔ سال ہجرت میں محرم کی پہلی تاریخ جمعہ کا روز ۱۶ رتموز ۹۳۳ سکندری تھی۔ لیکن اس روز کا یہودی تقویم سے مقابلہ کیا جائے تو ثابت ہوگا کہ یہودی سال کا پہلا دن یک شنبہ ۱۲ ایلول مطابق ۲۹ صفر تھا۔ لہذا عاشورے کا روزہ شنبہ ۹ ربیع الاول کو واقع ہوا اور رسول مقبول کی ہجرت ربیع الاول کے نصف اوّل میں پیش آئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دوشنبہ کو روزہ رکھنے کا سبب دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا تھا "اس دن میں پیدا ہوا، اس دن نبوت ملی، اس دن ہجرت ہوئی"۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کون سے دوشنبہ کو ہجرت وقوع میں آئی۔ بقول بعض ۲ ربیع الاول بقول بعض ۸ ربیع الاول اور بقول بعض ۱۲ ربیع الاول کو ہجرت پیش آئی۔ بہرحال تاریخ ہجرت ۸ ربیع الاول مسلم ہے اس لئے کہ ۲ اور ۱۲ ربیع الاول دوشنبہ کو آکر نہیں پڑتیں اس سال کے ۱ ربیع الاول کو دوشنبہ کا

باثٹ

دن تھا، دوسری کو سہ شنبہ کا اور ۱۲ کو جمعہ تھا۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وارد مدینہ ہونا (بتاریخ ۸ ربیع الاول) یہودی مہینے کی دس تاریخ (مطابق ۹ ربیع الاول) سے ایک دن پہلے وقوع میں آیا اور عاشور کسی طرح محرم میں واقع نہیں ہوا۔ ہاں ہجرت سے دس اور تیس سال پہلے اور بیس اور تیس سال بعد جاکر ضرور ایسا ہوا۔

اس لیئے یہ دعویٰ باطل ہے کہ رسول اللہ نے عاشور کے دن اس وجہ سے روزہ رکھا کہ وہ اس سال (قمری) کے پہلے ماہ کی دس تاریخ تھی اور دونوں تاریخیں (یعنی دس تشرین اور دس محرم) ایک دن واقع ہوئی تھیں۔ ہاں یہ صورت ہوسکتی ہے کہ تم عاشورہ کو یہودی سال کے پہلے سال کے عربی سال کے پہلے ماہ میں منتقل کردو اس لیئے کہ ہجرت کے پہلے سال میں محرم کی پہلی تاریخ جمعہ کا دن اور دس محرم دوشنبہ کا دن تھا۔ نیز ہجرت کے دوسرے سال یہودیوں کا عاشور اور رسول اللہ کے وارد مدینہ ہونے کی تاریخیں ایک نہیں ہوسکتیں اس لیئے کہ اس دن عاشور یوم السبت (شنبہ) تھا۔

اب رہا یہودیوں کا یہ قول کہ اس روز (یعنی عاشور کو) فرعون غرق ہوا تو یہ خود توراۃ سے غلط ثابت ہوتا ہے اس لیئے کہ یہ واقعہ ۲۱ رنیسان کو پیش آیا جو ایام فطیر میں سے ساتواں دن تھا۔ رسول اللہ کے وارد مدینہ ہونے کے بعد یہودی پسودر کا شروع سہ شنبہ کا دن ۲۲ راذار ۹۳۳ سکندری مطابق ۱۷ رمضان ہے اور جس دن فرعون غرق ہوا وہ ۲۳ رمضان ہوئی۔ پس یہ روایت بھی سرتاسر غلط ثابت ہوتی ہے۔" (آثار الباقیہ ص ۳۲۹۔۳۳۰)

اب ہم اخیر میں صرف ایک مقام اور نقل کرنا چاہتے ہیں۔ آثار کے آٹھویں باب میں جہاں مدعیانِ نبوت کے حالات لکھے ہیں، ہاں منصور حلاج کے مختصر حالات بھی درج کیئے ہیں۔ کتاب کی تصنیف کے وقت منصور کے قتل کے واقعہ کو کم وبیش نوے سال گزرے تھے۔ یہ خیال رکھتے ہوئے کہ منصور کے سوانح پر اس وقت تک تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے یہ حالات خاص دلچسپی سے پڑھے جانے کے قابل ہیں اور تاریخی حیثیت سے بھی کسی قدر نئی روشنی ڈالتے ہیں:۔ باب

"المقنع کے بعد ایک شخص صوفی منش فارسی النسل ابوالحسن بن منصور الحلاج پیدا ہوا۔ سب سے پہلے اُس نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا اور کہا کہ میں کوہ طالقان واقع دیلم سے آیا ہوں۔ لوگ اُسے پکڑکر بغداد لے گئے۔ یہاں اُسے تشہیر کے بعد قید کردیا گیا۔ لیکن قید سے نکل بھاگا۔ منصور ایک شعبدہ پرداز اور متصنع شخص تھا اور ہر مذہب اور فرقے کے لوگوں سے اُن کے اعتقاد سے اتفاق ظاہر کرکے میل جول پیدا کرتا تھا۔ بعد میں یہ دعویٰ کیا کہ روح القدس مجھ میں حلول کرگئی ہے اور اپنے آپ کو "الہٰ" کے نام سے موسوم کیا۔ اُس کے ایک خط میں جو اپنے پیرووں کے نام لکھا تھا حسب ذیل الفاظ درج عنوان کیئے تھے۔

"من الھو ھو الازلی الاول النور الساطع
اللامع والاصل الاصلی وحجۃ الحجج ورب الارباب
ومنشی السحاب ومشکوٰۃ النور ورب الطور
المتصور فی کل صورۃ الی عبدہ فلان"

ترجمہ:۔ یہ خط ہے اُس کی طرف سے جو کہ ازلی اور ابدی ہے، جو چمکتا ہوا نور، تمام اصلوں کی اصل، تمام حجتوں کی حجت، خداؤں کا خدا، بادلوں کا بنانیوالا،

باب ۵ نور کا دریچہ، طور کا خدا ہے اور تمام صورتوں میں پنہاں ہے، فلاں بندہ کے نام-
اُس کے پیرو اپنے خطوط کو جو اس کے نام بھیجتے تھے اس طرح شروع کرتے تھے۔

"بسبحانك یا ذات الذات ومنتهى غاية الذات
یا عظیم یا کبیر اشهد انك الباری القدیم المنیر
المتصور فی کل زمان وفی زماننا فی صورة الحسین
بن منصور عبیدك ومسكينك وفقيرك والمستجير بك
والمنيب اليك الراجی رحمتك یا علام الغیوب
يقول كذا وكذا"

ترجمہ:- شروع تیری تعریف کے ساتھ اے تمام ہستیوں کی ہستی، تمام خوشیوں کی انتہا، اے عظیم اے کبیر، میں گواہی دیتا ہوں کہ تو باری اور قدیم ہے اور روشنی کا پیدا کرنے والا اور تمام زمانوں میں ظاہر ہونے والا ہے اور ہمارے زمانے میں حسین بن منصور کی شکل میں ظاہر ہوا ہے۔ تیرا غلام مسکین فقیر تیری مدد کا محتاج، تیری پناہ کا طلب گار اور تیری رحمت کا اُمیدوار اے پوشیدہ باتوں کے جاننے والے یہ اور یہ عرض کرتا ہے۔

منصور نے اپنے دعوے میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں مثلاً "کتاب نور الاصل" "کتاب جمع الاکبر" اور "کتاب جمع الاصغر"
۳۰۹ھ میں خلیفہ المقتدر باللہ نے گرفتار کر لیا۔ ایک ہزار تازیانے لگوائے اور ہاتھ پیر کٹوا کر قتل کرا دیا۔ بعد میں اُس کے بدن کو روغن نفتہ ڈلوا کر جلوا دیا اور خاک دریائے دجلہ میں ڈالدی۔ دورانِ قتل میں اُس نے مُنہ سے ایک لفظ

باب۵

نہ نکالا بلکہ پیشانی پر بَل بھی نہ پڑا اور لب تک نے جنبش نہ کی۔

منصور کے مذہب کے پیرو کچھ لوگ اس وقت تک موجود ہیں جن کا عقیدہ ہے کہ مہدی طالقان سے پھر ظاہر ہوگا۔ اس مہدی کے متعلق کتاب الملاحم میں مذکور ہے کہ وہ دُنیا کو انصاف سے بھر دیگا۔ جیسے کہ اس وقت جور و تعدی سے بھری ہوئی ہے۔ اس کتاب میں کہیں لکھا ہے کہ وہ محمد بن عبداللہ ہوگا، کہیں ہے کہ وہ محمد بن علی ہوگا۔ چنانچہ جب مختار بن ابی عبید الثقفی نے لوگوں سے محمد الحنفیہ کے گرد جمع ہونے کا اعلان کیا تو یہی دعویٰ کیا کہ یہ مہدی موعود ہے۔

ہمارے زمانہ میں بھی لوگ مہدی کے آنے کے منتظر ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ جبل رضوی میں اُس کا قیام ہے۔ بنو اُمیہ السفیانی کے ظہور کے منتظر ہیں جس کا کتاب الملاحم میں ذکر آیا ہے۔ اس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ دجّال جو لوگوں کو گمراہ کریگا ناحیۂ اصفہان سے اُٹھیگا۔ منجمین کا خیال ہے کہ وہ جزیرہ برطانیہ سے یزدجرد بن شہریار کے ۶۶۴ سال بعد ظاہر ہوگا۔ انجیل میں دجّال کے ظہور کے علامات مذکور ہیں۔ یونانی اور مسیحی کتابوں میں جیسا کہ مار اثناوورس اسقف مصیصیہ نے تفسیر انجیل میں بیان کیا ہے، اُس کا نام الطیخر سطوس ہے۔"

(آثار الباقیہ ص ۲۱۱-۲۱۲)

باب۸

باب ہشتم

کتاب الہند پر تبصرہ

اب ہم بیرونی کی اس تصنیف کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو اُس نے ہند کے متعلق لکھی ہے۔ اِس کتاب کا پورا نام "کتاب ابی الریحان محمد بن احمد البیرونی فی تحقیق ما للہند من مقولۃ مقبولۃ فی العقل او مرذولۃ" ہے۔ اس کتاب کا منشا اُس کے نام سے ظاہر ہے۔ اِس میں ہندوؤں کے متعلق ہر قسم کی معلومات خواہ وہ عقلاً قابلِ قبول ہوں یا نہ ہوں، جمع کی گئی ہیں۔ ہم بلحاظ اختصار اسے "کتاب الہند" کے نام سے موسوم کرتے آئے ہیں اور آئندہ بھی اسی نام سے اس کا ذکر کرینگے۔

اوپر بیرونی کے حالات میں یہ لکھا جا چکا ہے کہ افغانستان پہنچنے کے بعد اُس نے ہندو علوم پڑھنے کا اہتمام کیا اور اِسی غرض سے مغربی ہندوستان کی طالب علمانہ سیاحت بھی کی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ حصولِ مرام میں بیرونی کہاں تک کامیاب رہا۔

ہندو علوم کا مخزن سنسکرت زبان تھی۔ ہمارے زمانے میں اس قدیم زبان کے سیکھنے کے واسطے جو آسانیاں مہیا ہیں وہ پانچویں صدی ہجری کے اوائل میں موجود نہ تھیں۔ لیکن آج بھی جو شخص سنسکرت زبان سیکھنے اور اُس میں ادبی اور علمی مہارت حاصل کرنا چاہے اُسے نہایت جان توڑ محنت اور بہت کچھ اپنا عزیز وقت صرف کرنا پڑتا ہے۔

بیرونی فتح خوارزم کے بعد (۴۰۸ھ) جب غزنی پہونچا اُس کی عمر پینتالیس سال سے متجاوز

ہو چکی تھی، اور جس وقت اُس نے کتاب الہند ختم کی (۴۲۳ھ) اس کی عمر ساٹھ سے اوپر تھی۔ پینتالیس باب۶
اور ساٹھ سال کی عمر کے مابین جو مدت ہے وہی بیرونی کی اس طالب علمی کا زمانہ ہے۔ نہایت غیر معمولی شوق، اعتماد، ہمت اور استقلال درکار ہیں کہ عمر کے اس حصے میں کوئی شخص ایسی شدید دماغی محنت کے لیئے کمر بستہ ہو جائے۔

بیرونی کے لیئے اس امر میں صرف عمر ہی کا ایک سوال نہ تھا، جس کے لیئے مردانہ عزم درکار تھا۔ سنسکرت زبان خود بیرونی کے لیئے ایک ایسی زبان تھی جس کی غیر معمولی دشواری دوسرے کی ہمت توڑ دینے کو کافی ہوتی۔ کیسے سمجھ میں آسکتا ہے کہ ایک خوارزمی مسلمان، جس کے چالیس سال سخت دماغی کاوشوں میں گزر چکے ہوں، ایک غیر مانوس، مشکل الحصول، غیر ملکی غیر مذہبی زبان کو، جو حدودِ اسلام سے باہر ہو، سیکھنے کی کوشش کرے، اور یہ سب نہ کسی معاوضہ کی اُمید پر نہ کسی ہمت افزائی سے، بلکہ محض بہ نیت تحقیقاتِ علمی۔ خود تاریخِ اسلام میں، جہاں شائقینِ علوم کی تعداد شمار اور اندازے سے باہر ہے، یہ واقعہ اپنی نظیر آپ ہے۔ یہ امر بالکل یقینی ہے کہ ابن رشد اور ابن سینا، ارسطو اور جالینوس کی زبان سے بالکل ناواقف تھے۔ گو انھوں نے علوم یونان سے خود بہت کچھ فیض اُٹھایا اور دنیا کو پہونچایا، لیکن کبھی انھیں اصل سرچشمے پر پہونچنے کا خیال ہی نہیں آیا۔ اُن کا دارمدار کلیتہً ان عربی تراجم پر رہا جو دوسروں نے یونانی کتابوں سے کیئے تھے۔ ایک طرف یہ صورت ہے، دوسری طرف بیرونی کی مثال ہے۔ جس نے علوم ہند اور اہل ہند کے حقیقی اور واقعی حالات پر مطلع ہونے اور دنیا کو اُن سے واقف کرنے کی نیت سے اُن کے ملک کی سیاحت کی، اُن میں رہ سہ کے خود اُن کی زبان سیکھی اور اُن کی مذہبی اور علمی تصانیف بہم پہونچا کر خود مطالعہ کیا۔ اس امر کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کیا کسی کو اس سے انکار ہوگا کہ حکمائے اسلام بلکہ حکمائے عالم میں بیرونی ایک غیر معمولی امتیاز کا واقعی مستحق ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حکیم مطلق

باب نے اُس کے جسم میں طلب علم کی ایک غیر معمولی روح بھر دی تھی، وہ کوشش کرتا ہے کہ تباینُ الالسنہ کی جو سدِّ راہ اقوامِ عالم میں حائل ہے اور ایک قوم کو دوسری قوم کی علم و دانش سے محروم رکھنے کے لیئے ایک عمیق خلیج ہے دُور ہو جائے اور بلا واسطۂ غیرے آپس کے میل جول سے وہ فائدہ اُٹھایا جائے جو نسلِ انسان کی ترقیِ تمدن اور عقل و دانش کا رازِ اعظم ہے۔

بغیر سنسکرت کے دشوار و پیچیدہ صرف و نحو اور لغات پر کامل دسترس حاصل کیئے ناممکن تھا کہ بیرونی اہلِ ہند کے مذہب، فلسفہ، ہیئت، نجوم اور ریاضی کے ادق مسائل کو اس خوبی صحت اور وسعت کے ساتھ سمجھ سکتا۔ زمانے کے سامنے اس وقت کتاب الہند موجود ہے اور اُس کے ہوتے ہوئے بیرونی کے تبحر کی شہادت پیش کرنا غیر ضروری ہے۔ محض کتاب کے مضامین کی فہرست پر ایک سرسری نظر ڈال لینے سے بھی اتنا معلوم ہو سکتا ہے کہ بیرونی اپنی غرض و غایت کے حاصل کرنے میں کس حد تک کامیاب ہوا، اگرچہ صحیح اندازہ کرنے کے لیئے پوری کتاب کا مطالعہ درکار ہے۔

فہرست مضامین ملاحظہ ہو:۔

(۱) ہندوؤں کے عام حالات بطور مقدمہ

(۲) خدائے تعالیٰ کے بارے میں ہندوؤں کا اعتقاد۔

(۳) موجوداتِ عقلیہ و حسیہ کے بارے میں ہندوؤں کے خیالات۔

(۴) فعل کا سبب کیا ہے، اور نفس (روح) کا مادّہ سے کیا تعلق ہے۔

(۵) ارواح کا حال اور تناسخِ ارواح کا مسئلہ۔

(۶) سزا و جزا اور جنت و دوزخ۔

(۷) دُنیا سے خلاص کی کیفیت اور کس طرح خلاص حاصل کیا جائے۔

(۸) خلائق کی مختلف جنسوں کے نام۔

باب

(۹) مختلف طبقوں (ذاتوں) کا ذکر۔

(۱۰) سُنن (قوانینِ مذہبی) اور نوامیس (قوانینِ عدالت) اور پیغمبروں اور نسخِ شرائع کے بارے میں۔

(۱۱) بُت پرستی کا آغاز کیسے ہوا اور مخصوص بتوں کا ذکر۔

(۱۲) وید، پران اور مذہبی کتابوں کا ذکر۔

(۱۳) کتبِ نحو و شعر کا ذکر

(۱۴) کتبِ علوم کا ذکر

(۱۵) اوزان و پیمائش کی تفصیل

(۱۶) ہندو رسوم الخط اور حساب وغیرہ کا ذکر اور چند بدیع امورِ متعلقہ کی توضیح

(۱۷) وہ علوم جو جہلا میں شائع ہیں۔

(۱۸) مختلف معارف مثلاً ہندوؤں کے بلاد، انہار اور دریاؤں اور اُن کے ممالک اور حدود کے مابین مسافات کا ذکر (یہ باب گویا ہندوستان کا جغرافیہ ہے)

(۱۹) کواکب اور بروج کے ناموں اور منازلِ قمر اور اسی طرح کی دوسری باتوں کا ذکر۔

(۲۰) برہمانڈ کا ذکر۔

(۲۱) ارض و سما کی صورت اُن کی مذہبی روایات کے موافق

(۲۲) قطب کے متعلق روایات

(۲۳) اصحابِ پرانات وغیرہ کے اعتقاد کے موافق کوہ میرو کا ذکر۔

(۲۴) پرانوں کے رو سے سات دویپ کا ذکر۔

(۲۵) دریاؤں اور اُن کے مخرجوں اور گزرگاہوں کا ذکر۔

(۴۵) بنات النعش کا ذکر۔
(۴۶) نارائن، مختلف اوقات میں اس کا ظہور اور اس کے نام۔
(۴۷) واسدیو اور جنگ مہابھارت۔
(۴۸) مقدار اکشوھنی کی توضیح۔
(۴۹) تواریخ (سنین مروجہ) کا ذکر بالاجمال۔
(۵۰) کلپ اور چتر جوگ میں ستاروں کی گردش۔
(۵۱) ادھیماس، اونراترا، اہرگن کی، جو مختلف ایام کی مقدار ظاہر کرتے ہیں تشریح۔
(۵۲) مطلق اہرگن کا حساب یعنی سالوں کے مہینوں کو دنوں میں بدلنا اور دنوں کے سالوں اور مہینے بنانا۔
(۵۳) اہرگن یعنی سالوں کا مہینوں میں (ان خاص قواعد کے موافق جو تقویم میں خاص تاریخوں اور خاص وقتوں کے معلوم کرنے میں استعمال ہوتے ہیں) تبدیل کرنا۔
(۵۴) ستاروں کے اوساط معلوم کرنا۔
(۵۵) ستاروں کے ترتیب، بُعد اور جسامت کا ذکر۔
(۵۶) چاند کی منزلیں۔
(۵۷) ستاروں کے ظاہر ہونے اور ہندوؤں کی ایسے موقعوں پر خاص رسموں کا ذکر۔
(۵۸) سمندر کے پانی مدوجذر کا ذکر۔
(۵۹) کسوف شمس و قمر کا ذکر۔
(۶۰) پَروں کا ذکر۔
(۶۱) از روئے مذہب و نجوم ہند "ارباب الازمنہ" اور اسی قسم کے دوسرے امور کا بیان۔

باب (۶۲) سنبتیر یعنی ساٹھ سالہ کا، جسے شَدِبَد بھی کہتے ہیں، ذکر۔

(۶۳) برہمنوں کے متعلق مخصوص امور اور اُن فرائض کا جو اُنھیں اپنی زندگی میں انجام دینے ہوتے ہیں، ذکر۔

(۶۴) برہمنوں کے سوا دوسرے ذات کے لوگ جو رسوم برتتے ہیں اُن کا ذکر۔

(۶۵) قربانیوں کا ذکر۔

(۶۶) حج اور مقاماتِ متبرکہ کی زیارت کا بیان۔

(۶۷) صدقات اور آمدنی کے اخراجات کا ذکر۔

(۶۸) کھانے پینے میں کونسی چیزیں جائز اور ممنوع ہیں۔

(۶۹) نکاح، حیض، نفاس اور حمل کا ذکر۔

(۷۰) دعاوی (مقدمات) کا ذکر۔

(۷۱) سزا اور جرمانے کا ذکر۔

(۷۲) توریث اور حقوق المیّت کا ذکر۔

(۷۳) میّت کے جَسَد کے حقوق۔

(۷۴) روزوں اور اُن کی مختلف قسموں کا ذکر۔

(۷۵) روزوں کی تعیین۔

(۷۶) عیدوں اور میلوں کا ذکر۔

(۷۷) متبرک ایّام سعد اور نحس اوقات، اور حصولِ ثواب کی مخصوص ساعتوں کا بیان۔

(۷۸) کرنوں کا ذکر۔

(۷۹) یگوں کا ذکر۔

(۸۰) ہندوؤں کے احکام نجوم کا ذکر اور اصول و قواعدِ نجوم بقاعدۂ اہل ہند۔ باب

اس طرح کتاب الہند کل اسّی بابوں پر تقسیم ہے۔ مضامین کی گوناگونی کو دیکھ کر بے ساختہ کہنا پڑتا ہے کہ واقعی بیرونی نے دریا کو کوزے میں بھر دیا ہے۔

کتاب الہند کے پہلے ہی باب میں بیرونی نے ہندو علوم کے تحصیل کی دشواریوں پر بحث کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ اہلِ ہند اور اہلِ اسلام آپس میں بالکل مختلف ہیں اور کوئی بات ایک کی دوسرے سے نہیں ملتی۔ زبان، مذہب، رسم و رواج، طرقِ معاشرت و تمدّن غرض ہر چیز ہندوؤں کی مسلمانوں سے مختلف ہے۔ ہندوؤں کی علمی زبان سنسکرت کی مشکلات کا وہ شاکی ہے، اور کہتا ہے کہ عربی کی طرح یہ بھی ادق ہے۔ ایک ایک لفظ کے لیئے بہت سے ہم معنی الفاظ ہیں اور اکثر الفاظ کثیر المعانی ہیں جس کی وجہ سے تا وقتیکہ محل استعمال کو ملحوظ نہ رکھا جائے سمجھنے یا ترجمہ کرنے میں کامیابی نہیں ہو سکتی۔ نیز مسلمانوں کے لیئے یہ بھی ایک بڑی دشواری ہے کہ وہ سنسکرت حروف کے صحیح تلفظ سے قاصر ہیں اور اُن کا لب و لہجہ ٹھیک طور پر مخارج حروف کو ادا کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔

ہزار آفریں ہے علّامۂ ممدوح پر کہ کسی دشواری سے اُس کی ہمّت پست نہوئی اور وہ کسی دقّت کو دھیان میں نہ لایا۔ اُس زمانے کے ہندوؤں سے دوستانہ تعلّقات پیدا کرنا اور اُن میں رہ سہ کر اس طرح علم سیکھنا نہایت مشکل کام تھا۔ ہندو "ملیچھ" حملہ آور قوم کے لوگوں سے بچتے تھے اور بیرونی نے صاف لکھا ہے کہ اجنبیوں، خصوص مسلمانوں کے ساتھ اُن کا علمی تجنّب بہت سخت تھا۔ واللہ اعلم کن ترکیبوں سے بیرونی نے علماے ہند کو رام کیا۔ فی الحقیقت سب سے پہلی اور ضروری بات زباں دانی تھی۔ زبان آجانے پر بیرونی جیسے متبحّر کے لیئے ہندو علوم کی کتابوں کا سمجھ لینا ایسا دشوار نہ تھا اور چنداں تعجب نہیں کہ کچھ مدّت بعد

باب بیرونی پنڈتوں کی مدد سے مستغنی ہو گیا حتیٰ کہ اس کے تبحّر کو دیکھ کر خود اس کے اُستاد بالکل شاگرد ہو جاتے تھے۔ چنانچہ بیرونی خود لکھتا ہے:-

"ہندو ہیئت دانوں سے (ابتدا) میرا تعلق بوجہ اجنبی ہونے کے شاگردانہ رہا، لیکن تھوڑے زمانے میں جب کچھ واقفیت ہو گئی تو میری حیثیت اُستاد کی ہو گئی۔ چونکہ مجھے ہیئت اور ریاضی میں پوری مہارت تھی میں انھیں خود درس دینے لگا۔ پنڈتوں کو میری معلومات سے بڑا تعجب ہوا اور حیران ہو کر پوچھنے لگے کہ تم نے کس ہندو پنڈت سے یہ معلومات حاصل کی ہیں۔ انھیں کسی طرح یقین نہ آتا تھا کہ کوئی اجنبی اُن کے ملک میں آکر ہمسری کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ وہ لوگ مجھے ساحر سمجھتے اور اپنی زبان میں "بحر" (ساگر) پکارتے تھے" (الہند باب اول)

کتاب الہند ہندو علوم کے متعلق پہلی کتاب نہ تھی، عہد عباسیہ میں ہی دربار بغداد کی ہنر پروری کا شہرہ سن کر چند علمائے ہند اسلامی ممالک کی حدود میں جا پہونچے تھے اُس عہد کے مسلمانوں کا علمی شوق ایسا نہ تھا کہ ان لوگوں سے بغیر فائدہ اٹھائے رہتا۔

خلافت عباسیہ کے ابتدائی زمانے میں ہی بعض کتابیں علوم ہند کے متعلق شایع ہو چکی تھیں اور اہل عرب طب ہند اور ہیئت ہند سے یونانی طب و ہیئت سے پہلے روشناس ہو چکے تھے۔ منکا اور صالح نے عہد ہارونی میں اور بیکہ اور ابن دہان نے عہد مامونی میں کئی طبی کتابوں کے ترجمے مسلمانوں میں شائع کر دیئے تھے اور چرک و سسرتا کی طبی تالیفات تو اس زمانے سے بھی پہلے مطبوع عام ہو چکی تھیں۔ ہندو ہیئت کی کتاب "سدھانت"

جو عربی ادب کی تاریخ میں سند ہند[1] کے نام سے مشہور ہے المنصور کے زمانے میں ۱۶۲ ہجری (۷۷۸ء) باب ۶
میں عربی زبان کے اندر ترجمہ ہو چکی تھی اور بطلیموس کی کتاب المجسطی سے پہلے عربوں میں مطالعہ
افلاک کا مذاق اس کتاب نے پیدا کر دیا تھا۔ محمد ابراہیم الفزاری[2]، یعقوب بن طارق[3] الخوارزمی[4]
ابو الحسن اہوازی[5] اور ابو معشر[6] بلخی نے ہیئت میں جو کتابیں لکھیں وہ بیشتر اسی کتاب کے نقش قدم

---

[1] سند ہند کا مصنف برہم گپت تھا۔ مشرقی تاریخ علمی میں اس ہندو عالم کا نہایت اعلیٰ پایہ ہے۔ برہم سدھانت (سند ہند) کو اس کے مصنف نے تیس برس کی عمر میں تیار کیا تھا۔ بطلیموس اور فیثاغورث کی کتابوں کی اشاعت سے پہلے اہل عرب نے برہم گپت ہی کی کتاب سے ہیئت کے مسائل سیکھے تھے۔ اس کو الفزاری نے ہندو پنڈتوں کی مدد سے عربی میں نقل کیا تھا۔ اس کے علاوہ برہم گپت کی کتاب (کرن کھنڈ کھاندیک) کا بھی ترجمہ ہوا تھا جس کا نام "الارکند" مشہور ہے
سند ہند، جس کا عربی تصانیف میں اس کثرت سے ذکر آیا ہے لیکن ابھی تک دستیاب نہیں ہوا

[2] محمد بن ابراہیم بن حبیب الفزاری وہ شخص ہے جس نے سدھانت کا ترجمہ (جسے بیرونی "قانون الفزاری" کے نام سے موسوم کرتا ہے) شایع کر کے اہل عرب میں ہیئت ہند کو رواج دیا تھا۔ الفزاری کا دادا ایک مشہور مہندس تھا۔ اس نے اہل عرب میں سب سے پہلا اصطرلاب بنایا تھا اور بنائے بغداد کے وقت پیمائش وغیرہ کا کام انجام دیا تھا۔ محمد بن ابراہیم کی کتابیں مفقود ہیں ۱۲

[3] یعقوب بن طارق بیرونی سے پہلے ہیئت، ریاضی، علم السنین اور جغرافیۂ ہند سے واقف تھا۔ اس کا زمانہ علمی ۱۵۴ ہجری سے ۱۶۱ ہجری تک ہے بیرونی نے فزاری سے زیادہ اس کا ذکر کیا ہے ۱۲

[4] الخوارزمی کے حالات اوپر لکھے جا چکے ہیں۔ ۱۲

[5] ابو الحسن اہوازی غالباً الفزاری اور ابن طارق کا معاصر تھا۔ ستاروں کی حرکات کی جدولیں آریا بھاٹ (عرب اسجابادا اور اریاباد لکھتے تھے) کی کتاب سے تیار کی تھیں آریا بھاٹ کی کتاب سدھانت کے بعد شایع ہوئی تھی

[6] ابو معشر صاحب تصانیف کثیرہ ہے جن میں سے اکثر نجوم پر ہیں۔ بیرونی ابو معشر کے تصانیف کے متعلق عمدہ رائے نہیں رکھتا۔ ۲۷۲ ہجری (۸۸۵ عیسوی) میں اس نے وفات پائی۔ یورپ میں عہد وسطیٰ میں ابو معشر من جملہ ان مسلمان حکما کے تھا، جن پر اہل یورپ کے علم و حکمت کا مدار تھا۔ اس زمانے میں یورپ میں وہ (Albumaser) البومیسر کے نام سے مشہور تھا ۱۲

باب ۷ پر تھیں۔ علاوہ ہند و ہیئت وطب کے، نجوم کے احکام، خوابوں کی تعبیر، قیافہ شناسی، زراعت اور موسیقی وغیرہ پر بھی بہت سی تالیفات عربی ادب میں منتقل ہوگئی تھیں۔ غرض بیرونی سے پہلے مسلمان ہند و علوم سے روشناس ہو چکے تھے۔ اور اس قسم کی تمام تصانیف غالباً بیرونی کے کتب خانے میں موجود تھیں اور نیز اس کے مطالعہ میں آئی تھیں۔ لیکن اس قسم کی معدودے چند ابتدائی تصانیف سے جو امتداد زمانہ اور نقل در نقل کی وجہ سے قطعاً مسخ اور ناکارہ ہوگئی تھیں، بیرونی جیسے متجسس اور محقق کی کیا تشفی ہو سکتی تھی۔ اس کا تو یہ عقیدہ تھا کہ علوم ہند کا راز سربستہ اس وقت تک کبھی نہ کھلیگا جب تک وہ خود اصلی کتب کے مطالعہ کی قابلیت پیدا نہ کرلے۔ کتاب الہند کے شروع میں بیرونی نے جو سبب تصنیف بیان کیا ہے اس سے اس امر پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ استاد ابو سہل[۱] عبد المنعم بن نوح الطفلسی کی مجلس میں ادب، تاریخ، مذہب اور فلسفے پر گفتگو ہوئی۔ رفتہ رفتہ جب فلسفہ و مذہب ہند کا ذکر آیا تو بیرونی نے کہا کہ بالعموم مسلمانوں کی ہندوؤں کے متعلق جو کچھ معلومات ہیں وہ غلطیوں اور نقایص سے مملو ہیں اس لیئے کہ یہ معلومات ایسے تراجم و تصانیف پر مبنی ہیں جن کی صحت میں کلام ہے اور جن میں سے بعض قطعاً پایۂ تحقیق سے گری ہوئی ہیں۔ ابو سہل نے جب خود ہند کے متعلق عربی لٹریچر کا مطالعہ کیا تو بیرونی کی رائے سے اتفاق کیا اور اس سے درخواست کی کہ اس کمی کو پورا کردے۔ غرض ابو سہل کی فرمایش پر یہ کتاب لکھی گئی۔

اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اس سے پہلے بیرونی نے ہندوؤں کے متعلق کوئی کتاب نہ لکھی تھی۔ بعض مباحث پر وہ کئی تصانیف حوالہ قلم کرچکا تھا، لیکن بلاشبہ اس جامعیت کے ساتھ اہلِ ہند کے بارے میں اس کی بھی کوئی کتاب موجود نہ تھی۔ کتاب الہند سے معلوم ہوتا ہے

[۱] ۔ نام سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو سہل غالباً دربار غزنی کا کوئی سول عہدہ دار تھا۔ ۱۲

باب کہ اس سے پیشتر حسب ذیل سنسکرت کتابوں کے ترجمے اُس نے عربی میں کیئے تھے۔

(۱) کپل کی سانکھ اور (۲) پاتنجل (۳) پاتی ساسی دھانت مصنفہ برہم گپت (۴) برہم سدھانت (سندھند) مصنفہ برہم گپت۔ اخیر دو کتابوں کا ترجمہ کتاب الہند کی تصنیف کے وقت تک نامکمل تھا۔ (۵) برہی ہم ہتیا اور (۶) لگھو جاتم مصنفہ وراہمہیر۔

اسی دوران میں وہ حسب ذیل کتابوں کو سنسکرت زبان میں ترجمہ کر رہا تھا۔

(۱) مقالات اقلیدس (۲) کتاب المجسطی (۳) اُصطرلاب بنانے کے قواعد میں خود بیرونی کی لکھی ہوئی کتاب۔ علاوہ ان تراجم کے زیج الارکند کے ترجمے کا بھی خیال ظاہر کیا ہے اور بعد میں اس خیال کو پورا بھی کیا زیج مذکور کا مروجہ ترجمہ ناقابل اطمینان تھا۔ ہند کے متعلق پانچ چھ اور کتابیں خاص بیرونی کی تالیفات سے کتاب الہند میں برسبیل التذکرہ مذکور ہیں۔

کتاب الہند کے مضامین پر مطلع ہو جانے کے بعد بیرونی کا طریق تحریر معلوم کرنا از بس ضروری ہے۔ بیرونی کتاب الہند میں وہ اُمور بیان کرتا ہے جو اس نے خود دیکھے، سُنے یا (بالائے ہمہ) پڑھے ہیں۔ ہر مضمون کو نہایت بے تعصبی اور کشادہ دلی سے بیان کیا ہے اور کتاب کا پڑھنے والا صفحہ کے صفحے پڑھتا چلا جائے تو بھی اکثر اُسے پتا نہ چلیگا کہ اُس کا لکھنے والا کوئی غیر مذہب کا شخص ہے۔ اندازِ تحقیق اور طرزِ تحریر سے مشکل سے خیال ہو سکتا ہے کہ اس کتاب کا مصنف آج سے نو سو سال پہلے زمانے سے تعلق رکھتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے زمانے کا کوئی بے تعصب اور راستباز محقق نہایت کامیابی کے ساتھ ہند و تہذیب و تمدن کی داستان سنا رہا ہے۔ جنبہ داری اور ناروا داری کا نام و نشان بھی نہیں مل سکتا۔ اگرچہ وہ مسلمان ہے لیکن ہندو حکما کے خیالات سے جا بجا اتفاق کرتا اور اُن کے بعض علمی مسائل کو فراخ دلی کے ساتھ قبول کرتا ہے۔ سب سے بڑھ کر وہ

بابِ سچائی کا شیدا اور ناراستی اور ریا سے سخت متنفر ہے۔

"بیرونی" کا اس تصنیف سے ہرگز یہ منشا نہیں ہے کہ اس کے ذریعہ سے ہندوؤں کی خیالات کی تردید کی جائے اُن کے مذہب کی بُرائیاں دکھائی جائیں اور اس طرح انھیں اپنے اعتقادات سے برگشتہ کیا جائے۔ اُس نے جو کچھ لکھا ہے وہ اپنے قلم سے خود اُنھیں کے صحیح خیالات کا اظہار ہے۔ ہندو تہذیب و عقل کی کہانی خود اہلِ ہند کی زبانی سُنائی ہے اور تمدن ہند کی تصویر خود ہندو مصوّر کے قلم سے کھینچی ہے۔ وہ بار بار اعادہ کرتا ہے کہ میں کسی امر کے کذب و صدق کا ذمہ دار نہیں۔

"کتاب الہند" کے ابواب کا التزام اس طرح پر کیا گیا ہے کہ ہر باب ایک مختصر عام تمہید سے شروع ہوتا ہے۔ تمہید کے بعد باب تین اجزا پر منقسم معلوم ہوتا ہے۔ اوّل مسئلۂ زیر بحث کی تشریح کی جاتی ہے، پھر اُس پر بوضاحت بحث کرتا ہے۔ اور آخر میں مستند مصنّفین ہند کی کتابوں سے مناسب موقع اور موزوں اقتباسات اپنی بیان کی تائید میں پیش کرتا ہے۔ علاوہ ازیں جابجا مقابلہ اور نقد سے بھی کام لیتا ہے۔ غرض روایت، شہادت، ذاتی معلومات اور روایات اور ہر قسم کے معلومات سے مدد لینے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ التزام تمام ابواب میں مشترک ہے۔ ساری کتاب میں ایک لفظ بھی فضول اور لاحاصل استعمال نہیں کیا گیا۔ جامعیت کے ساتھ اختصار بھی ملحوظ خاطر رکھا ہے۔ لیکن جہاں توضیح درکار ہے، یا بغیر تفصیل کے دشواری لاینحل معلوم ہوتی ہے وہاں ایجاز کی خاطر وضاحت کو بالائے طاق نہیں رکھا۔ چھوٹی بڑی عام و خاص کسی قسم کی تحقیق ہو، اُس کے سامنے محنت اور دقت کی کچھ پروا نہیں کی ہے۔

بیرونی کے خیال میں ہندو اعلیٰ پایہ کے فلسفی، نہایت عمدہ ریاضی داں اور ماہر ہیئت تھے۔ فلسفۂ ہند سے بیرونی کو خاص دلچسپی اور رُجحان پایا جاتا ہے اور اس کے متعلق بیرونی کی معلومات بھی بہت وسیع معلوم ہوتی ہیں۔ ہند کے مسائل فلسفہ کو ناظرین کے ذہن نشین کرنے کی غرض سے

بیرونی ہر جگہ فلسفۂ یونان سے جس میں اُسے دستگاہ کامل ہے مقابلہ کرتا ہے۔ بلاشبہ اُس کے کتب خانے میں یونانی کتب کے تراجم کا مکمل ذخیرہ موجود تھا اور اُس کا یونانی کتب حکمت کا مطالعہ نہایت وسیع اور غائر تھا۔ اعلیٰ حکمائے یونان کی تصانیف سے کثیر اقتباسات لیکر اہلِ ہند اور اہلِ یونان کے خیالات کا مقابلہ کیا ہے۔ جس قابلیت سے بیرونی نے اس کام کو انجام دیا ہے تعریف نہیں کی جاسکتی۔ یونانیوں کے سوا، مجوسیوں، یہودیوں، عیسائیوں، صوفیوں، اور مانویوں کے خیالات بھی مقابلے میں پیش کیئے ہیں۔

بیرونی کا عقیدہ ہے کہ قدیم حکمائے یونان و ہند جنھیں وہ طبقہ عوام سے جُدا سمجھتا ہے خود اُسکی طرح پکے موحد تھے۔ شاذ ہی اُس نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ مذہب اسلام کو مذہب ہنود سے برتر ثابت کرے۔ یہ اُس کے انداز تحقیق کے خلاف بات ہے اور وہ اس کا روادار نہیں ہوسکتا کہ مباحث علمی میں مذہبی مناظرے کا دروازہ کھولا جائے۔ یہ صحیح ہے کہ بیرونی نے اہل ہند کے بعض خیالات سے اختلاف کیا ہے، لیکن یہ اختلاف محض عالمانہ ہے اور منصفانہ تنقید کے دائرے میں داخل ہے۔ ہندوؤں کی عقل و دانش کا وہ مدّاح ہے اور جہاں ممکن ہوتا ہے اُن کے خیالات کو اپنے خیالات سے مطابق کرنے میں سعی بلیغ اور دقت نظری سے کام لیتا ہے۔ بیرونی نے ہندوؤں کی صنعت و دستکاری کی تعریف کی ہے۔ چنانچہ ایک جگہ ہندوؤں کے بنائے کے تالابوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے :-

> "اِس فن میں ہندوؤں کو کمال چابک دستی ہے۔ مسلمان جب ان تالابوں کو دیکھتے ہیں تو دنگ رہ جاتے ہیں اور ویسے تالاب بنانا تو درکنار اُن کے بیان سے بھی عاجز رہ جاتے ہیں"

بیرونی نے جہاں سنسکرت لٹریچر سے بحث کی ہے وہاں بہت سی کتابوں کے نام لکھے ہیں،

باب اُن کثیر التعداد سنسکرت تصانیف کی فہرست کا تحریر کرنا، جن کے نام کتاب الہند میں مذکور ہیں، شاید مشکل ناظرین کی دلچسپی کا باعث ہو سکتا ہے۔ اس لیئے ہم اُن کے بیان سے قطع نظر کرتے ہیں، البتہ اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ مسلمانوں میں بیرونی پہلا شخص ہے جس نے پرانوں کو پڑھ کر اہلِ اسلام کو اُن کے مضامین سے مطلع کیا۔ کتاب الہند میں جابجا مناسب انتخابات بھی دیئے ہیں۔ اِس سے پہلے کوئی مسلمان پرانوں کے نام تک سے واقف نہ تھا۔ بھگوت گیتا کے پاکیزہ خیالات سے بیرونی خاص طور پر متاثر معلوم ہوتا ہے اور اس لعلِ بے بہا کو بیرونی ہی نے سب سے پہلے اہلِ اسلام میں شہرت دی۔ کثرت سے اس کتاب کے اقتباسات کتاب الہند میں پائے جاتے ہیں۔ رامائن، مہابھارت اور منو کی دھرم شاستر سے بھی ضروری مقامات نقل کیئے ہیں۔

بیرونی کے زمانے میں وسط ایشیا، خراسان، افغانستان اور شمال و مغربی ہند سے بودھ مذہب کا نام و نشان مٹ چکا تھا۔ اس وجہ سے بیرونی جیسے متلاشی کو اس مذہب کے متعلق بہت کم معلومات دستیاب ہوئیں۔ اُس نے حسب معمول کوشش ضرور کی، لیکن کسی ذریعہ سے وہ معلومات بہم نہ پہنچا سکا۔ بودھوں کے بارے میں اُس نے جو کچھ لکھا ہے وہ زرقان نامی ایک مصنف سے، جس پر اُس کو خود اعتماد نہیں، ماخوذ ہے۔ بدھ کو سدھودن کا، جو بدھ کا باپ تھا، ہم قافیہ سمجھ کر بدھودن لکھا ہے۔ بودھ نجومیوں میں صرف گندر اور سگریو کے نام لکھے ہیں اور بودھوں کے متعلق صرف ایک یہ روایت بیان کی ہے کہ وہ اپنے مُردے دریا کے پانی میں بہا دیتے ہیں۔ ایک موقع پر بیرونی نے پشاور کی ایک عمارت کا ذکر کیا ہے جو کنشک کا گنبد کہلاتی تھی اور جس کی بابت یہ روایت مشہور تھی کہ راجہ کنشک کی بنوائی ہوئی ہے۔ کتاب الہند کے سولھویں باب میں ہند کے مختلف رسم الخطوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:-

"اودن پور میں جو پورب دیش میں ہے، بھیک شکی خط مروج ہے، جو بودھوں کا خط ہے۔"

تیئیسویں باب میں، جہاں کہ وہ میرو کے متعلق بودھوں کا خیال بیان کیا ہے، صاف لکھا ہے:- باب ۲۳

"چونکہ مجھے بودھ مذہب کی کوئی کتاب نہیں ملی اور نہ کسی بودھ سے ملاقات ہو سکی جس سے بدھ مذہب کا پتا چلتا، میں نے جو کچھ لکھا ہے ایران شہری[1] کے بیان پر لکھا ہے۔ میرے خیال میں ایران شہری کو خود بھی اس کی تحقیق نہ تھی۔"

بلاشبہ اگر بیرونی کو ملک میں زیادہ سیر و سیاحت کا موقع ملتا تو مذہب بودھ کے متعلق بھی وہ معقول سرمایہ جمع کر لیتا۔

جس طرح یونانی مورخ ہیرودوٹس[2] نے مصر اور مغربی ایشیا کے تمدن کو چراغ سحری پایا تھا، اسی طرح بیرونی نے ہند کے قدیم تہذیب و تمدن کو، جسے قائم ہوئے اور معراج کمال کو پہنچے صدیاں ہو چکی تھیں، آفتاب لب بام پایا۔ بیرونی سے پہلے جن غیر ملکی سیاحوں نے حالاتِ ہند لکھے ہیں اُن میں سب سے اوّل بادشاہ سلیوقس کا (جو اسکندر اعظم کا جنرل تھا اور اُس کی وفات کے بعد وسط ایشیا کا بادشاہ بن گیا) سفیر مگستانیز[3] تھا۔

---

[1] کتاب الہند میں بیرونی نے ہندوؤں کے متعلق کسی مسلمان عالم کی تصنیف سے اقتباس نہیں کیا ہے بلکہ ہمیشہ ہندوؤں کی کتابوں یا اپنی ذاتی معلومات سے کام لیا ہے۔ لیکن ایران شہری ایک ایسا شخص ہے، جس کی کتاب سے کہیں کہیں انتخاب کیا ہے یہ کتاب مذاہب و ملل کی تواریخ تھی۔ الآثار کی تالیف کے وقت بھی یہ کتاب بیرونی کے پیش نظر تھی اور اس سے ایک مقام اہل ایران اور دوسرا اہل ارمنی کی روایات کے متعلق نقل کیا ہے۔ بیرونی نے ایران شہری کی اس کتاب کی تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ مذہب یہود و نصاریٰ اور مانی کا جو بیان ابوالعباس ایران شہری نے لکھا ہے، وہ بہت عمدہ ہے۔

[2] سب سے قدیم یونانی مورخ قریب (۴۸۴) سال قبل مسیح پیدا ہوا تھا۔ اپنی تاریخ لکھنے سے پہلے اُس نے بہت سیاحت کی تھی۔ مصر اور مغربی ایشیا کی قدیم سلطنتوں کے متعلق ہیروڈوٹس کی تاریخ ایک نہایت قیمتی اور پُر از معلومات کتاب سمجھی جاتی ہے۔ ۱۲

[3] یہ یونانی سفارت جو مگستانیز کی سرکردگی میں پاٹلی پتر (پٹنہ) کے بادشاہ چندر گپت کے دربار میں بھیجی گئی تھی ۲۹۵ سنہ قبل ولادت مسیح وارد ہند ہوئی تھی۔ مگستانیز نے تمام شمالی ہند کا دورہ کیا تھا اور معلومات بہم پہنچانے کے واسطے اُس کے پاس عمدہ وسائل اور ذرائع موجود تھے۔ چند باقی ماندہ اوراق، جو اس وقت ہمارے پاس موجود ہیں، قدیم تاریخ ہند پر نہایت قیمتی روشنی ڈالتے ہیں اور اس کتاب کی بربادی بڑا علمی نقصان ہے۔ ۱۲

باب یہ مشہور یونانی سفیر ہند کے نامور راجہ چندر گپت موریا کے (جو ہند کے مشہور راجہ اشوک کا دادا تھا) دربار میں کئی سال تک رہا۔ اِس کے ہم وطنوں کی ناقدری اور مابعد کی جہالت کی وجہ سے مگستانیز کے لکھے ہوئے حالات سب نیست و نابود ہو گئے البتہ کچھ بچے کھچے اوراق ہم تک پہنچے ہیں۔ اس کے بعد پانچویں صدی عیسوی کی ابتدا میں چینی سیاح فاہین اور چھٹی صدی عیسوی کے اوائل میں اُس کا ہم وطن سنگ یَن ہند کی سیاحت کے متعلق سفرنامے شائع کر چکے تھے۔ بیرونی سے ایک صدی قبل چین کے نامور سیاح ہیون ٹزنگ نے بھی سیاحتِ ہند پر ایک سفرنامہ لکھا تھا۔ یہ تمام کتابیں اور بچے کھچے ورقے اس لحاظ سے نہایت قابلِ قدر ہیں کہ قدیم جغرافیہ اور تاریخ کے تیار کرنے میں ان سے بڑی قیمتی مدد ملتی ہے۔ بیرونی نے ان سیاحوں کے بہت بعد میں سفر کیا اور مگستانیز اور ہیون ٹزنگ کے مقابلے میں ملک کا بہت تھوڑا حصہ دیکھا۔ لیکن (بقول ایک جرمن محقق کے) یونانیوں اور چینی جاتریوں کے نوشتہ حالات بیرونی کی تحریر کے سامنے بچوں کی لکھی ہوئی کتابیں ہیں۔ یا یوں کہنا چاہیئے کہ اُن توہمات پرست اور تنگ خیال لوگوں کی تصانیف ہیں، جو ہند کی نئی دُنیا میں آ کر اور اُسے دیکھ کر حواس باختہ ہو گئے اور کوائف و واقعات اور حقائق اشیا کو خاک بھی نہ سمجھے۔ بیرونی کا دل توہمات سے پاک ہے وہ ہر واقعہ کی حکیمانہ تحقیق و تفتیش کرتا ہے اور معمولی سے معمولی اور ادنیٰ سے ادنیٰ بات کی ماہیت جاننے کی غرض سے بڑی سے بڑی تکلیف کی پرواہ نہیں کرتا اور کوئی دقیقہ محنت کا نہیں اُٹھا رکھتا۔

سخاؤ نے کتاب الہند کے متعلق ایک (ایسا عمدہ) جملہ لکھا ہے جسے میں بغیر نقل کئے نہیں رہ سکتا۔ مستشرق موصوف کہتا ہے کہ:۔

"اگر مسلمان اس تصنیف پر بجا طور پر فخر کر سکتے، اور اُسے عربی ادب کے آسمان میں اوّل درجے کا چمکتا ہوا تارا سمجھ سکتے ہیں، تو ہندوؤں کو بھی حق ہے کہ اُسے

خاص خوش نصیبی سمجھیں کہ ایک حق پرست علامۂ عصر نے اُن کے اجداد کے تمدن باب ۶
کی تصویر جیسی اُس نے اپنے زمانے میں پائی تھی، اُن کے واسطے چھوڑی ہے۔
بہت سے جزئی اُمور میں غالباً ہندوؤں کو اختلاف ہو، اور شاید بعض نکتہ
چینیاں اُنھیں گراں گزریں، لیکن اُنھیں اس بات کا اعتراف کرنا ہوگا کہ بیرونی
کی غرض و غایت محض مورخانہ صدق و صحت تک پہنچنا اور اُسے بالکل بے تعصبی
اور غیر جانب داری کے ساتھ پیش کر دینا ہے۔ نیز وہ اس امر کو نظر انداز نہیں
کر سکتے کہ جا بجا بیرونی نے اُن کے تہذیب و تمدن کا ذکر بے حد مدح و ستائش
کے ساتھ کیا ہے۔"

افسوس ہے کہ بیرونی کے بعد کسی نے اُس کی تحقیقات کو جاری نہیں رکھا البتہ بہت سے علماء نے کتاب الہند سے خوشہ چینی کی[1]۔ ہمارے علم میں بیرونی کے بعد کوئی شخص نہ علماے اسلام میں اُس کی قابلیت اور اُس کے خیالات کا پیدا ہوا اور نہ اُس کے مہتم بالشان کارناموں کی تقلید کی ہمت کر سکا۔ یہ سچ ہے کہ بیرونی کے بعد عہد افغانیہ و عہد مغلیہ میں ایسے لوگ ہوئے جنھوں نے بعض سنسکرت کتابوں سے ترجمے کیے، لیکن اُنھوں نے جو کچھ کیا ہے، خواہ اُن کا تعلق تاریخ اسلامی کے کسی زمانے سے ہو، وہ بیرونی کے کارناموں سے کچھ نسبت نہیں رکھتا۔

---

[1] یہاں پر ہم دو مصنفین کا ذکر کرتے ہیں جو بیرونی کے بعد غزنوی حکومت ہی میں پیدا ہوئے تھے اور جنھوں نے بیرونی کی کتاب سے خوشہ چینی کی ہے۔ اوّل عمار دیزی جس کا زمانہ علی ۴۶۰ ہجری (۱۰۶۸ء) تک ہے اور دوسرا محمد بن عقیل جس نے ۵۱۴ ہجری (۱۱۲۰ء) سے ۵۸۸ ہجری (۱۱۹۲ء) تک تصنیف لکھی۔ متاخرین میں رشید الدین مؤلف جامع التواریخ نے اپنی ضخیم تاریخ میں کتاب الہند سے باب کے باب نقل کیے ہیں ۱۲

باب ہفتم

مساحت کرۂ ارض اور البیرونی

موجودہ[1] عہدِ علمی میں کرۂ ارض کی پیمایش کا کام ایک مستقل فن کی حیثیت رکھتا ہے، جو جیاڈیسی (Geodesy) کے نام سے مشہور ہے۔ اس فن کے ماہر پیمایش کے ساز و سامان لیئے سارے زمانہ میں زمین پیمائی کرتے اور حجامتِ ارض کی مقدار معلوم کرتے پھرتے ہیں، متعدد انجمنیں اور سوسائٹیاں ہیں۔ جو محض جیاڈیسی کی تحقیقات کے لیئے مخصوص ہیں۔ پیمایش کے واسطے مختلف وسائل اختیار کیئے جاتے ہیں۔ مثلثات کی پیمایش اور پینڈولیم اور تار برقی وغیرہ کے ذریعہ سے کام لینے کے جُداگانہ طریقے ہیں[2]۔

قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ دورِ زمین (محیط یا دائرۂ عظیمہ) کی تقسیم ۳۶۰ حصّوں میں فرض کی جاتی ہے اور ہر حصّہ کا نام درجہ یا جزو ہوتا ہے۔ ان مفروضہ اجزا میں سے کم و بیش ایک جزو کا طول معلوم کرکے پورے دَور کا حساب لگا لیا جاتا ہے۔

---

[1] ہم نے مساحت کرہ ارض کی بحث نہایت مختصر طور پر اس کتاب کے طبع اوّل میں صفحات ۱۴۸ لغایت ۱۵۱ پر لکھی تھی اس کے بعد اس مبحث پر ہم نے ایک مضمون رسالہ الناظر لکھنؤ بابت ماہ ستمبر ۱۹۱۵ء (ص ۹ لغایت ۳۱) میں اور اس مضمون کا ایک تتمہ انسٹی ٹیوٹ گزٹ علی گڑھ مورخہ ۱۹ جنوری ۱۹۱۶ء (ص ۷-۸) میں شایع کیا تھا۔ کتاب ہذا کی طبع ثانی میں ان مضامین کا اکثر حصّہ لے لیا گیا ہے اور بعض اہم حواشی کا اضافہ کیا گیا ہے۔

[2] دیکھو انسائیکلوپیڈیا برٹانکا ایڈیشن نہم جلد ہفتم صفحہ ۵۹۷-۶۰۸ و جلد ۲۷ (جلد ہائے جدید New Volumes) صفحہ ۵۹۸ و ۶۰۲

جیاڈیسی کے ماہرین نے اس وقت تک دنیا کے مختلف موقعوں پر بڑی بڑی جاں فشانی کے ساتھ پیمائشیں انجام دی ہیں۔ لیکن درجہ کی مقدار میں ہمیشہ اختلاف ہوتا ہے[1] اور یہ اختلاف ایک خاص ترتیب کا پابند ہے۔ اختلاف کی کیفیت یہ ہے کہ خطِ استوا سے جتنا شمال یا جنوب کی جانب بڑھتے جائیں اتنا ہی فرق بھی بڑھتا جائیگا یعنی محیط زمین کے ایک درجہ کی مقدار سب سے زیادہ قطبین کے قریب ہوگی اس کی وجہ یہ ہے کہ زمین ایک جسم مستدیر ہے یعنی اُس کی شکل گردش ہے نہ کہ بالکل مُدوّر۔ قطبین پر کرہ کی سطح کسی قدر دبی ہوئی ہے جس سے حوالی قطبین کی سطح اُبھری ہوئی ہے اور بتدریج خطِ استوا کی طرف ڈھلتی ہوئی آئی ہے۔ مختلف موقعوں کے لحاظ سے دائرۂ نصف النہار (یہ دور کا ایک اور اصطلاحی نام ہے) کے درجوں کی مقداروں کا فرق اعداد مندرجہ ذیل سے معلوم ہوگا۔

عرض البلد کے درجۂ صفر یعنی خطِ استوا پر	۳۶۲۷۴۶،۴	فٹ
۴۵ عرض البلد پر	۳۶۴۶۰۵	″
۹۰ عرض البلد (یعنی حوالی قطبین) میں	۳۶۶۴۷۸،۸	″

اگرچہ جسم زمین کی مساحت بذاتِ خود ایک نہایت دلچسپ جغرافیائی مشغلہ ہے لیکن اس کی اہمیت ایک خاص وجہ سے بہت زیادہ ہے اور غالباً اسی وجہ سے علماء نے اس مسئلہ کی طرف خاص توجہ کرنے کی ضرورت محسوس کی ہے۔ فضائے افلاک میں مختلف اجرام سماوی کے بُعد وفصل اور جسامت و وزن کا دریافت کرنا علم ہیئت کا اہم ترین مبحث ہے۔ اس لاانتہا پیمائش سماوی کے لیئے فٹوں اور گزوں کا کیا ذکر میل و فرسنگ بھی کچھ بساط نہیں رکھتے۔ کرۂ زمین کا پورا

---

[1] دیکھو جلد ۲، ص ۶۰۱ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جہاں مختلف پیمائشوں کی رو سے نصف قطر ارض کی مقدار کے اختلاف کی ایک فہرست درج ہے جسے ہم نے بخوف طوالت نقل نہیں کیا۔

باب قطر بطور پیمانہ کے فرض کیا جاتا اور مساحت افلاک کا ایک گز مانا جاتا ہے، تب کہیں فضائے محیط میں اس مساحت سے نہایت کی بسم اللہ ہوتی ہے۔

مساحت کرۂ ارض کے متعلق ایک نہایت دلچسپ قصہ تاریخ میں مذکور ہے۔ جس سے اس فن کی اہمیت پر گہری روشنی پڑتی ہے۔ لکھا ہے کہ جب نیوٹن اپنے مہتم بالشان مسئلہ قانون کشش کے حل و عقد میں منہمک تھا تو اس نے یہ معلوم کرکے کہ زمین سے چاند کی دوری قطر زمین سے تیس گنا ہے، از روئے حساب عملاً یہ تحقیق کرنا چاہا کہ آیا یہ قانون صحیح بھی ہے یا محض خیال و گمان ہی ہے۔ پہلی دفعہ ایسا ہوا کہ نیوٹن نے قطر زمین کی اس مقدار سے حساب لگایا، جو اس زمانہ کے فضلائے یورپ کے نزدیک مسلم تھی۔ یہ مقدار صحت سے کہیں دور تھی اور نیوٹن نے جو حساب نکالا تو اسے تخمینہ اور اعداد مطلوبہ کے خلاف پایا۔ بیچارے کو اس سے یہ خیال پیدا ہوا کہ اس کا نظریہ یعنی قانون کشش عالم گیر نہیں ہے۔ نہایت حسرت و یاس کے ساتھ اس کام کو ناممکن اور سعی بے سود سمجھ کر چھوڑ دیا۔ کئی سال اسی طرح گزر گئے۔ لیکن نیوٹن کی معرکۃ الآرا تصنیف شایع ہونے سے پہلے طالع نے یاوری کی۔ اسی دوران میں ملک فرانس کے کسی عالم نے دائرہ نصف النہار کے ایک جزو کی پیمایش کرکے قطر ارض کا حساب لگایا تھا جو اقرب بصحت تھا۔ نیوٹن نے جدید تحقیق کی رو سے جو حساب لگایا تو تقریباً ٹھیک ہوتا تھا اور اس بات کی تصدیق کرتا تھا کہ قانون کشش کا عمل دیگر اجرام سماوی میں بھی ایسا ہی دائر و سائر ہے جیسا کرۂ ارض میں۔ کہتے ہیں کہ ہنوز حساب مکمل نہ ہونے پایا تھا کہ اسے یقین ہو گیا کہ اس حساب سے قانون کی تصدیق ہوتی ہے۔ جوش مسرت سے وہ ایسا بے قابو ہوا کہ حساب کے کاغذات ایک دوست کے حوالہ کیے اور اس سے باقی حساب پورا کرایا[1]

---

[1] منقول از تاریخ ہیئت مؤلفہ جارج فاربس (G. Forbes) مطبوعہ مطبع واٹس اینڈ کو (Watts & Co.) لنڈن (۱۹۰۹ء) ص ۵۴

کرہ ارض کی پیمایش کا کام، اگرچہ ہمارے زمانہ میں بہت ترقی پا گیا ہے محض عصر جدید کا باث مخصوص کارنامہ نہیں ہے۔ پیمایہ قطری، جس کا اوپر ذکر ہوا،

قدیم ماہرین ہیئت کا بھی آسانی گزر تھا۔ یونانیوں میں جنھیں بجا طور پر دُنیائے تمدن کی معلمی میں اولیت کا فخر حاصل ہے۔ ڈیخرخوس (Dichearchus) سنہ ۳۲۰ قبل مسیح (Eratosthenes) اراسطائیں (سنہ ۲۹۵ ق م) اور ابرخوس (Hipparchus) (سنہ ۱۶۰ ق م) نے دائرہ کی مقدار تحقیق کرنے کی کوشش کی تھی۔

ارسطو نے لکھا ہے کہ مہندسین نے زمین کا دورچار لاکھ استادیا معلوم کیا ہے۔ اراسطائیں نے ڈھائی لاکھ استادیا، اور پاسی دانیوس (Poseidonius) (سنہ ۵۱ ق م) نے دو لاکھ چالیس ہزار استادیا نکالے۔ بطلیموس (Ptolemy) سنہ ۱۵۱ء مؤلف "المجسطی" نے ایک درجہ کی مقدار پانسو استادیا لکھی ہے، بحساب بطلیموس کل دور ایک لاکھ اسی ہزار استادیا کا ہوتا ہے۔[۱]

ان مختلف اعداد پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ یونانیوں کے نتائج کی کیا کیفیت تھی اور اُن کی تحقیقات میں کیسا شدید اختلاف تھا۔

اہل ہند میں آریا بھاٹ (قبل مسیح)، متقدمین ہند میں سب سے مشہور عالم ہیئت شمار کیا جاتا ہے۔ اس نے کرن کھنڈ کھاندیک میں لکھا ہے کہ زمین کا قطر ۱۰۵۰ یجن اور دور ۳۳۶۴ یجن ہے (ہندو اسٹرانومی (سنہ ۱۸۹۶ء) مصنفہ برنیند Bramnand ص ۱۲۹) البیرونی نے جو بقول برہم گپت یونانی النسل تھا لکھا ہے کہ زمین کا قطر ۱۶۰۰ یوجن اور دور ۵۰۲۶ $\frac{14}{15}$ ہے۔

---

[۱] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ہفتم ص ۵۹۷۔

باب (کتاب الہند بیرونی ص۱۶۱ و ترجمہ انگریزی جلد اوّل ص۳۱۲)

سدھانت میں بھی جو اہلِ ہند کے نزدیک علم ہیئت کی الہامی کتابوں میں سے ہے اور اب بھی متداول ہے زمین کا قطر ۱۶۰۰ یوجن لکھا ہے (ہندو اسٹرانومی ص۱۹۵ قاعدہ ۵۹) برہم گپت (حدود ششم و ہفتم صدی عیسوی) نے زمین کا دَور ۵۰۰۰ یوجن (اور ایک جگہ ۴۸۰۰ یوجن) اور قطر ۱۵۸۱ یوجن قرار دیا ہے۔ (کتاب الہند ص۱۶۱ و ۲۳۳ و ترجمہ انگریزی ص۳۱۲ جلد اوّل و ص۶۷ جلد دوم) بھاسکر آچاری نے (جسے اہل ہند متأخرین میں سب سے بڑا ہیئت داں مانتے ہیں) بظاہر برہم گپت پر اعتماد کیا ہے اور قطر زمین $\frac{1}{24}$ ۱۵۸۱ یوجن اور دور ۴۹۶۷ یوجن لکھا ہے۔ (ہندو اسٹرانومی ص۱۳۹)

یونانیوں اور ہندوؤں کے بعد مامون الرشید کے عہد امن و اقبال میں، جو عرب کے نشاۃ علمیہ کے حیرت انگیز نشو و نما کا زمانہ تھا، مسلمانوں نے مساحت کرۂ ارض کا اہتمام کیا۔ اس وقت پیمانہ استادیا کا جس سے یونانیوں نے اپنی پیمائشیں انجام دی تھیں، حساب کسی کو معلوم نہ تھا، اور اگر معلوم بھی ہوتا تو ایسے شدید اختلافات کی حالت میں اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ مسلمان اس اہم مسئلہ علمی کو خود تحقیق کریں۔ بنا بریں علم پرست مامون کے حکم سے پیمائش کا اہتمام کیا گیا۔ دشتِ سنجار اس کام کے لیئے منتخب ہوا۔ جہاں علمائے ہیئت ایک بڑی تعداد میں جمع ہوئے۔ اِن میں خالد مروزی، ابو البختری مساح اور علی ابن عیسیٰ اصطرلابی[۵] کے نام خاص طور پر ذکر کیئے جانے کے لائق ہیں[۱]۔ قرار پایا کہ جماعت دو حصّوں میں تقسیم ہو جائے۔ ایک گروہ شمال کی طرف روانہ ہوا اور دوسرا جنوب کی طرف

---

[۵] دیکھو فہرست ابن الندیم جہاں پر علی بن عیسیٰ ابن خلف المرو روذی اور اُس کے غلاموں کے جنھوں نے آلات ہیئت وغیرہ بنائے تھے نام دیئے ہوئے ہیں۔ [۱] دیکھو کتاب التفہیم ابو ریحان بیرونی نسخہ نواب ضیاء الدین خاں نیّر درخشاں ص۳۰ موجودہ لٹن لائبریری۔ مدرسۃ العلوم علی گڑھ۔

تدمر اور رقہ کے درمیان فاصلہ کو اذراع دعربی فٹ) سے ناپتے جاتے تھے۔ یہاں تک باب
کہ ہر گروہ نے ایک ایک درجہ ناپ لیا۔ یہ پہلی پیمایش تھی جو مسلمانوں نے انجام دی۔

فضلائے مغرب کو یقین نہیں آتا کہ یہ پیمایش جس کا عہد ماضی کے مسلمانوں سے واسطہ ہے، حسن و خوبی اور صحت و درستی سے انجام پائی ہو۔ ایک جلیل القدر فاضل، جنھوں نے انسائیکلوپیڈیا برٹانکا میں شکل زمین کے متعلق بسیط مضمون لکھا ہے، اس پیمایش کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کا نتیجہ کچھ زیادہ قابل اطمینان نہیں معلوم ہوتا[1]

آگے چل کر فاضل مذکور تحریر فرماتے ہیں کہ مامون کے بعد پندرھویں صدی عیسوی کے اختتام تک کسی کو اس مضمون کی جانب التفات کرنے کی توفیق نہیں ہوئی، یعنی اُس وقت تک جب یورپ میں دورِ جدید کا آغاز ہوا اور چند ارباب فضل و ہمت نے پیمایشیں کیں جو ایک حد تک قریب بصحت ہونے کی وجہ سے بہ حیثیت تاریخی مستحق ستایش اور مایۂ نازش تصوّر کی گئی ہیں[2]

تھوڑی دیر کے لیئے ان ارباب تحقیق کو اُن کے حال پر چھوڑیئے اور مامون اور بیرونی کی پیمایشوں کا حال سُنیئے۔ غالباً تاریخی حیثیت سے یہ پہلا موقع ہے کہ ان پیمایشوں کی صحیح کیفیت

سلہ دیکھو انسائیکلوپیڈیا مذکور جلد ہفتم ص ۵۹۷ اصل فقرہ انگریزی جو حسب ذیل ہے:-

But the result of this measurement does not appear to have been very satisfactory.

سلہ مثلاً ۱۶۳۵ء میں یعنی عہد مامونی سے آٹھ صدی بعد انگلستان میں رچرڈ نارووڈ (Rechard Norwood) نامی مہندس نے ایک درجہ کی مقدار ۶۹، ۱۷، ۳۶ فٹ معلوم کی تھی۔ اسے فاضل محقق نے واقعی مقدار سے قریب ہونے کی وجہ سے حیرت انگیز اور تعجب خیز خیال کیا ہے حالانکہ رجیسا آگے چل کر معلوم ہوگا) علمائے مامونی کا حساب اس سے کہیں بڑھ کر صحیح ہے اور بیرونی کی پیمایش سے تو اسے کوئی نسبت ہی نہیں۔

باب کو دنیائے علمی کے سامنے پیش کیے جانے کی مسرت حاصل کی جاتی ہے۔[۱]

قانون مسعودی کے مقالۂ پنجم کے ساتویں باب میں بیرونی نے مساحت کرۂ ارض کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ متقدمین میں ارطاستھنیس (۲۷۶-۱۹۶ ق م) نے دور ارض معلوم کرنے کی کوشش کی تھی اور ایک پیمانہ معروف بہ استادیا میں اپنی مساحت کی مقدار نکالی تھی۔ جب خلیفہ مامون الرشید کے زمانہ میں کتب ہیئت کا عربی میں ترجمہ ہوا تو اس بات کا خیال ہوا کہ دور ارض وغیرہ معلوم کیا جائے۔ چونکہ استادیا کی مقدار معلوم نہ تھی خلیفہ موصوف نے حکم دیا کہ دشت سنجار میں دائرہ ارض کے ایک دقیقہ کی مقدار معلوم کی جائے۔ چنانچہ (۳۶۰) اجزائے مفروضہ میں سے ایک جزو کی مقدار ۵۶ ۲/۳ میل معلوم ہوئی۔ ہر میل چار ہزار ذراع کا تھا اور ہر ذراع چوبیس انگشت کا ہوتا تھا۔ اس طرح ہر ایک جزو کے چھبیس ہزار چھ سو چھیاسٹھ اور دو ثلث ذراع اور ۱۸ فرسخ ۵۳ ۱/۳ دقیقہ ہوتے تھے۔ اور پورے دور کے آٹھ کرور سولہ لاکھ ذراع یعنی بیس ہزار چار سو میل یا چھ ہزار

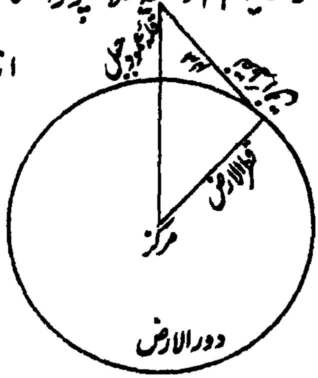
---

[۱] مامون کے زمانہ کی پیمائش کا ذکر اکثر تواریخ میں آتا ہے لیکن اس کی تفصیل سے بجز مستشرقین عام علما ناواقف ہیں بیرونی کی پیمائش کا کوئی مفصل بیان کہیں نظر سے نہیں گزرا، ممکن ہے کہ کسی مستشرق نے اس سے بحث کی ہو جو ہمیں معلوم نہیں ہے۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں جس کا آگے کئی جگہ ذکر آئیگا مامون کی پیمائش کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن حساب جو نکالا ہے وہ مامون کی صحیح پیمائش کی رو سے ٹھیک نہیں ہے۔ مامون کی پیمائش کا تذکرہ مسعودی نے مجمل طور پر کتاب مروج الذہب میں کیا ہے اور ایک درجہ کی مقدار ۵۶ میل لکھی ہے۔ (دیکھو ج ۱ ص ۱۸۲-۱۸۳ مطبوعہ پیرس نیز ص ۱۹۰-۱۹۱ جہاں بطلیموس کی پیمائش کا بھی تذکرہ ہے) مروج الذہب کی معلومات کی بنا پر موسیو کرا دے دو وے نے (M. Carradevaux) حال ہی میں اپنی کتاب (Les Penseurs de l'Islam) (ج دوم ص ۲۷-۳۱) میں مامون کی عہد کی مساحت کا ذکر کیا ہے اور بیرونی کی پیمائش کی طرف بھی اشارہ کیا ہے لیکن اس کے نتائج سے مفصل بحث نہیں کی صرف اس قدر لکھدیا ہے کہ بیرونی کے حساب سے ایک درجہ ۵۰ میل کا ہوتا ہے۔ مساحت مامونی کے متعلق بہترین بحث جو ہماری نظر سے حال ہی میں گزری وہ مستشرق عالم نالینو کی ہے جو اس نے اپنے جامعہ مصریہ کے لیکچروں

(بقیہ بر صفحہ آئندہ)

آٹھ سو فرسخ ۔ اِس حساب کے لکھنے کے بعد بیرونی کہتا ہے کہ اپنی شدت حرص کی وجہ سے شمال باب دہستان میں جو ارض جرجان میں تھا اُس نے اس تحقیق کی صحت عملاً کرنی چاہی لیکن موقع کی دشواری اور معین صادق کے نہ ہونے کی وجہ سے کچھ کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ جب بیرونی ارضِ ہند میں پہونچا تو وہاں اُس نے ایک صحرائے مستوی میں ایک پہاڑ دیکھا۔ یہ موقع جزو مذکور کی تحقیق کے لیئے نہایت موزوں معلوم ہوا۔ بیرونی نے ایک نئے قاعدہ سے پیمائش شروع کی۔

اوّل پہاڑ کی اونچائی نکالی جو ۶۵۲ ½ ذراع تھی۔ پھر اس زاویہ کی مقدار معلوم کی جو خط عمود جبل اور نقطہ اُفق و نقطہ قلہ جبل میں ہو کر گزرنے والے خط سے بنتا تھا۔ یہ زاویہ ۳۴ دقیقہ نکلا۔ پورا حساب درج کرنیکے بعد جو نتیجہ برآمد ہوا ہے وہ حسب ذیل ہے۔



از روئے حساب ہذا نصف قطر ارض = ۱۲۸۵۱۳۶۹ ذراع

محیط ارض = ۸۰۷۸۰۰۳۹ "

ایک درجہ منجملہ ۳۶۰ اجزاء مفروضہ کے = ۲۲۲۳۸۸ "

= ۲۶ میل ۵ دقیقہ ۵۶ ثانیہ ۶ ثالثہ

اِس طرح بیرونی نے اپنا اطمینان کر لیا۔ لیکن چونکہ مامون الرشید کے زمانہ میں علمائے ہیئت کے ایک جم غفیر نے نہایت سخت کوشش کے ساتھ حساب نکالا تھا، بیرونی نے

(بقیہ نوٹ صفحہ ما سبق) ۱۹۰۹ء و ۱۹۱۰ء مطبوعہ روما ۱۹۱۱ء موسومہ "علم الفلک تاریخہ عند العرب" میں درج کی ہے۔ چونکہ ہم اس بحث کو اپنے طریق پر مفصل لکھ چکے تھے اس لیئے موجودہ مضمون میں ہم نے اس سے کوئی استفادہ نہیں کیا جو صاحب مستشرق مذکور کی بحث دیکھنا چاہیں وہ ان لیکچروں کو مطالعہ فرمائیں۔ بیرونی کے نتائج کے متعلق مستشرق مذکور نے نہایت مختصر بحث کی ہے اگرچہ قانون مسعودی کے حوالے سے یہ بحث ہے اجمالی طور پر بتایا ہے کہ بیرونی کے حساب سے ۵۶ میل کا ایک درجہ ہوتا ہے۔

باب اس پہلے حساب کو مقدم رکھا اور اپنے سے زیادہ قابل اعتماد تصوّر کیا۔

لیکن آج ہمیں یہ منصب حاصل ہے کہ ہم دونوں حسابوں کی جانچ کریں اور دیکھیں کہ ان دونوں کوششوں میں کون سی کوشش حقیقۃً زیادہ کامیاب ہے۔

آگے بڑھنے سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ جس پیمانہ کی رو سے یہ پیمائشیں کی گئیں وہ کس اندازہ پر مقرر تھے۔ یہ تفصیل یاد رکھنے کے قابل ہے۔ اکثر قدیم اسلامی پیمائشوں کا مدار اسی پیمانہ پر تھا۔

عرض ۶ تار موئے یال اسپ	برابر	ایک جو
عرض ۶ جو معتدل	"	ایک اصبع انگشت
۱۲ اصبع	"	ایک وجب
۲ وجب	"	ایک ذراع (فٹ عربی)
۲۴ اصبع (انگشت)	"	ایک ذراع "
چار ہزار ذراع (ارش سودا)	"	ایک میل (عربی)
تین میل	"	ایک فرسخ (فرسنگ)

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس قدیم پیمانہ کی مطابقت کسی موجودہ پیمانہ سے کس طرح کی جائے؟ تحقیق سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ عربی میل (یعنی چار ہزار اذراع یا عربی فٹ) ۶۴۷۳ فٹ انگریزی کے برابر ہے[۱]

---

۱ دیکھو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (زیر طبع باہتمام ڈاکٹر آرنلڈ وغیرہ) ص ۴۹۸ بحوالہ مستشرق نالینو۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (محولہ صدر) میں پیمائش مامونی کا ذکر کیا ہے اور ایک جزو کا اوسط حساب $56\frac{2}{3}$ میل عربی لیکر (۳۶۶۸۴۲) فٹ نکالے ہیں۔ ہمیں چونکہ قانون مسعودی سے بالکل صحیح اعداد حساب مامونی کے معلوم ہوئے ہیں

چونکہ انگریزی میل ۵۲۸۰ فٹ کا ہوتا ہے اربعہ متناسبہ کے قاعدہ سے نہایت آسانی سے پورا حساب لگ سکتا ہے کہ چار ہزار اذراع برابر ہیں ۶۴۷۳ فٹ انگریزی کے۔ تو[۱] اتنے اذراع کتنے فٹ کے برابر ہونگے۔ جب فٹ کی تعداد نکل آئے تو ۵۲۸۰ فٹ سے اُن معلوم شدہ فٹوں کو تقسیم کر دینے سے انگریزی میل معلوم ہو جائینگے۔ باٹ

[اسی طریقہ پر حساب لگا کر ہم نے پیمایش ہائے ماموںی و بیرونی کے حسب ذیل فٹ اور میل انگریزی معلوم کیئے ہیں۔]

حساب از روئے پیمایش ماموںی			حساب از روئے پیمایش بیرونی		
ایک جزو	= ۲۲۶۶۶۶ ۲/۳	ذراع	ایک جزو	= ۲۲۴۳۸۸	ذراع
	= ۳۶۶۸۰۲ ۱/۳	فٹ[۱]		= ۳۶۳۱۱۵	فٹ
کُل دَور	= ۸۱۶۰۰۰۰	ذراع	کُل دَور	= ۸۰۷۸۰۰۳۹	ذراع
	= ۲۵۰۰۹ ۲/۷	میل		= ۲۴۷۷۸ ۱/۲	میل
نصف قطر ارض	= ۲۲۹۷۹۵۰۰	ذراع	نصف قطر ارض	= ۲۲۸۵۱۳۶۹	ذراع
	= ۳۹۷۸۰۴۴	میل		= ۳۹۳۸۷۷۴	میل

(بقیہ نوٹ ص ۱۹۶) لہذا ہم نے اذراع کی فٹوں میں تحویل کی ہے اسی وجہ سے ہمارے حساب تقریباً ۱۳ فٹ اور کم ہوتے ہیں (دیکھو انسائیکلوپیڈیا مذکور حرف A مضمون اسٹرانومی ہیئت) ص ۷۹۸۔

[۱] قانون مسعودی میں پیمایش ماموںی کی تفصیل میں صرف جزو اور دَور کے اعداد دیئے ہیں اور قطر زمین کے اعداد نہیں ہیں لیکن کتاب التفہیم میں بیرونی نے (بحساب ماموںی) قطر زمین کو ۱/۱۱ ۲۱۶۳ فرسنگ لکھا ہے۔ ہم نے اسی بنا پر نصف قطر ارض کا حساب بھی جیسا کہ علمائے ماموںی نے معلوم کیا تھا شامل کر دیا ہے و نیز (Journal asiatique 1886. T VII. P. 489) میں موسیو سوویر (M. Sauvaire) کا مضمون متعلق طریق مساحت مسلمانان بعنوان (Materiaux pour ... la metrologie Musulmane) مستشرق نالینو نے بھی ایک جداگانہ مقالہ عربوں کی مساحت کی مقداروں کی بابت اطالوی زبان میں لکھا ہے جس کا حوالہ ہماری نظر سے ایک جگہ گزرا ہے مصر کے مشہور فلکی محمود پاشا مرحوم نے بھی عربی میل کی مقدار تحقیق کی تھی مستشرق نالینو کے حساب سے عربی ذراع ۴۹۳ و ۳ ملی میٹر (Millimetre)

باب ۸ اِس سے پہلے کہ اِن پیمائشوں کی صحت و خوبی کا اندازہ ہوسکے، یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ یہ پیمائشیں کن عروض البلاد میں انجام دی گئی تھیں، ہم اوپر دیکھ چکے ہیں کہ درجوں کی مقداریں مختلف عروض کے لحاظ سے کسی قدر فرق پایا جاتا ہے۔ بدیں وجہ پوری پوری مطابقت اُسی وقت ہوسکتی ہے جب ازروئے معلوماتِ موجودہ صحیح مقداریں درجوں کی نکال کر اور مامون و بیرونی کی پیمائشوں کے پہلو بہ پہلو رکھ کر دیکھا جائے۔

تدمر اور رقہ کا میدان ۳۴ اور ۳۶ عروض شمالی کے درمیان میں واقع ہے اور بیرونی کی سیاحت ہند کا رقبہ (جیسا کہ کتاب الہند ص ۱۶۰ سے معلوم ہوتا ہے) ۳۴ اور ۲۹ عروض کے مابین ہے[۱]۔

مندرجۂ ذیل جدول کے دیکھنے سے پیمائش ہائے مذکورہ کی کیفیت ظاہر ہوگی

	عروض جن کے مابین پیمائشیں کی گئیں		عروض مذکورہ میں مقدار درجہ بحساب تحقیقات موجودہ	مقدار درجہ بحساب مامون و بیرونی		فرق
عروض مساحت مامونی (زیر نگرانی مامون [illegible])	۱-	۳۴	تقریباً ۳۶۴۱۵۰ فٹ	۳۶۶۸۰۲ فٹ	۱	+ ۲۶۵۲ فٹ
	۲-	۳۶	″ ۳۶۴۲۳۳ ″		۲	+ ۲۵۶۹ ″
	۳-	۳۸	″ ۳۶۴۳۲۶ ″		۳	+ ۲۴۷۶ ″
(عروض پیمائش بیرونی) ([illegible])	۱-	۳۴	″ ۳۶۴۱۵۰	۳۶۳۱۱۵ فٹ	۱	- ۱۰۳۵ ″
	۲-	۲۹	″ ۳۶۴۶۰۵		۲	۸۲۹ ″

(بقیہ نوٹ ص ۱۹۷) اور میل ۲۳۰۷ء۱۹ میٹر (metre) کا ہوتا ہے اور محمود پاشا مرحوم کے حساب سے نالینو کے عربی میل میں صرف چالیس سینٹی میٹر زیادہ ہیں جو چنداں قابل لحاظ نہیں ہیں (ص ۲۸۸ و ۲۸۹ علم الفلک مصنفۂ نالینو مطبوعہ روما ۱۹۱۱ء)

[۱] انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں جہاں پیمائش مامونی کی طرف اشارہ کیا ہے میدان مابین تدمر و رقہ کو ۳۶ اور ۳۸ عروض کے بیچ میں مان کر درجہ کی مقدار ۳۶۳۹۶۵ فٹ قرار دی ہے۔ ہم نے بہ نظر احتیاط جغرافیوں اور نقشوں کو بغور دیکھا تو

اعداد بالا کو بغور دیکھنے سے ثابت ہوگا کہ پیمایش مامونی میں (۶۹) میل انگریزی میں باٹ جو درجہ کی اوسط مقدار ہے' زائد از زائد آدھا ($\frac{1}{2}$) میل زیادہ ہے۔ اور پیمایش بیرونی میں تقریباً $\frac{1}{2}$ سے $\frac{1}{5}$ میل کم ہے۔ فی الحقیقت یہ ایسا خفیف اختلاف ہے جو آج بھی (باوجود آلات جدیدہ کی حیرت انگیز باریکی اور معلومات موجودہ کی بے حد ترقی کے) متفرق پیمایشوں میں واقع ہوتا ہے اور بہترین صحیح پیمایشوں میں ہمیشہ ہوتا رہیگا۔

درجہ کی مقدار جانچ لینے کے بعد اب دَور اور قطر کا حساب دیکھنا باقی ہے۔ تحقیقات کی رو سے کرۂ ارض کا پورا دَور تقریباً (۲۴۸۰۵) میل ہے[1] اور نصف قطر تقریباً (۳۹۵۰) میل ہے مقابلہ سے ظاہر ہوگا کہ بحساب مامونی دَور تقریباً (۱۵۳) میل اور نصف قطر تقریباً ۲۰ میل زیادہ ہے۔ اور بحساب بیرونی دَور تقریباً ۸۰ میل اور نصف قطر تقریباً ۱۲ میل کم ہے۔ مامون اور البیرونی کی پیمایشوں کو تفصیل سے پڑھ لینے کے بعد ہم اُن کا مقابلہ یونانی اور ہندی پیمایشوں سے بھی جن کا اوپر ذکر آیا ہے کرنا چاہتے ہیں اس کے لیئے ہمیں پہلے اُستادُ یا اور یوجن کے انگریزی فٹوں کی تحویل سامنے رکھنی چاہیئے۔

تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ یونانی اُستادیا (۶۰۶) فٹ اور ۹ انچ انگریزی کے برابر ہوتا ہے (نلسن کی انسائیکلوپیڈیا حرف ایس لفظ اسٹاڈیا و انسائیکلوپیڈیا برٹانکا) جیسا کہ بیرونی نے پوری توضیح اور تحقیق کے ساتھ کتاب الہند میں لکھا ہے۔

ہندی یجن (بتیس سوا ذراع) کے برابر ہوتا ہے۔ (کتاب الہند ص ۷۹ و ۲۳۳ ترجمہ انگریزی)

(بقیہ نوٹ ص ۱۹۸) ثابت ہوا کہ یہ میدان فی الحقیقت ۳۴ اور ۳۶ عروض کے بیچ میں ہے۔ علاوہ ازیں درجہ کی جو مقدار بلحاظ عروض مذکورہ انسائیکلوپیڈیا میں مانی گئی ہے وہ ہمارے حساب سے کم ہوتی ہے۔ اگر اس مقدار کو صحیح مانا جائے تو درجہ بحساب ملت مامونی ۲۰۷۷ فٹ زیادہ ہوتا ہے اس معاملہ میں ہم نے اتباع کو نظر انداز کر کے اپنی تحقیقات پر بھروسہ کیا ہے۔

[1] دیکھو کتاب الہیئت (Astronomy) مصنفہ اے آرہنکس (جلد ۳ ہوم یونیورسٹی لائبریری) ص ۱۵۶ نصف قطر (۶۳۷۰) کلومیٹر کا ہے چونکہ ایک کلومیٹر برابر ہوتا ہے ۶۲۱ء میل کے لہذا نصف قطر ۳۹۵۰٫۷۰ میل کا ہوا۔

باب صفحہ ۱۶۶ و ۱۶۷ جلد اوّل و صفحہ ۶ جلد دوم) جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں، چار ہزار ادرع فٹ عربی (یعنی ایک میل عربی) ۶۴۷۳ فٹ انگریزی کے برابر ہوتا ہے۔ (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام بحوالہ مستشرق نالینو صفحہ ۴۹۸)

استادیا اور یوجن کی موجودہ مقدار معلوم ہو جانے کے بعد حساب لگا لینا چنداں دشوار نہیں۔

ہم نے ذیل کی جدول میں اہل یونان و اہل ہند و اہل اسلام کی دورِ ارض کی مذکورہ بالا پیمائشوں کو انگریزی میلوں میں تحویل کر کے قوسین میں تحقیق حال کی رُو سے ان پیمائشوں کی کمی بیشی دکھائی ہے۔

جدول مندرجہ کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ اہل یونان میں سب سے بہتر نتیجہ پاسی داتیوس کا ہے جو تحقیق حال سے تقریباً پونے تین ہزار میل زیادہ ہے۔ اسی کے لگ بھگ اراتسطاتھنیر کے اعداد ہیں۔

بطلیموس کے حساب میں تقریباً چار ہزار میل کی کمی ہے۔

اہل ہند میں سب سے بہتر نتیجہ آریا بھاٹ کا ہے جو واقعی مقدار سے آٹھ ہزار چار سو میل زیادہ ہے باقی اور علمائے ہند کے حساب سے دور زمین کی مقدار واقعی مقدار سے دگنی ہوتی ہے۔

اہل اسلام میں ماموں کے حساب میں صرف (۱۵۰) ڈیڑھ سو میل زیادہ ہیں، اور بیرونی کے حساب میں صرف (۸۰) میل کی کمی ہوتی ہے۔ یہ ایسا خفیف فرق ہے جو آج بھی مختلف پیمائشوں میں ہوتا رہتا ہے اور کسی شمار میں نہیں آسکتا۔

دور کرۂ ارض	بروئے تحقیق	علمائے حال	۲۴۸۵۸ میل انگریزی
(۱) اہلِ یونان	۱	ارسطو	۴۵۹۶۴ (۲۱۱۰۶)
	۲	اراتسطاتیس	۲۸۷۲۷ (۳۸۷۰)
	۳	ہالی ڈینوس	۲۷۵۷۸ (۲۷۲۱)
	۴	بطلیموس	۲۰۸۸۴ (۳۹۷۳-)
(ب) اہلِ ہند	۵	آریابھاٹ	۳۳۱۷۷ (۳۹۷۳)
	۶	بلیس	۵۰۹۳۴ (۲۶۰۷۸)
	۷	برہم گپت	۵۰۹۴ (۲۶۰۷۸)
	۸	آچاری	۴۸۷۱۴ (۲۳۸۵۷)
(ج) اہلِ اسلام	۹	مامون	۲۵۰۰۹ (۱۵۲)
	۱۰	بیرونی	۲۴۷۷۹ (۷۸-)

بلاشبہ بیرونی کی مساحت حیرت کی نظر سے دیکھی جانے کے قابل ہے اور موجودہ آلات کی باریکی اور پیہم تحقیقات کو ملحوظ رکھتے ہوئے بیرونی کی فضیلتِ ذہنی

باب کا اظہار کرتی ہے۔

۱؎ ہیئت کے مختصر رسالہ قوشجی میں جس کا مؤلف الغ بیگ کا تحقیقات ہیئت کا شریک علی بن محمد قوشجی تھا، خاتمہ بر معرفت ابعاد و اجرام کے تحت میں لکھا ہے "برصد و حساب معلوم کردہ اندکہ دورِ عظیم یعنی محیط عظیمہ کہ برزمین فرض کنند ہشت ہزار فرسخ ست و ہر فرسخ سہ میل و ہر میل سہ ہزار گزی سی و دو اصبع و ہر اصبع مقدار عرض شش جو معتدل و عرض ہر جوئے معتدل شش تار موئے یال اسپ باشد و قطر زمین دو ہزار پانصد و چہل و پنج فرسخ ست"۔

جس پیمانہ کی رو سے یہ پیمایش مندرج ہے وہ اُس پیمانہ سے مختلف ہے جس سے مامون و بیرونی نے تحقیقاتِ مساحتِ ارض انجام دی تھیں۔ پیمانہ مذکورۂ قوشجی نویں صدی ہجری میں سمرقند اور دیگر ممالک وسط ایشیا میں مروج تھا۔ بہرحال اصبع کی مقدار میں کوئی فرق نہیں ہے۔ فرق اتنا ہی ہے کہ ذراع عربی ۲۴ اصبع کا اور میل عربی (۴۰۰۰) چار ہزار ذراع کا ہوتا تھا۔ لیکن سمرقندی گز ۳۲ اصبع کا اور (۳۰۰۰) تین ہزار گز کا ہے۔ قوشجی کی تحریر سے محیط اور قطر کی مقدار حسب ذیل ثابت ہوتی ہے:-

محیط		قطر	
۸۰۰۰	(فرسخ)	۲۵۴۵	(فرسخ)
۳ / ۲۴۰۰۰	(میل)	۳ / ۷۶۳۵	(میل)
۳۰۰۰ / ۷۲۰۰۰۰۰۰	(گز)	۳۰۰۰ / ۲۲۹۰۵۰۰۰	(گز)
۳۲ / ۲۳۰۴۰۰۰۰۰۰	(اصبع)	۳۲ / ۷۳۲۹۶۰۰۰۰	(اصبع)

مامون کی پیمایش سے اصبع کی تعداد حسب ذیل نکلتی ہے۔

محیط		قطر	
۸۱۶۰۰۰۰۰	(ذراع)	۲۵۹۵۹۰۰۰	(ذراع)
۲۴ / ۱۹۵۸۴۰۰۰۰۰	(اصبع)	۲۴ / ۶۲۳۰۱۶۰۰۰	(اصبع)

(بقیہ نوٹ ص ۲۰۲) اگرچہ قوشجی کا لکھا ہوا حساب اتنا صحیح نہیں ہے جتنا ماموں یا بیرونی کا ہے۔ لیکن اس بات کو باث صریح طور پر ظاہر کرتا ہے کہ یہ حساب ماموں یا بیرونی کی پیمایشوں کی نقل نہیں ہے۔ بلکہ کسی تیسری پیمایش کا نتیجہ ہے۔ بہت ممکن ہے کہ الغ بیگ اور قوشجی کی ذاتی تحقیقات سے ہو۔ رسالہ قوشجی لٹن لائبریری میں میری نظر سے گزرا ہے۔ جہاں اس کا ایک قلمی نسخہ محفوظ ہے۔

رسالۂ تہذیب الاخلاق جلد (۱) شمارہ (۸) بابت ماہ شعبان سنہ ۱۳۲۹ ہجری ص (۱۴۴) دفعہ (۱۷) میں بحوالۂ خلاصۂ تاریخ العرب ص (۳۴۰) مؤلفہ موسیو سید یو لکھا ہے کہ الغ بیگ مرزا نے قوشجی کو ملک چین کی سیاحت کو بھیجا تھا۔ جہاں قوشجی نے خط نصف النہار کے درجات تحقیق کیئے اور کرۂ ارض کی پیمایش کی۔

اگر "خلاصہ" کا بیان کسی مستند تاریخی روایت پر مبنی ہے تو ہمارا قیاس ہے کہ پیمایش مذکورۂ رسالہ قوشجی کسی تیسری تحقیقات اسلامی کا نتیجہ ہے بالکل صحیح ثابت ہوگا۔

باب ہشتم

البیرونی کی شخصیت پر ایک مجموعی نظر

کہا جاتا ہے کہ ازمنۂ ماضیہ میں تمام علوم وفنون میں دست گاہ حاصل کر لینا چنداں دشوار نہ تھا۔ اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ عہد گزشتہ میں علوم کی تعداد محدود تھی اور جو علوم موجود تھے اُن میں زیادہ وسعت پیدا نہ ہوئی تھی۔ برخلاف اس کے موجودہ زمانہ میں ناممکن ہے کہ کوئی شخص تمام علوم وفنون میں دست گاہ حاصل کرنے کا خیال کر سکے، علاوہ کثرت علوم و فنون کے ہر علم اتنا ترقی پا گیا ہے کہ کسی ایک علم میں ہی تبحر حاصل کرنے کے لیئے پوری عمر کفایت کرتی ہے۔ جو شخص موجودہ زمانہ کی علمی ترقی کا معمولی تصور بھی اپنے دماغ میں رکھتا ہو گا اُسے اس بات کے تسلیم کرنے میں پس وپیش نہ ہوگا کہ فی زماننا علوم وفنون میں جامعیت پیدا کرنا قوت بشری سے قطعاً بالا ہے۔ البتہ متقدمین کے بارے میں اس حد تک اختلاف کی گنجائش ہے کہ علوم قدیمہ میں بھی کثیر الذاتی پیدا کرنا اور جامعیت حاصل کرنا اتنا سہل نہ تھا، جتنا ہمارے زمانے کے لوگ فرض کر لیتے ہیں۔

مسلمانوں کی گزشتہ علمی تاریخ پر عبور حاصل کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ علمائے اسلام میں ایسے فضلا بکثرت گزرے ہیں جو مذاقہائے گوناگوں رکھنے کے باوجود جامعیت وہمہ گیری کا ادعا کر سکتے تھے۔ بیرونی کے حالات پر نظر ڈالنے سے ظاہر ہے کہ وہ بھی اسی زمرۂ متبحرین میں داخل ہے، لیکن اُس کے حالات اور تصانیف پر غور کرتے ہوئے تسلیم کرنا پڑتا ہے

کہ اس منتخب جماعت میں بھی وہ خاص طور پر ممتاز نظر آتا ہے اور اُس کے مذاق علمی کی باثث
رنگا رنگی اُس کے جامعیت اور جودت ہمیشہ اور ہر زمانہ میں انسانی فطرت، ذہنی تربیت
اور علمی تشنگی کی مستثنےٰ اور مخصوص مثال سمجھی جائیگی۔

علم و حکمت، مشاہدہ و تجربہ کا وہ کونسا شعبہ ہے، جس سے بیرونی کو دلچسپی نہیں اور
جس میں اُس کی نمایاں اور ممتاز قابلیتوں کے آثار تاباں نہیں پائے جاتے اس کے
تمام کمالوں سے قطع نظر کرکے اگر تھوڑی دیر کے لیئے اُسے محض ایک محقق السنہ کی
حیثیت سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مبدءِ فیض سے بیرونی کو زبانوں کے سیکھنے کے
لیئے غیر معمولی استعداد عطا ہوئی تھی۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے بیرونی کی مادری زبان
خوارزمی فارسی تھی۔ لیکن بغیر عربی زبان میں دست گاہ کامل حاصل کیئے ممکن نہ تھا کہ
اُس زمانے میں کوئی شخص اعلیٰ مدارج تعلیم تک رسائی حاصل کرسکتا۔ اگرچہ ادبی ترقیوں
کے لحاظ سے یہ دور فارسی زبان کا عہد زریں ہے اور ان ترقیوں میں وسط ایشیا اُس وقت
خاص طور پر مصروف اور حصہ دار تھا لیکن عربی زبان علوم حکمت اور اعلیٰ مذاق علمی کے
لیئے ابھی تک مخصوص تھی۔ اسی وجہ سے بیرونی نے سب سے پہلے عربی زبان میں کمال
حاصل کیا۔ لیکن علم و حکمت کے جس شوق نے اُسے عربی زبان سیکھنے پر مجبور کیا تھا اسی شوق
نے اُسے اور بہت سی زبانیں سیکھنے پر مجبور کیا۔ سغدی اور خوارزمی جو فارسی کی مختلف
تاریخی اور مقامی صورتیں تھیں، اُن کے سیکھنے میں ممکن ہے کہ چنداں دقت نہ اٹھانی پڑی
ہو لیکن عبرانی اور سریانی زبانوں سے واقفیت پیدا کرنے کے لیئے بیرونی کو کافی
محنت برداشت کرنی پڑی ہوگی۔ آثار الباقیہ کے دیکھنے سے کامل یقین ہو جاتا ہے کہ بیرونی
اِن زبانوں سے بھی آشنا تھا، چنانچہ کئی جگہ ان زبانوں کی اصل عبارتیں اُس میں منقول ہیں[1]

[1] مثلاً دیکھو ص ۱۵ - ۱۶ - ۱۹ -

باب۸ اِن سب سے بڑھ کر دشواری اور صعوبت اُسے سنسکرت زبان کے سیکھنے میں برداشت کرنا پڑی۔ ایسی اجنبی اور مشکل الحصول زبان میں دستگاہ حاصل کرنے کے واسطے علاوہ اور قوتوں کے غیر معمولی حافظے کی قوت درکار تھی، جو شخص پچاس سال کے بعد اسقدر قوی حافظے کا مالک تھا لاریب جوانی اور لڑکپن میں اُس کا حافظہ اپنی نظیر آپ ہی ہوگا۔ سنسکرت ہند کی علمی زبان تھی، لیکن بیرونی ہندوستان کی بعض مقامی زبانیں بھی جانتا تھا۔ یہ سب اُمور بیّن طور پر ثابت کرتے ہیں کہ اُس میں زبان دانی کا غیر معمولی ملکہ ودیعت ہوا تھا، اور یہ اُسی کا دماغ تھا کہ اتنی مختلف زبانوں میں مہارتِ تامّہ رکھنے کے ساتھ علوم حکمت کے ہر شعبے میں بھی حیرت انگیز تبحر رکھتا تھا۔

علوم حکمت کی یہ حالت ہے کہ جس طرف نظر دوڑائی جاتی ہے بیرونی کی شخصیت امتیازی حیثیت سے نمایاں نظر آتی ہے۔ طبیعیات، مابعد الطبیعیات، منطق، ریاضی، ہیئت، نجوم، علم آثار عتیقہ، تاریخ تمدن، علم السنین، علم المذاہب، علم الکیمیا اور جغرافیہ ان تمام شعبہائے حکمت میں مساوی طور پر اُس کی جودت طبع اور تبحر کا ثبوت ملتا ہے، بلکہ علم حیوانات ونباتات و طبقات الارض کے ماہرین بھی نہایت تپاک کے ساتھ بیرونی کا اپنے زمرہ میں خیر مقدم کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ درختوں کے قد وقامت وغیرہ کے متعلق حکیمانہ بحث کرنے والا اور حیوانات کے عجائب وغرائب میں فلسفیانہ تحقیقات کی خدمت انجام دینے والا تاریخی حیثیت سے بلاشبہ محققین کے اس گروہ میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ ذیل میں ہم کتاب الہند سے ایک مقام نقل کرتے ہیں جو ارض ہند کے متعلق ہے اور اُمید کرتے ہیں کہ وہ لوگ جو علم طبقات الارض کی تحقیقاتِ جدیدہ سے واقفیت رکھتے ہیں بے اختیار بیرونی کی دقّتِ نظری کی داد دینگے۔

باب
"اگر تم ہند کی زمین کو دیکھ کر اُس کی اصلیت پر فکر و غور کروگے یا اُن مدوّر پتھروں کو جو زمین کے کھودنے پر نکلتے ہیں جانچوگے تو نہایت غور اور فکر کے بعد تم کو ماننا پڑیگا کہ ارضِ ہند کسی زمانے میں زیرِ سطحِ آب تھی، اِس لیئے کہ یہ مدوّر پتھر پہاڑوں کے قریب جہاں دریا کی رَو تیز ہوتی ہے بڑے ہوتے ہیں اور جیوں جیوں پہاڑوں سے دُوری بڑھتی جاتی ہے اور رفتہ رفتہ دریا کی روانی ہلکی پڑتی جاتی ہے یہ پتھر بھی چھوٹے ہوتے جاتے ہیں حتیٰ کہ دریا کے دہانے پر بہت ہی چھوٹے ریگ کے ذرّوں کی طرح ہوجاتے ہیں پس معلوم ہوتا ہے کہ وہ سمندر دریا برآوردمٹی سے بھر کر ارضِ ہند بن گیا"

(کتاب الہند باب ۱۸)

بیرونی کی فلسفہ دانی کا ذرا خیال کیجیئے اس شعبے میں اُس کی معلومات اکثر متقدمین کی طرح محض افلاطون و ارسطو کے خیالات تک محدود نہیں ہیں، بلکہ ہندوؤں کے پیچیدہ مسائل فلسفہ میں بھی وہ کامل بصیرت رکھتا ہے۔ علاوہ بریں دنیا کے مختلف مذاہب اور اقوام کے خیالاتِ فلسفہ سے آگاہ ہونے کی وجہ سے اُس کے فلسفیانہ معلومات کے حدود اندازے سے بڑھ کر وسیع پائے جاتے ہیں۔ صفائے ذہن اور حُسنِ تعقل کی یہ حالت ہے کہ قبولیت عامّہ نے معاصرین میں "محقق" کے خطاب کا سہرا بیرونی ہی کے سر باندھا ہے۔ علوم ریاضی میں بیرونی کی اعلیٰ تربیتِ ذہنی اور جودتِ طبع کی حالت محتاج بیان نہیں ہے یہ وہ شعبہ علم ہے، جو اُس کے فضل و کمال کا مرکزِ ثقل معلوم ہوتا ہے۔ بیرونی نے علوم ریاضی کی تکمیل کے لیے محض یونانی خزینۂ معلومات پر اکتفا نہ کیا تھا، بلکہ ہند کے علمی سرچشمے سے بھی پورا فیض اُٹھایا تھا۔ اپنے زمانے کے علمائے ریاضی میں وہی ایک شخص تھا

باث جو اس بات کا دعویٰ کرسکتا تھا کہ وہ مشرق و مغرب کی معلومات پر دسترس رکھتا اور دنیا کے ہر ریاضی داں کو کچھ نہ کچھ نیا سبق دے سکتا تھا۔

ہندسہ و حساب میں اتنا کمال حاصل کیئے بغیر کس طرح ممکن تھا کہ بیرونی علم ہیئت کے آسمان میں مہر منیر ہو کر چمکتا۔ "قانون مسعودی" کا مصنف مسلمانوں کے اُس علمی دور سے تعلق رکھتا ہے، جب علم ہیئت کا شوق نہایت عروج کی حالت میں تھا، اور اس میدان میں ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی ہر اسلامی ملک میں کوششیں ہو رہی تھیں یہ ناممکن تھا کہ بیرونی جیسا محبِّ حکمت ہیئت کے دلچسپ مشاغل سے بے اعتنائی روا رکھتا۔ ابتدائے عمر سے لے کر آخیر تک بیرونی کو ہیئت اور متعلقات ہیئت سے جو غیر معمولی لگاؤ رہا، اُس کا اظہار اُس کی تصانیف کی فہرست سے ہوتا ہے۔ لیکن صحیح اندازہ کرنے کے لئے لازمی ہے کہ قانون مسعودی پر، جو فنِ ہیئت میں اسلامی ترقی کی بفضل خدا زندہ یادگار اور بیرونی کی تصانیف میں (باتفاق رائے متقدمین و متاخرین) سب سے ممتاز تصنیف ہے، نظر ڈالی جائے بیرونی کے فضل و کمال کا اندازہ کامل اُس وقت تک کبھی نہ ہوسکیگا جب تک اُس کی صبر آزما تحقیقات ہیئت کو روز روشن میں لاکر نہ دکھایا جائے۔ قانون مسعودی میں علاوہ اس کے کہ بیرونی نے متقدمین کی بہت سی غلطیوں کو درست کیا ہے، بہت سے ایسے طریقے اور قاعدے دنیا کے سامنے پیش کیئے ہیں جن کے اختراع کا سہرا اُس کے سر ہے۔ یہ کتاب تحقیقات کے واسطے ایک نہایت بیش از قدر خزانہ ہے چنانچہ چھٹے باب میں ہم نے البیرونی کی کرۂ ارض کی مساحت کا حال قانون مسعودی سے ماخوذ کرکے لکھا ہے جس سے اِس کتاب کی اہمیت پر روشنی پڑتی ہے۔

آلات ہیئت میں بھی بیرونی نے نہ صرف بہت سی حیرت آمیز اصلاحیں کی تھیں، بلکہ

اس فن میں اُسے ایجاد کا فخر بھی حاصل ہے۔ آلات اور اُن کے استعمالات کے متعلق اُس کی باب
مستقل تصنیفات ہیں۔ ایک خاص "اصطرلاب" جس کا نام "الاسطوانی" ہے بیرونی کی ایجاد سے تھا۔ متقدمین اصطرلاب سے جو عجیب عجیب فائدے اٹھاتے تھے اُس کا حال اس سے معلوم ہو سکتا ہے (جیسا کہ بیرونی نے نہایت شرح و بسط کے ساتھ کتاب التفہیم میں تحریر کیا ہے)[1] کہ اس کے ذریعہ سے اجرام سماوی کا ارتفاع، طلوع آفتاب سے قبل اوقات اور اوقات معلومہ کی مدد سے ارتفاع شمس، ساعات شب، کواکب ثابتہ کا ارتفاع اور ارتفاع کواکب سے اوقات وغیرہ وغیرہ مسائل ہیئیہ کے معلوم کرنے کے علاوہ دریا یا زمین کی گہرائی معلوم کر سکتے تھے جہاں رسّی کام میں نہیں آسکتی تھی اور پیمائش کسی طرح ممکن نہ ہوتی تھی۔ کنوئیں کی گہرائی کسی منارہ یا پہاڑ یا دیوار کی اونچائی، خواہ ہم اُن کی جڑ تک پہونچ سکیں یا نہ پہونچ سکیں اصطرلاب کے ذریعہ سے بغیر پیمائش وغیرہ کے معلوم ہو سکتی تھی۔

بیرونی اکثر حکمائے متقدمین کی طرح سکون ارض اور حرکت شمس کا قائل تھا اس بارے میں اُس نے قانون مسعودی میں بحث کی ہے۔ اور "التطبیق" نام کا ایک رسالہ بھی تحقیق حرکت شمس میں لکھا تھا۔ ایک انگریز عالم علم ہیئت جارج فاربس نے (G. Forbes) اپنی تاریخ ہیئت میں اس بحث کے متعلق ایک نہایت عمدہ رائے لکھی ہے، جس کا یہاں نقل کر دینا مناسب ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ:-

"ہمیں اس امر کا اعتراف کرنا ہوگا کہ واقعات کی ایسی حالت میں
جب کہ ہنوز جذب و ثقل کے ذریعہ سے نظام شمسی کے مختلف افراد میں

---

[1] دیکھو کتاب التفہیم نسخہ نواب نیّرِ درخشاں ص ۲۲۴ - ۲۳۱ - اور نسخہ سید سعید۔ ورق ۹۰ تا ۹۷ جو مدرستہ العلوم علی گڑھ کی لائبریری میں موجود ہیں۔

باب ۸

ربط کا کوئی سوال پیدا نہ ہوا تھا، ٹائکو براہے (Tycho Brahe) نامی ہیئت داں متوفی ۱۶۰۱ء کے دلائل متعلق بسکون ارض جیسا کہ ہمیں توقع کرنی چاہیئے، علمی اور بالکل صحیح ہیں۔ کچھ تعجب نہیں کہ ماہرینِ ہیئت عام طور پر کوپرنکس (Copernicus) کی (جس نے یورپ میں سب سے پہلے حرکتِ ارض کے متعلق خیال ظاہر کیا تھا) رائے کو تسلیم نہیں کرتے تھے"۔[1]

فاربس نے جو قول براہی کی نسبت کہا ہے وہی بے کم و کاست بیرونی کے حق میں بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے۔ بلاشبہ کیپلر (Kepler) (متوفی ۱۶۳۱ء) اور نیوٹن (Newton) (متوفی ۱۷۲۷ء) سے پہلے جب تک حرکت اور کشش کے قوانین ضبط نہ ہوئے تھے محال تھا کہ کوئی صائب الرائے حرکت ارض کے متعلق براہین قاطع پیش کر سکتا، لیکن پھر بھی بیرونی جیسے محتاط متبحر کی مندرجۂ ذیل رائے اُس کے کمال احتیاط علمی کی واضح دلیل ہے۔ بیرونی اپنی تصنیف "استیعاب" میں "اصطرلاب زورقی" کے متعلق لکھتا ہے:۔

"ابو سعید سنجری نے ایک بڑا اصطرلاب بنایا تھا جس کا عمل مجھ کو بہت پسند آیا اور میں نے ابو سعید کی بہت تعریف کی، کیونکہ جن اُصول پر اس کو قرار دیا تھا وہ کرۂ ارض کو متحرک تسلیم کرتے ہیں۔ میں اپنی جان کی قسم کھاتا ہوں کہ یہ عقدہ ایسی شبہ کی حالت میں ہے کہ اس کا حل کرنا نہایت

---

[1] دیکھو ہسٹری آف اسٹرانومی (History of Astronomy) مصنفہ جارج فاربس ایم اے، ایف آر ایس (G. Forbes) (مطبوعہ واٹس اینڈ کو ۱۹۰۹ء) ص ۳۸۔

باب ۶

دشوار اور اُس کا رد کرنا نہایت مشکل ہے۔ مہندسین اور علمائے ہیئت
اِس عقدے کے رد میں بہت پریشان ہونگے اور ہرگز کوئی دلیل اُس کے
باطل ثابت کرنے میں نہ لاسکیں گے۔ میری تحریر پر اُنھیں طعنہ زن ہونا
چاہیئے کیونکہ حرکت شبانہ روز کو خواہ وہ حرکت ارض کا باعث سمجھیں خواہ
حرکت سماکی وجہ قرار دیں دونوں صورتوں میں اُن کی صناعت میں کسی
قسم کا فرق نہیں آسکتا۔"[^1]

ہیئت سے گزر کر جس وقت ماہرینِ فن بیرونی کی جغرافیائی تحقیقات پر نظر ڈالتے ہیں تو نظری و عملی دونوں حیثیتوں سے اُس کے کمال فضل کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ ریمنڈ بیزلے (Reymond beazley) جس نے جغرافیہ جدید کی ایک مبسوط تاریخ تین ضخیم جلدوں میں تحریر کی ہے (جس کے مطالعہ کرنے سے یورپ کی آج سے چند صدی پیشتر کی جغرافیہ دانی کی تاریک حالت کا نقشہ نظر کے سامنے پھر جاتا ہے) لکھتا ہے کہ "بیرونی اپنے زمانے کا سب سے بڑا جغرافیہ داں تھا۔" "جغرافیہ کی اس شعبہ میں، جس میں متقدمین علمائے اسلام نے ایسی خدمات جلیلہ انجام دیں، البیرونی شاید تاریخ اسلام کے ہر عہد اور ہر قوم میں سب سے بڑا امام ہے۔ مسعودی اور ابن حوقل کے بعد جس مسلمان نے علم جغرافیہ میں قوی آثار یادگار چھوڑے ہیں وہ غزنوی ارسطو ابوریحان ہے جو البیرونی کے نام سے شہرۂ آفاق ہے۔۔۔۔۔۔ اِس شخص نے جو علمائے اسلام میں حقیقۃً محقق کے خطاب کا مستحق ہے، اپنی دورانِ تصانیف میں جو تمام انسانی علم پر حاوی ہیں، جیسا کہ اُس زمانے کے بہترین دماغ میں متصور ہو سکتا تھا، ایک کتاب جغرافیہ و ہیئت

---

[^1]: دیکھو مولوی عنایت اللہ صاحب بی اے (علیگ) کی "مقالات ابوریحان بیرونی" ص ۲۱-۲۲

باب ورياضي پر لکھی جو زمانہ مابعد میں "قانون مسعودی" کے مبارک نام سے نامزد ہوئی۔[1]

قانون مسعودی میں ایک نہایت طویل فہرست اطوال البلاد اور عروض البلاد کی درج ہی جو بیرونی کی ساری عمر کی سیاحت اور علمی کوششوں کا ماحصل ہی [دیکھو مقالہ پنجم ب "فی اثبات اطوال البلدان وعروضها في جداول"]۔ محض سمت قبلہ کی تحقیق میں بیرونی کے نصف درجن رسالے ہیں، جسے اُس کے مذہبی خلوص کی متعدد مثالوں میں سے ایک مثال سمجھنا چاہیئے۔ نیز اطوال البلاد اور عروض البلاد کی تصحیح اور تحقیق میں بھی کئی رسالے ہیں۔ اِس کے علاوہ جغرافیائی نقشوں کے متعلق مستقل تالیف چھوڑی ہی جس کا نام ہی "تحدید المعمورہ وتصحیحها في الصوره"۔ اِسی ضمن میں وہ تصانیف بھی شمار کرنی چاہئیں جو تسطیح صور اور تبطیح کور (یعنی مجسمات کو مسطحات اور اجسام کروی کو سطحات مستوی میں بدلنے) کے متعلق ہیں۔ ان میں بیرونی نے یہ بتایا ہی کہ قواعد ریاضی کی مدد سے کس طرح کروی چیزوں کو ایسا پھیلایا جائے کہ کچھ حسابی فرق نہ آئے۔ یہ ایک نہایت کارآمد چیز ہی اور جیساکہ بیرونی نے لکھا ہی یہ قواعد سیاروں اور کواکب اور نیز زمین کے نقشے تیار کرنے میں استعمال کیئے جاسکتے ہیں۔ بیرونی نے آثار میں یہ بھی لکھا ہی کہ اُس سے پہلے اس مبحث پر کسی نے قلم نہیں اُٹھایا تھا اور یہ پہلا موقع تھا کہ دنیا کے روبرو وہ اس مضمون کو پیش کررہا تھا۔[2]

ہیئت اور جغرافیہ طبیعی کے ذیل میں بیرونی کی وہ تصانیف بھی داخل ہیں جن میں مذنبات، ذوائب (دُمدار اور گیسودار ستارے) کواکب منقضہ (ٹوٹنے والے تارے)

---

[1] دیکھو تاریخ آغاز جغرافیہ جدید (History of the Dawn of modern geography) (مصنفہ ریمنڈ بیزلے جلد اول باب اول و باب آخر)
[2] دیکھو آثار الباقیہ ص ۳۵۷

اور ہوا میں روشن ہونے والی چیزوں کے متعلق بحث کی ہے یا جن میں آثارِ علوی (یعنی سحاب، مطر، رعد، برق، صاعقہ، برف، ژالہ وغیرہ کائنات جو) کے حالات طبیعی درج ہیں۔ مثلاً "مقالہ فی دلالۃ الآثار العلویہ علی الاحداث السفلیہ" کتاب الہند میں ہندوستان کے جغرافیہ پر جو باب تحریر کیا ہے، اور جسے رشید الدین نے جامع التواریخ میں تقریباً حرف بہ حرف نقل کیا ہے، وہ اپنی صحت اور وسعت معلومات کے لحاظ سے ایک عجیب و غریب تاریخی چیز سمجھا جاتا ہے[1]۔ باب

کچھ علوم ریاضی اور ہیئت پر ہی منحصر نہیں ہے تاریخ تمدن، علم آثار اور علم المذاہب میں بیرونی کے علمی کارنامے آج بھی حیرت اور استعجاب سے دیکھے جاتے ہیں اس نے بڑی سے بڑی دشواریاں ان شعبہائے حکمت کے لیئے مواد جمع کرنے میں برداشت کیں اور اسی وجہ سے اس کی تصانیف میں تاریخی استقراء کے نہایت قیمتی ذخائر پائے جاتے ہیں۔ کتاب الہند اور آثار الباقیہ (جن کی خوبیاں ناظرین پر روشن ہیں) اس قسم کے معلومات سے مالا مال ہیں۔

نہایت افسوس ہے کہ بیرونی کی تاریخ محمود غزنوی، تاریخ خوارزم اور قرامطہ اور مبیضہ کی تاریخیں مفقود ہیں اور یہ ایسا افسوس ناک علمی نقصان ہے جس کی تلافی کسی طرح ممکن نہیں۔

الغرض بیرونی کے حالات پر نظر ڈالنے سے اول جو بات سب سے زیادہ بیّن ہے وہ بیرونی کا ہمہ گیر مذاق حکمت ہے، جو تمام شعبہائے حکمت کی تسخیر میں مصروف نظر آتا ہے اور دوسری جو بات سب سے زیادہ حیرت ناک ہے وہ اس قدر مختلف اور متعدد شعبوں

[1] دیکھو جامع بہادر خانی ص۔ [2] دیکھو ایلیٹ وڈوسن کی تاریخ ہند جلد اول و دوم۔

باب میں اسکا مہارت تامہ حاصل کرنا ہو۔ یہ ایک ایسا عظیم الشان کارنامہ ہے، جو فرد واحد کی بساط سے کہیں بڑھ کر معلوم ہوتا ہے خیال ہوتا ہو کہ گویا اُس کی نظر کیمیا اثر کے ساتھ معلومات کے انبار اُس کے سامنے جمع ہوجاتے ہیں اور اُس کا نکتہ رس اور دقیقہ سنج دماغ نہایت سہولت اور خوبی کے ساتھ اُن میں سے اپنے مقاصد حاصل کرلیتا ہو۔ باوجود اس کے یہ امر ممکن تھا کہ بغیر شدید محنت کے محض ذہن اور حافظہ یہ خدمات جلیلہ انجام دے سکتے۔ شہرزوری نے اُس کی محنت اور شوق کا حال اِس طرح بیان کیا ہو:۔

"بیرونی ہمیشہ علوم کے حاصل کرنے میں محو رہتا تھا اور کتابوں کی تصنیف پر جھکا ہوا تھا۔ اپنے ہاتھ سے قلم کو دیکھنے سے آنکھ کو اور فکر سے دل کو کبھی جدا نہیں کرتا تھا مگر سال میں صرف دو روز یعنی نوروز اور مہرجان کے دن جب وہ اپنے کھانے وغیرہ کے سامان کو مہیّا کرتا تھا"۔

اللہ اکبر جس شخص کی محویت اور شوق کی یہ حالت ہو اور ساتھ ہی مبدء فیض سے ایسی طبیعت پائی ہو ظاہر ہے کہ وہ کس پایہ کا عالم ہوگا۔ تلاش اور دقور شوق کا اس سے اندازہ کیجئے کہ متواتر چالیس برس تک وہ ایک کتاب کی تلاش میں سرگرم رہا اور اُس وقت تک چین نہ آیا جب تک وہ کتاب دستیاب نہ ہوگئی۔ اس واقعہ کو بیرونی نے اپنے مکتوب میں اس طرح لکھا ہو:۔

"میں نے ابوبکر بن زکریا الرازی کی اُس کتاب کو جو علم الٰہی کے متعلق ہو مطالعہ کیا۔ اُس میں اُس نے مانی کی کتابوں کی طرف رہنمائی

کی ہے۔ بالخصوص اُس کتاب کی طرف جس کا نام سفرالاسرار ہے۔ مجھے باث
اس کتاب کے نام سے ایسی فریفتگی ہوئی جیسے اور لوگوں کو کیمیا کے
متعلق سونے چاندی کی فریفتگی ہوتی ہے۔ میری نو عمری بلکہ حقیقت کی
پردہ پوشی نے دل میں اس کتاب کی طلب کرنے کی کمال خواہش پیدا
کی کہ کسی شہر یا ملک میں جہاں اپنا شناسا ہو اُسے تلاش کیا جائے۔ میں
چالیس برس سے کچھ زیادہ اسی تپش کی بے تابیوں میں رہا یہاں تک
کہ جند ہمدان سے ایک شخص آیا جس نے فضل ابن سہلان کے ذریعہ سے
کچھ کتابیں پائی تھیں اور اُسے معلوم ہوا تھا کہ مجھے اُن کا بہت اشتیاق
تھا۔ شخص مذکور نے ان کتابوں کو مجھ سے ملاقات حاصل کرنے کا وسیلہ
بنایا۔ اُس کے پاس ایک مجموعہ تھا، جس میں مانی کی حسب ذیل کتابیں تھیں
فرقماطیہ، سفرالجوابرہ، کنزالاحیاء، ضح الیقین، تاسیس، انجیل اور شابورقان
اور مانی کے چند دوسرے رسالے تھے اور میری مطلوبہ کتاب سفرالاسرار
بھی ان میں شامل تھی۔ مجھے اس قدر خوشی ہوئی جیسے پیاسے کو
شربت کے دیکھنے سے ہوتی ہے۔ لیکن اخیر میں ایسا ملال ہوا جیسے ناگوار
چیز کھانے سے ناگوار ڈکار آتی ہے۔ میں نے خدا کو اپنے قول میں سچا
پایا کہ "جس کو خدا روشنی نہیں دیتا اُس میں روشنی نہیں ہوتی" پھر
میں نے اُس کتاب میں سے لغو اور بیہودہ باتوں کو باختصار ایک جگہ
جمع کر دیا تاکہ جو شخص میری طرح گرفتارِ مصیبت ہو اسے پڑھ کر جلد شفا
حاصل کرے جیسا کہ میرا حال ہوا۔"

باب صرف اس ایک واقعہ سے ناظرین اندازہ کر سکتے ہیں کہ بیرونی کی تلاش کتب کی کیا کیفیت تھی۔ لاریب بغیر اس شوق کے یہ جستجو نہیں ہو سکتی تھی اور بغیر ایسی جستجو کے یہ تبحر حاصل ہونا ممکن نہ تھا۔

بیرونی کے تمام افعال اور اغراض کا منتہا محض علم و حکمت حاصل کرنا تھا اور اس غرض و غایت کے پورا کرنے کا جو موقع بھی اُسے ملتا تھا وہ اُس سے بغیر فائدہ اُٹھائے نہ رہتا تھا۔ ذرا اس واقعہ پر غور کیجئے کہ سرزمین ہند میں سنسکرت زبان سیکھنے کے لئے آپ سفر فرما رہے ہیں، یکایک ایک میدان مستوی السطح اور جبل قائم نظر آتے ہیں۔ فوراً ذہن منتقل ہوتا ہے کہ خط نصف النہار کے ایک درجے کی مقدار معلوم کرنے کے واسطے یہ ایک نہایت موزوں موقع ہے۔ وہیں ٹھہر جاتے ہیں اور آلات ہیئت نکال کر مساحت کے عمل شروع کر دیتے ہیں اور آخر جب تک درجۂ مذکور کی مقدار تحقیق نہیں ہو لیتی اور آپ کا اطمینان نہیں ہو جاتا آگے نہیں بڑھتے۔ بیرونی نے اپنی زندگی محض کنج عزلت میں نہیں گزاری تھی بلکہ بہت کچھ سفر کیا تھا اور خوب دنیا دیکھی بھالی تھی۔ میدان مشاہدہ اور میدان معلومات وسیع ہونے کی وجہ سے اُس میں اجتہاد اور جدّت بہت زیادہ پائے جاتے ہیں۔ مشاہدے کی قوت نہایت دُوربین اور نکتہ رس ہے۔ ہر شے کی علمی تحقیقات اُس زمانے میں بیرونی کا حصّہ ہے۔ بڑی بات جو دماغی فضل اور حرّیت ذہن پر دلالت کرتی ہے۔ یہ ہے کہ اُس کا مدار صرف حکماء کی تصانیف کی تقلید اور خیالات کی غلامی پر نہ تھا، بلکہ وہ ہمیشہ نئی بات پیدا کرنے اور نئے علوم اختراع کرنے یا موجودہ علوم کے دائرۂ معلومات کو وسیع کرنے پر مائل رہتا تھا۔ نیز تحقیقات علمی میں جن کا مدار مشاہدہ و تجربہ پر ہے وہ کبھی مطمئن نہ ہوتا تھا

تاوقتیکہ خود بھی عملی ثبوت بہم نہ پہونچا لیتا۔ یہی وجہ ہے کہ اُس کی معلومات اس قدر صحیح اور قابل قدر ہیں۔ جرمن محقق ڈی بور بیرونی کی بابت تاریخ فلسفۂ اسلام میں لکھتا ہے۔ باثبات

"بیرونی بالخصوص ریاضی، ہیئت، جغرافیہ اور علم الآثار میں مصروف رہتا تھا۔ وہ ایک نہایت بالغ النظر اور دقیقہ رس محقق گزرا ہے۔ فلسفے پر جس سے اُسے مسائل مشکلہ کی عقدہ کشائی میں بہت کچھ مدد ملتی تھی۔ اس کی توجہ ہمیشہ مبذول رہتی تھی اس لیئے کہ (بخیال بیرونی) فلسفۂ تہذیب و شائستگی کا جزو لاینفک ہے۔ ....

آریا بھاٹ کے مقلدین کے اس خیال کو بیرونی نے اپنی تائید رائے کے ساتھ پیش کیا ہے کہ "جو کچھ ضیائے خورشید سے منور ہے، ہمیں اُس کی حقیقت جان لینا کافی ہے اور جو کچھ اُس سے علاوہ ہے وہ چاہے بیرون از قیاس وسیع کیوں نہ ہو ہمارے واسطے لاحاصل محض ہے۔ اس لیئے کہ جہاں شعاع آفتاب نہیں پہنچتیں وہ حواس کی رسائی سے باہر ہے اور جہاں حواس کو یارائی نہیں اُس کی بابت ہم کچھ بھی نہیں جان سکتے" اس بات سے ہم پتہ لگا سکتے ہیں کہ بیرونی کا یہ فلسفہ تھا کہ حواس کی مدد سے اشیاء کو معلوم کرنا اور عقل و فکر کی یاوری سے کام لینا یہی علم الیقین ہے۔ نیز یہ کہ ضروریات مدت حیات انسانی کے لیئے ہم کو فلسفۂ عملی کی ضرورت ہے جس سے درست و نادرست کی تمیز کر سکیں ...."[1]

---

[1] دیکھو تاریخ فلسفۂ اسلام (History of Philosophy in Islam) مصنفہ ڈی بور (T. J. De Boer) ص ۱۴۵

تحقیقات کے لیئے جو مضامین بیرونی کے دماغ میں گزرتے ہیں وہ بھی بعض اوقات اپنی نوعیت کے لحاظ سے نئے رنگ کے ہوتے ہیں۔ کہیں درختوں کے قد و قامت کی علمی تحقیقاتیں ہو رہی ہیں، کہیں جواہرات اور فلزات کے حجم کی نسبت سے بحث کی جارہی ہے۔ کہیں ملمع سازی کے گر بتائے جارہے ہیں، کہیں جواہرات کی شناخت اور ماہیت کا حال لکھا جارہا ہے۔ کہیں عید تیوہاروں کی کیفیت تحریر ہو رہی ہے، کہیں گنڈے تعویذ جھاڑ پھونک نیرنجات اور طلسمات وغیرہ[1] کے متعلق تحقیقات کی سرگرمی دکھائی جارہی ہے۔ کہیں یہ ثابت کیا جارہا ہے کہ قطبین کے نیچے رات اور دن مل کر ایک سال کے ہوتے ہیں، اور کہیں پیمانوں اور وزنوں اور ترازو باٹوں کا حال لکھا جارہا ہے۔ غرض تاریخ تمدن کی ادنیٰ سے ادنیٰ اور اعلیٰ سے اعلیٰ بات میں وہ دلچسپی رکھتا ہے اور اپنی موشگافی اور ہمہ دانی سے دوسروں کے سامنے اس طرح پیش کر سکتا ہے کہ جو باتیں بادی النظر میں معمولی معلوم ہوتی تھیں، بیرونی کی تحقیقات سے کامل اعتنا اور توجہ کی مستحق قرار پاجاتی ہیں۔

اوپر کہیں ڈی بور کے اس قول کو ہم نے نقل کیا ہے[2] کہ ابن سینا اپنے ہمعصر بیرونی سے علوم حکمت اور جودتِ طبع میں کمتر پایہ رکھتا تھا۔ بادی النظر میں تعجب ہوتا ہے کہ ابن سینا کو اس قدر شہرت نصیب ہوئی اور بیرونی کا جو اپنے معاصرین میں سب پر فوقیت رکھتا تھا، زمانے نے نام تک بھلا دیا۔ میرے خیال میں اس کی وجہ یہ ہے کہ ابن سینا نے طب میں معرکۃ الآرا تصانیف چھوڑیں جن کی ہر وقت اور ہر زمانے میں ضرورت پڑتی

---

[1] جیساکہ بیرونی نے آثار الباقیہ ص ۲۳۰ میں اشارہ کیا ہے "کتاب الصناعۃ الطبیعیۃ والغرائب الصناعیۃ" میں ماسوا دیگر مباحث کے گنڈے تعویذ وغیرہ سے بھی بحث کی تھی [2] دیکھو تاریخ فلسفۂ اسلام ص ۱۳۳۔

اور قدر ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے ابن سینا کا نام زبان زدِ عوام رہا۔ بیرونی نے بھی چند کتابیں طب میں لکھی تھیں (اس شعبۂ حکمت سے بھی بیرونی تعلق رکھتا تھا) لیکن وہ عام دلچسپی سے قدرے بالا تھیں۔ اس کی اکثر تصانیف ہیئت، ریاضی، تاریخ، آثار وغیرہ جیسے علوم میں تھیں، جن کے سمجھنے اور قدر کرنے والے ہمیشہ کم ہوئے ہیں۔ عہد ما بعد میں جب مسلمانوں پر علمی جمود کا عالم چھایا اور اجتہادِ فکر کی جگہ تقلید محض نے لے لی تو متأخرین کی ناقدر شناسی اور مذاقِ علمی کی تبدیلی کی بدولت بیرونی کی وہ شہرت جس کا وہ مستحق تھا عوام میں برقرار نہ رہی۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ جس دور سے بیرونی تعلق رکھتا تھا اُس میں بھی اُس کی شہرت کی یہی کیفیت تھی۔ نہیں بلکہ اُس دَور کے لوگ ایسے متبحر کی پوری قدر جانتے تھے۔ اس زمانے کا میلان علمی ترقی کی جانب تھا۔ اور جو شخص ترقی علم میں اپنی سعی و جہد مبذول کرتا تھا اُس کی قدر و منزلت بالعموم ہوتی تھی۔ بیرونی کی کتابوں کی فہرست پر نظر ڈالیئے تو معلوم ہوگا کہ مسائل حکمت میں وہ قریب و بعید کا مرجع بنا ہوا تھا۔ ممالکِ اسلام کا کیا ذکر ہند اور کشمیر کے علما حلِ مسائل کے لیئے اُس کی طرف رجوع کرتے تھے۔ ایسی بہت سی کتابیں ہیں جن کو مختلف فضلا کی فرمایش سے، جو متفرق مقامات کے رہنے والے تھے، تالیف کیا ہے۔ اِن سب باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس دَورِ ترقی میں اُس کی شہرت دنیائے تمدن میں چار سو پھیل گئی تھی۔

بیرونی کے شاگرد امام حکیم لبیبی سے ایک روایت منقول ہے جو بیرونی کے فاضلانہ طرز تحریر پر گہری روشنی ڈالتی ہے۔ یہ روایت لبیبی نے اپنے اُستاد کی کسی کتاب کے حاشیہ پر لکھدی تھی۔

"ہمارے اُستاد شیخ رئیس کی عادت یہ تھی کہ جب وہ اپنی کتابوں میں کسی

ب علمی چیز کا ذکر کرتا تھا تو اُس کی مثال نہیں لاتا تھا اور اگر مثال دیتا بھی تھا تو ایسے مغلق اور دیر سمجھ الفاظ میں کہ اِس کا سمجھنا دشوار ہوتا تھا۔ میں نے اس کا سبب دریافت کیا تو اُستاد نے لکھا کہ "میں اپنی تصنیفات کو مثالوں سے اس لیئے خالی رکھتا ہوں تاکہ اُن اُمور میں غور کرنے والا جو میں نے اِن تصنیفات میں ودیعت کی ہیں خوب کوشش کرے اور اس میں اجتہاد اور کوشش کا مادّہ ہو اور علم دوست ہو۔ جس شخص کی یہ شان نہ ہو میں اُس کی پرواہ نہیں کرتا۔ وہ سمجھے یا نہ سمجھے میرے نزدیک برابر ہے"

اگرچہ یہ روایت بیرونی کی معرکۃ الآرا تصانیف کے متعلق بالکل صحیح ہے (اور اعلیٰ علمی تصانیف کے متعلق یہ شکایت اکثر کی جاسکتی ہے) لیکن اس کا اطلاق اُس کی کل تصانیف پر نہیں کیا جاسکتا۔ بہت سی کتابیں (مثلاً "مبادی الہیئت" "کتاب التفہیم") اُس نے سہل پیرایہ میں مبتدیوں کی استعداد مدِ نظر رکھتے ہوئے لکھی ہیں اور دقیق مسائل کو نظر انداز کر کے اصلی اور ابتدائی باتوں کو وضاحت اور مثالوں کے ساتھ سمجھایا ہے۔ مثلاً کتاب التفہیم لیجئے۔ اس کتاب میں کثرت سے شکلوں اور نقشوں سے کام لیا گیا ہے جیسا کہ فی زماننا اعلیٰ درجے کی ابتدائی کتابوں میں دستور ہے۔ برخلاف اس کے قانون مسعودی میں صرف نہایت ضروری اشکال ہندسی کا استعمال کیا ہے۔ اسی طرح پر مضامین کا بھی قیاس کر لیجئے۔ "قانون" میں مجرّد اصول بیان کیئے گئے ہیں اور وہ بھی نہایت ایجاز کے ساتھ۔ اس کتاب کے پڑھنے والے کے متعلق بیرونی یہ فرض کر لیتا ہے کہ وہ اس فن کا ماہر ہے۔ لیکن کتاب التفہیم میں محض اصول ہی نہیں بتائے جاتے بلکہ اُن کو

مثالوں شکلوں ہر طرح سے پڑھنے والے کے، جسے مصنف اس فن کا مبتدی فرض کرتا ہے، باثِ
ذہن نشین کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

بلاشبہ بیرونی کا رجحانِ طبع زیادہ تر علوم حکمت کی جانب ہے، لیکن خالص ادبی دلچسپیاں بھی اُس کے دائرۂ تبحر سے خارج نہیں۔ ہزل و سخف میں اُس کی متعدد تصانیف ہیں۔ فن شعر کے متعلق ایک مستقل تالیف ہے اور ناظرین کو خیال ہوگا کہ ابی تمّام کے (جو شعرا میں بیرونی کا سب سے عزیز شاعر معلوم ہوتا ہے) اشعار کے متعلق بھی دو کتابیں ہیں۔ کبھی کبھی البیرونی خود بھی شعر کہتا تھا، چنانچہ اُس کی چند نظمیں یاقوت نے ارشاد الاریب میں نقل کی ہیں، جن کو ہم اس سے پہلے البیرونی کے حالات میں مختلف موقعوں پر نقل کر چکے ہیں اور اس جگہ اُن کا اعادہ غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ خالص ادبی فضل کی کیفیت کا اس سے بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ جابجا عبارت مقفّٰی اور فقرے متوازن ہوتے ہیں۔ الفاظ کی موزونیت کی (بقول مستشرق سخاؤ) یہ حالت ہے کہ جو لفظ جہاں استعمال کیا ہے وہاں دوسرا لفظ اُس کی جگہ جوڑ نہیں کھاتا۔ اختصار اور ایجاز کا حال اوپر لکھا جا چکا ہے۔ مناسب اشعار بھی کبھی کبھی دورانِ تحریر میں قلم سے نکل جاتے ہیں اور برمحل کلام مجید کے حوالجات بھی بے تکلف شاملِ تحریر پائے جاتے ہیں یہ تمام امور بیرونی کی عربی زبان کی انشا پردازی کا کمال ظاہر کرتے ہیں۔ البتہ سخت ظلم ہوگا اگر انشا پردازی کا انداز ایسی علمی کتابوں سے کیا جائے جیسے قانون مسعودی، جہاں مضامین کی نوعیت خود انشا پردازی اور رنگینی تحریر کی مانع ہے۔

اب ہم بیرونی کے فضل و کمال کے مختصر بیان کو ختم کر کے اُس کے اخلاق و عادات کی طرف ناظرین کی توجہ مبذول کرتے ہیں۔ بیرونی کی تصانیف سے ظاہر ہے کہ وہ

باب ایک بے تعصّب، صلحِ کل، آزاد مشرب اور بالاے ہمہ حق پرست حکیم تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اُس کے حلقۂ احباب میں مختلف مذاہب کے لوگ شامل تھے، جن کے میل جول سے وہ علمی فائدہ اُٹھاتا تھا۔ آثار اور الہند کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ عیسائی، یہودی، زردشتی، صوفی، ہندو، پنڈت غرض ہر قوم اور مذہب کے لوگ، جن سے اُسے اپنی زندگی میں واسطہ پڑا اُس کے دوست تھے اور اس کے کہنے کی ضرورت نہیں کہ بیرونی کے مذاق فطری کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ دوستی بالعموم بربناے علم و حکمت ہوتی تھی۔ بیرونی کی طبیعت میں ظرافت کا مادّہ بھی پایا جاتا ہے، لیکن اُس کا مذاق سنجیدہ ہے اور ہجو ملیح ہوتی ہے۔

بیرونی بلاشبہ آزاد مشرب اور روشن خیال حکیم تھا، لیکن حاشا وہ قیودِ مذہب سے آزاد یا عقائدِ ملت سے منحرف نہ تھا، بلکہ اس کے برخلاف جا بجا اس کی قوی مذہبیت اور حُسنِ عقیدت کے علامات نظر آتے ہیں۔ کلام مجید کے حوالجات جس سہولت سے وہ پیش کرتا ہے، اُس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ قرآن شریف پر وہ کامل عبور رکھتا تھا۔ سمت قبلہ کی تحقیق کے متعلق نصف درجن رسائل کا تحریر کرنا دوسری دلیل اُس کے جوشِ ملّی کی ہے۔

یہ ناممکن تھا کہ بیرونی جیسا ذکی الطبع اور عمیق النظر حکیم عقلِ انسانی کی حدود اور مذہب الٰہی کی برتری سے ناآشنا رہتا۔ تاریخ اسلام میں بیرونی سے بہت پہلے عقل و مذہب کا معرکہ شروع ہو گیا تھا اور بہت سے ایسے اہلِ خیال پیدا ہو گئے تھے جو عقل کو بے جا فضیلت دینے اور مذہب کو عقل انسانی کی ماتحتی پر مجبور کرنے پر مُصر تھے۔ بیرونی اُن اہلِ خیال کے دائرہ سے خارج ہے۔ وہ سب سے پہلے اس بات کا قائل ہے کہ مذہب الٰہی عقل کا مخالف نہیں ہو سکتا لیکن اُسے اس سے انکار ہے کہ انسانی عقل ہمیشہ صحیح

مسلک اختیار کرتی اور تعقل وتخیل کی غلطیوں سے مبرا رہتی ہی۔ لہذا اُس کا عقیدہ یہ ہے باب
کہ مذہب الٓہی کو صیحح مان کر اپنی عقول کو مسائل الٓہی کا تابع رکھنا چاہیئے اور اگر کبھی اتفاقاً
ایسے اُمور نظر آئیں جو ہماری عقل سے مطابق نہ ہوں تو اُن کا انکار نہ کر دینا چاہیئے بلکہ جہاں
تک ہو سکے فکر وغور سے کام لینا چاہیئے۔ بنا بریں خیالات بیرونی ابوبکر بن زکریا الرازی
کی بیرون از حد روشن خیالی اور مذہبی آزادی کا مخالف ہی اور اُن تمام لوگوں سے اختلاف
رکھتا ہی جو مذہب کو اپنی محدود عقل کا غلام بنانا چاہتے یا مذہب کو عقل کی مخالف شے
تصور کرتے ہیں۔ ایسے خیالات سے وہ پناہ مانگتا ہی۔ اسی طرح وہ اُن لوگوں کا بھی مخالف
ہی جو خواہ مخواہ محض جہالت اور تعصب کی وجہ سے عجیب وغریب مذہبی پہلو تراش کر
فلسفہ وعلوم طبیعی کی مخالفت کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ وہ لکھتا ہی:۔

"میرا اس ساری بحث سے یہاں یہ مقصود ہی کہ اُن لوگوں کے خیالات
کی تردید کردوں جو یہ کہتے ہیں کہ فلسفیانہ اور طبیعی اسباب ونتائج قرآن
کے بیانات کے خلاف ہیں اور جو کسی فقیہ یا مفسر کے قول کی بناء پر
کسی امر کی تائید کرنا ضروری جانتے ہیں"۔

قدیم تذکرہ نویسوں کا دستور تھا کہ جب کسی عالم یا حکیم کے حالات لکھتے تو آخر میں
اُس کے چند پند ونصائح اور حکیمانہ اقوال ضرور درج کر دیا کرتے تھے شہرزوری اور
بیہقی نے بھی ابو ریحان بیرونی کے مختصر تذکرے میں معمول کے موافق یہی اسلوب
اختیار کیا ہی۔ ہم بھی تیمناً اُن اقوال کو درج کیئے دیتے ہیں جنھیں مورخین مذکورین نے

لہ بیہقی نے لکھا ہی کہ "میں نے بیرونی کی تصانیف میں سے اکثر اُس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی دیکھی ہیں۔۔۔۔
اور اُس کی تصانیف ایک بار شتر سے زیادہ ہیں اور اس سعی مشکور میں خدا نے اُس کو توفیق بخشی تھی"۔ ۱۲

باب اُس علّامہ اجل کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور اسی پر ہمارا ختم کلام سمجھ لینا چاہیئے۔

بیرونی نے کہا ہے کہ بادشاہوں کے لیئے بڑی اندیشہ ناک چیز انتقام لے کر سزا دینا ہے۔

بادشاہ کو درویش ہوجانے کا سب لوگوں سے کم خطرہ ہوتا ہے لیکن ہلاکی کا سب سے بڑھ کر اندیشہ ہوتا ہے۔ پس اُسے چاہیئے کہ نہ بزدلی کرے نہ بخیلی جو چیز اُس کے پاس کم ہوتی ہے زیادہ نہیں ہوتی اور جو چیز زیادہ ہوتی ہے کم نہیں ہوتی۔

احسان جتانا محسن کے احسان کو باطل کر دیتا ہے۔

ہوشمند وہ شخص ہے جو کل کے اُمور کی تدبیر آج کر کے بے پروا ہوجائے۔

کسی چھوٹی چیز کو حقیر نہ سمجھنا چاہیئے، اس لیئے کہ چھوٹی چھوٹی چیزیں بعض موقع پر مفید ہوتی ہیں اور بعض موقع پر اُن کی سخت ضرورت پڑتی ہے۔

وہ اُمور جو اُنس اور عادت سے جمع ہوجائیں اور عام لوگ انھیں تسلیم کر لیں اُن کی مخالفت نہ کرنا چاہیئے۔

جو شخص ایسا ہو جو گفتگو سے مودّب بن سکتا ہے اُسے تازیانے اور تلوار سے ادب نہ دینا چاہیئے۔

عاداتِ صالحہ علاماتِ خیر و حق ہیں۔

حکما اور علما کے اخلاق کا مطالعہ عمدہ عادتوں کو زندہ کرتا اور بدعت کو ہلاک کرتا ہے۔

آج کے لیئے امرِ حاضر اور کل کے لیئے وہ امر جو کل پیش آئے کافی ہیں۔

ضمیمۂ اوّل

دیباچہ قانونِ مسعودی

المسعود من سعد بالله وتفرد
بتاييده اياه عن الاشكال والاشباه
فلا واضع لمن رفع، ولا واجد لما منع
والّا كان يبلغ ملك الاسلام،
مشارق الارض المعمورة ومغاربها
ويتناهى خبره الى اباعدها بعد
اقاربها لولا اظهاره تعالى العزة لرسوله
وللمؤمنين، بعد ان وجده يتيما
فآواه، وعائلا فاغناه، حتى شرح
صدره، ورفع له ذكره، واظهر به
دينه، واعلى كلمته وامره۔
ثم خلف بعده نوره الذي
لا ينطفي بالافواه، ولا يبطل
بتكذيب الالسن والشفاه

نیک بخت ہے وہ جو خدا کی توفیق سے نیک ہوا، اور
جو اس کی تائید سے ہم جنس و ہم عصر اشخاص میں یکتا
ہو گیا۔ جسے خدا نے اونچا کیا اُسے کوئی پست کرنے والا
نہیں ہے، اور جسے اللہ نے نہ دیا اُسے کوئی دینے والا
نہیں ہے۔ آباد زمین کے پورب پچھم تک ملک اسلام
کیونکر پہنچتا اور اس کی خبر دنیا کے نزدیک اور بعید
ازاں دور کے حصوں تک کیسے جاتی، اگر خدائے تعالے
اپنے رسول اور مومنین کی عزت کا اظہار نہ فرماتا۔
بعد اس کے کہ آں حضرت کو جو یتیم تھے پناہ دی اور
محتاج تھے غنی بنایا، یہاں تک کہ آپ کا سینہ کھول دیا
آپ کا ذکر بلند کیا، آپ کے ذریعہ سے اپنے دین کو ظاہر کیا
اور اپنے کلمہ اور حکم کو بلند کیا۔ بعد ازاں خدا نے
نبی کے پیچھے اُس نور کا دوسروں کو خلیفہ
بنایا جو پھونکوں سے نہیں بجھ سکتا اور نہ زبانوں

ضمیمہ اوّل

وا ودعه اولیائه للتبصیرة والهدایة والاحتجاج بمکانه علی ذوی الغوایة، یظاهرون به خلفاء الامة، وینتصرون بایدیه ممن تاید او اعتصم بذمته۔ کالملک الاجل السید المعظم ظهیر خلیفة الله وناصر دین الله وحافظ عباد الله، المنتقم من اعداء الله، ابی سعید مسعود بن یمین الدولة وامین الملة محمود اطال الله بقائه، وادام الی المعالی والمآثر ارتقائه۔

اور ربوں کے جھوٹا کرنے سے باطل ہو سکتا ہے اور اُسے اپنے اولیا کو دنیا کو بصیرت دینے، ہدایت پہونچانے اور گمراہوں پر حجت لانے کے لئے سپرد فرمایا۔ اسی سے خلفائے اُمت غالب ہوتے ہیں اور اُسی کی امداد سے وہ لوگ جو کہ دین سے مدد لیتے ہیں یا اُس کی حفاظت کو مضبوط پکڑتے ہیں فتحیاب ہوتے ہیں۔ مثل بادشاہ بزرگ سردار معظم ظہیر خلیفۃ اللہ و ناصر دین اللہ و حافظ عباد اللہ، المنتقم من اعداء اللہ ابی سعید مسعود بن یمین الدولہ امین الملۃ محمود اطال اللہ بقائہ وادام الی المعالی والمآثر ارتقائہ کے۔

فان مصداق ما تقدم فیه اذا تامل متامل منه، رجوع الحق الی اهله۔

اگر غور کرنے والا (ممدوح کے حالات پر) غور کرے تو جو کچھ واقعات اُس پر گزرے وہ "حق بحقدار رسید" کے مصداق ہیں۔

بعد ان خفی فاظهره الله وخذل فنصره الله، ورفض فاعلی له شانه واتاه ملکه وسلطانه۔

بعد اس کے کہ وہ چھپا ہوا تھا اللہ تعالےٰ نے اُسے ظاہر کیا بے یار و مددگار تھا اللہ نے اُس کی مدد کی، اُس کو چھوڑ دیا گیا تھا لیکن اللہ نے اُس کی شان بلند کی اور اُسے اُس کا ملک و دبدبہ عطا فرمایا۔

ضمیمۂ اوّل

وقد كان مقصودًا من جانب مجموعًا له كل سارٍ وسارب يقولون أنّى يكون له الملك علينا ونحن أحق بالملك منه فاجيبوا من الآية بما بعده، وحق الله فيه وعده بأن جناه الارث عفوًا، كما أتى سليمن ارث داود عليهما السلام صفوًا۔

ہر جانب سے اُس پر (حملہ کا) قصد تھا، تمام رات کے اور دن کے چلنے والے اُس کے خلاف جمع ہو گئے تھے اور یہ کہتے تھے کہ وہ ہمارے مقابلہ میں ملک کا کیسے مالک بن سکتا ہے جب کہ ہم سلطنت کے اُس سے زیادہ حق دار ہیں، تو انھیں اُس آیت کے حصہ مابعد سے جواب دیا گیا (یعنی قال ان اللہ اصطفاہ علیکم) خدا نے اُس کے بارہ میں اپنے وعدہ کو پورا فرمایا کہ وراثۃ بلا طلب بخشا جس طرح کہ سلیمان کو داؤد کا وارث بلا شرکت غیری فرمایا تھا۔

ولولا الاصطفاء الالٰهی لما نزعت القلوب قاطبة اليه، ولما قصرت الهمم باسرها عليه، حتّى استعجلت نحوه الارواح لتتفيا بافيائه، وسبقت الاجساد اظلالها الى عالی فنائه، وكان امر الله قدرًا مقدورًا، وحكمه فی ام الكتاب مسطورًا۔

اگر یہ خدا کا انتخاب نہ ہوتا تو تمام قلوب ہرگز اُس کی طرف نہ کھنچتے، اور تمام ارادے اُسی پر نہ رُک جاتے۔ یہاں تک کہ روحیں بہ عجلت اُس کی طرف بڑھیں، تاکہ اُس کے سایہ میں پناہ لیں اور جسم کے سایوں نے اُس کے صحن عالی کی طرف سبقت کی، خدا کا حکم ہو کر رہنے والا تھا اور اُس کا حکم لوح محفوظ (ام الکتاب) میں تحریر تھا۔

ولو لم يخصني منه ادام الله قدرته، نعمة تعقب الفخر و توجب ادمان الشكر، فان المنعم

اگر سلطان مسعود ادام اللہ قدرتہ کی خاص نعمت بھی میرے اوپر نہ ہوتی، جس کی وجہ سے فخر کرنا ضروری اور ہمیشہ شکر ادا کرنا واجب ہوتا۔

ضمیمۂ اول

وان استغنى عن شكر صنائعه
وحسان عن شوائب المنّ والاذى
صوافى عوارفه ومنائحه،
فالعقل السليم يحظر على حاملها
رضاعتها، وتلزم قضيته نشرها
دائما واذاعتها) لقد عمنى
قبلها ما عم كافة الممالك من
شيوع الخير والفضل وفيوض
الامن والعدل، حتى لزهتنى
الخدمة بخاصتها كما لزمتنى
الطاعة بعامها۔

فكيف، وقد مكّننى
فى صبابة عمرى من الانبساط
لخدمة العلم، اذ خلّلنى و
عنّانى واسبل علىّ فى ظله
الظليل ستر الامنة ومطر
هواطل النعمة، وشفيع
ذلك بتقريب وايناس
متتابع.

(اس لیئے کہ منعم اگرچہ اپنے کاموں کے شکر
سے مستغنی ہوا ور اُس کی خالص عطائیں اور
بخشش احسان اور ایذا کی آمیزش سے محفوظ ہوں
تو بھی عقل سلیم کے لیئے ناروا ہو کہ جو شخص اُن نعمتوں
کو اُٹھائے ہوں وہ شکر کو ضایع کردیں، بلکہ عقل سلیم
کا اقتضا ہو کہ ہمیشہ اُس کا نشر و شیوع کرتے رہیں) پھر
بھی اُس سے پہلے وہ نعمتیں جو کہ شیوع خیر
و فضل اور فیوض امن و عدل کی اقسام
سے ہیں رعایا کے تمام دیگر اشخاص کی طرح
مجھے بھی حاصل ہیں جس کی وجہ سے مجھے اُس کی
خاص خدمت ایسی ہی لازم ہوگئی ہو جیسا کہ عام طاعت عام
احسانات کی وجہ سے۔ ایسا کیوں نہ ہو، جب کہ
اُس نے مجھے میری عمر کے اخیر حصہ میں
آزادی کے ساتھ خدمت علم کرنے کا موقع دیا
ہو جب کہ مجھے اپنا دوست بنا لیا ہو، اور
دخیل کیا ہو اور میرے اوپر اپنے زیر سایۂ
دراز چادر اُڑھائی ہو اور باران نعمت
کی مجھ پر موسلا دھار بارش کی ہو اور اپنے
متواتر قرب اُنس اور خوشامدید کا

وترحیب سارت به الرکبان، وشرف بتوقیعاته فیه الخزائن والدیوان۔

وھٰذا غایة ما یصطنع به الموالی عبیدھم، فجازاہ اللہ تعالیٰ عن الحسنیٰ بالحسنیٰ وخوله خیر الآخرة وسعادة الاولیٰ۔ و کافاہ عن نیة موروثة فی اعلاء الدین والحق واقماع الشرك والافك باطالة مدته، وحراسة سدته وارامة ما اتاہ من نصرٍ مَلَكَ به المشارق والمغارب، وایدٍ بلغ بمکانه الاعناق والمناکب، وھمة بعیدة رتق به کل فتقٍ وھیبةٍ عظیمةٍ عمّت افئدة الخلق فان اللہ کافله، حین فوض الامر الیه والی مشیته وھو تعالیٰ معینه وناصرہ، اذ اتتبرأ من حوله وقوته۔

ضمیمہ اوّل

کہ جس کا ہر طرف شہرہ ہے اضافہ کیا ہے اور مجھے اپنی ایسی توقیعات سے مشرف فرمایا ہے جن میں خزانے اور مال خانے (دیوان) درج ہیں۔

جو کچھ کہ آقا اپنے غلاموں کے ساتھ کر سکتے ہیں یہ اُس کی انتہا ہے۔ خدائے تعالیٰ اُسے اُس نیکی کا بدلہ نیکی سے دے اور آخرۃ کی خیر اور دُنیا کی سعادت بخشے۔ اور اُس کے اعلائے دین وحق وبیخ کنیٔ شرک وباطل کی موروثی نیت کے بدلہ میں اُس کی عمر دراز کرے اور بارگاہ عالی کی حفاظت فرمائے، اور مشارق ومغارب میں خدائے تعالیٰ کی نصرت سے جو کچھ ملک حاصل ہوئے اور اُس کی تائید سے جو لوگوں کی گردنیں اور بازو اُس کے اختیار میں آگئے اور ہمت بعیدہ سے جو تمام مشکل کام آسان ہو گئے اور ہیبت عظیمہ سے جو کہ لوگوں کے دلوں میں عام طور پر جاگزیں ہے، اِن سب کو اللہ تعالیٰ ہمیشہ برقرار رکھے، خدا اُس کا کفیل ہے، جب کہ اُس نے اپنا کام خدائے تعالیٰ اور اُس کی مشیت کے سپرد کر دیا ہے اور خدائے تعالیٰ ہی اُس کا معین وناصر ہے، جب کہ وہ اپنی قوت وقدرت سے دست بردار ہو گیا ہے۔

ضمیمۂ اول

ولما کان ادام اللہ ملکہ بما اوتی من القدر فی خطوط الدنیا مستغنیا عن الشکر لشیئ منہا رجعت عند عجز المنۃ عن اخراج الخدمۃ الی الفعل من القوۃ الی الطاقۃ التی یقتصر من الا نفس بہا و لا کلفنا فوقہا۔

چونکہ سلطان مسعود دام اللہ ملکہٗ بہ باعث خطوطِ دُنیا وی کی اُس مقدار کے کہ جو اُسے عطا ہوئی ہے اس سے مستغنی ہو کہ اُن میں سے کسی چیز کے ذریعے اُس کا شکریہ ادا کیا جائے اِس لیئے میں نے اس کی خدمت بجالانے میں شکریہ ادا کرنے سے اپنے کو عاجز پاکر ایک ایسے فعل کی طرف رجوع کیا جس سے نفوس آگے نہیں بڑھ سکتے اور جس سے بڑھ کر تکلیف نہیں دی جا سکتی۔

والفیت رتبۃ العلم عندہٗ اشرف الرتب والتقرب الی مجلسہ العالی بانواعہ اجل القرب۔ ثم کنت متعلقا بطرف من اطراف العلم الریاضی متمسکا بہ منتسبا الیہ، لم تعد ہمتی مذ کنت فآثرت خدمۃ خزانتہ المعمورۃ الموسومۃ بالحکمۃ بقانون لصناعۃ التنجیم، شرف باسمہ العالی وسمتہ وفضل امثالہ بقاہم دولتہٗ اذ حلیتہ باکرم حلیۃ

میں نے رتبۂ علم کو اُس کے نزدیک سب سے بڑا مرتبہ پایا اور انواع علم سے اُس کی مجلس عالی میں تقرب حاصل کرنا برترین قرب۔ چونکہ میں علوم ریاضی کے ایک شعبہ سے تعلق رکھتا ہوں اور جس وقت سے عالم وجود میں آیا اُسی وقت سے اُسے مضبوط پکڑے ہوئے ہوں اور اُسی سے منسوب ہو رہا ہوں اور میرا ارادہ اُس سے آگے نہیں بڑھا اس لیئے میں نے اس کے خزانہ عامرہ کے جو "حکمت" سے موسوم ہے خدمت کے لیئے علم ہیئات (صناعۃ التنجیم) کا قانون تصنیف کرنے کی خدمت کو ترجیح دی جس کا جمال اُس کے اسم عالی سے مشرف ہوا ہے اور اُس کے دولت

ضمیمۂ

هى القانون المسعودى سبقا الى الشعار بالاسم العالى الذى ترتقد فرائص الملوك والصناديد من استماعه و ايثاراً له دون الالقاب و الصفات، وان طبقت الاقاليم بالهيبة، واهلها بالرهبة، و تسبيبًا الى ما لم يستغن عنه الاولون الاكرمون من بقاء الذكر فى العالمين ولسان الصدق فى الأخرين۔

ودبدبہ سے اُس کو اپنے امثال (یعنی دیگر تصانیف) پر فضیلت ملی ہے، اس لیئے کہ میں نے اُسے بہترین زیور سے آراستہ کیا ہے، جو کہ "قانون مسعودی" کے الفاظ میں، اُس اسم عالی کا جامہ پہننے کی طرف سبقت کرتے ہوئے کہ جس کی شناخت کے لیئے میں نے اُس کے اسم عالی کو جسے سُن کر بادشاہوں اور حکمرانوں کی رگِ گردن کانپنے لگتی ہے۔ اور اُس کو القاب وصفات پر ترجیح دیتے ہوئے اگرچہ اُن کی ہیبت سے اقالیم اور اُس کے دبدبہ سے اہل اقالیم پر ہیں؛ اور اس بات کا سبب بنانے کے لیئے کہ جس سے پہلے بزرگ بھی مستغنی نہیں تھے یعنی عالم میں بقائے ذکر اور بعد میں آنے والوں میں بھی یاد۔

فالكتاب من بين الآثار المدونة ابقى على مر الازمنه و اثبت على تبادل الامكنة۔

اِس لیئے کہ آثار مدونہ میں باوجود بہت سے زمانے گزرنے کے سب سے زیادہ باقی رہنے والی اور باوجود تبدیلِ مقامات کے سب سے زیادہ قایم رہنے والی یادگار کتاب ہی ہے۔

ولم اسلك فيه مسلك من تقدمنى من افاضل المجتهدين فى حملهم من طالع

میں اس کتاب میں اپنے متقدمین فضلائے مجتہدین کا راستہ نہیں چلا ہوں کہ جنھوں نے اپنے اعمال کے مطالعہ کرنے والوں اور اپنی زیچوں کے استعمال

ضمیمہ اول

اعمالهم واستعمل زيجاتهم على
مطايا الترديد الى قضايا التقليد
باقتصارهم على الاوضاع الزيجية
وتعميتهم خبر ما زاولوه من عمل
وطيهم عنهم كيفية ما اصلوه
من اصل حتى احوجوا المتأخر
عنهم فى بعضها الى استئناف التعليل
وفى بعضها الى تكلف الانتقاد
والتضليل اذ كان خلد فيها
كل سهو بدر منهم بسبب انسلاخه
عن الحجة وقلة اهتداء مستعملها
بعدهم الى الحجة - وانما فعلت ما
هو واجب على كل انسان ان يعمله
فى صناعة من تقبّل اجتهاد من
تقدمه بالمنة، وتصحيح خلل ان
عثر عليه بلا حشمة، وخاصة فيما
يمنع ادراك صميم الحقيقة فيه
من مقادير الحركات وتخليد ما يلوح له
فيها تذكرة لمن تاخر عنه بالزمان واتى بعده

کرنے والوں کو تردید کی سواریوں پر بٹھا کر تقلید کے
قضایا پر خود آمادہ کیا ہے اس سبب سے کہ انھوں نے محض
اوضاع زیجیہ پر اختصار کیا اور وہ عمل کہ جن کو انھوں نے
جمع کیا تھا اس کی خبر سے ناواقف رہے اور جن
اصولوں کو اصل قرار دیا تھا اس کی کیفیت سے دور
رہے، جو اس کا باعث بن گیا کہ ان سے پیچھے آنیوالو
میں سے بعض کو نئی علتوں کے نکالنے کی اور نقص کو
پرکھنے اور گمراہ کرنے کی ضرورت پڑی، اس لیئے
کہ اس میں دلیل کے رہ جانے سے تمام غلطیاں جاگزیں
ہو گئی تھیں کہ جن کے استعمال کرنے والے ان کے
بعد دلیل کی طرف بہت کم ہدایت پا سکے۔

ہر انسان پر جو کچھ کہ کسی علم میں واجب ہے وہی میں نے
بھی کیا ہے، یعنی اپنے پیشرووں کے اجتہاد کو شکریہ کے
ساتھ قبول کرنا اور اگر کسی غلطی پر مطلع ہو جائے تو بلا
دہشت کے اس کی اصلاح کر دینا، اور بالخصوص مقادیر
حرکات میں جہاں اصل حقیقت کا ادراک مشکل ہے، اور
نیز جو کچھ کہ اس کو اس علم میں منکشف ہو اسے اس شخص کے
لیئے جو کہ اس سے زمانہ مابعد میں آئے یاددہانی
کے لیئے لکھ دینا۔

فقرنت بكل عمل في كل باب
من علله، وذكرت ما توليت من عمله ما
يبعد به المتأهل عن تقليدي
فيه، وينفتح له باب الاستصواب
لما اصبت فيه، او الاصلاح
لما زللت عنه او سهوت في
حسابه۔

لان البرهان من القضية
به قائم مقام الروح من الجسد
وبجملة النوعين يحصل العلم
بالاستيقان لاقتران الحجة به
والتبيان كما يقوم بمجموع النفس
والبدن شخص الانسان كاملاً للعيان، والله
استوفق لما عزمت عليه، واسترشد
للوصول اليه، واستعصمه من
الزلل الذي لا يخلو منه جبلة
البشر، واياه اسئل ان يجعل
دولة السلطان المعظم الملك
الاجل السيد نوراً لخلقه ما جعل

میں نے ہر باب میں عمل کے ساتھ اس کے علل ضمیمۂ ا
کو بھی شامل کیا ہے اور جو عمل کہ میں نے ذاتی طور پر
سرانجام دیا ہے وہ بھی بیان کردیا ہے تاکہ غور کرنے والا
اس میں میری تقلید سے دور رہے اور جہاں میں صحیح
ہوں وہاں اُس پر استصواب کا دروازہ کشادہ
ہوجائے اور جہاں میں نے غلطی کی ہو یا اُس کے
حساب میں سہو کیا ہو وہاں اصلاح ہوجائے ۔

اِس لیئے کہ کسی قضیہ میں برہان ایسے ہی جیسے
جسم کے لیئے روح اور دونوں طرح پر حجت اور
بیان کے پہلو بہ پہلو لانے ہی سے علم یقینی طور پر
حاصل ہوتا ہے جیسے کہ نفس اور بدن کے مجموعہ سے
وجود انسان کامل طور پر مشاہدہ میں قایم ہوتا ہے
خدا سے اُس کام کے لیئے جس کا کہ میں نے
عزم کیا ہے چاہتا ہوں توفیق اور اُسی سے
وہاں تک پہونچنے کی رہبری ڈھونڈھتا ہوں اور
اُسی پر اعتماد کرتا ہوں کہ وہ اُن غلطیوں سے جن سے
فطرتِ بشری خالی نہیں رہ سکتی محفوظ رکھے، اور
دعاء کرتا ہوں کہ دولت سلطان المعظم ملک الاجل
السید کو اپنی مخلوق کے لیئے نور بنائے جیسا کہ

ضمیمۂ اوّل سلطانه ظلالهم فی ارضه ویحلی	اُس نے اُس کی سلطنت کو اپنی دنیا میں اُن کا
مجلسه بدائم الاقبال والسعادة	سایہ بنایا ہے، اور اُس کی مجلس کو ہمیشہ اقبال و سعادت
ویجعلها مترقیة الی الزیادة	سے مزیّن فرمایا، اور اُنھیں روز افزوں ترقی بخشی
انه علی ما یشاء قدیر، وبمصالح	خدائے تعالیٰ جو چاہے کر سکتا ہے اور اپنے بندوں
عباده خبیر وبصیر۔	کی مصلحتوں سے خبیر و بصیر ہے۔

ضمیمہ دوم

میرے محترم اور شفیق بزرگ محمد الیاس صاحب برنی ام اے، ال ال بی (علیگ) نے مجھے مشورہ دیا کہ قانونِ مسعودی کے مضامین کی فہرست بطور ضمیمہ شامل رسالہ ہذا کر دی جائے، تاکہ اہلِ فضل کتاب کے مضامین کی وسعت اور اس کی خوبیوں سے مطلع ہو جائیں۔ صاحب موصوف کے ارشاد پر کاربند ہو کر فہرست مذکور ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

فہرست مضامین قانون مسعودی

ابواب المقالۃ الاولیٰ

ابواب المقالۃ الثانیہ

ضمیمۂ دوم

ابواب المقالۃ الثالثہ

۱ فی امہات الاوتار و استخراجہا۔
۲ فی توابع امہات الاوتار۔
۳ فی التحیل لاستخراج وتر التسع۔
۴ فی التحیل لاستخراج وتر الجزء الواحد من ثلثمائۃ وستین۔
۵ فی النسبۃ التی بین القطر و بین الدور۔
۶ فی اختیار عدد القطر یکون تقطیع الاوتار بحسبہ
۷ فی التجیب والتقویس۔
۸ فی اظلال الاشخاص فی الضیاء و تعریف انواع الظل و استعمالہ۔
۹ فی شکل القطاع الکری و نسبۃ الواقعۃ من جیوبہ۔
۱۰ فی النسب الواقعۃ فی القطاع من الجیوب و الاظلال۔

فذلک عشر ابواباً

ابواب المقالۃ الرابعہ

۱ فی مقدار تقاطع زاویۃ معدل النہار مع منطقۃ البروج وہی المیل الاعظم۔
۲ فی تقطیع المیل الاعظم و معرفۃ حصص درجات البروج منہ۔
۳ فی مطالع خط الاستواء مع فلک البروج و عکسہا بالجدول و الحساب۔
۴ فی استخراج بعد الکواکب ذی العروض عن معدل النہار۔

ضمیمہ دوم

۵ فی معرفة الدرجة التی تمتہ مع الکواکب ذی العروض علی خط وسط السماء۔

۶ فی معرفة درجة الکواکب وعرضہ من قبل بعدہ عن معدل النہار و درجة ممرہ اذا عرف بالرصد۔

۷ فی معرفة عروض البلدان بارتفاعات الاشخاص الطالعة الغاربة علی فلک نصف النہار۔

۸ فی معرفة عروض البلدان بارتفاعات الاشخاص الابدیة الظہور فیہا علی فلک نصف النہار۔

۹ فی معرفة عروض البلدان من ارتفاعات الاشخاص فی فلک نصف نہارہا۔ و فلک نصف نہار بلد آخر معلوم العرض۔

۱۰ فی معرفة الارتفاع فی فلک نصف النہار۔

۱۱ فی معرفة ظل نصف النہار

۱۲ فی سعة المشارق والمغارب و استخراجہا و معرفة عرض البلد منہا۔

۱۳ فی معرفة السمت من قبل الارتفاع۔

۱۴ فی معرفة خط نصف النہار بعدة طرق و تصحیحہ۔

۱۵ فی معرفة خط نصف النہار بعدة طرق و تصحیحہ۔

۱۶ فی معرفة عروض البلدان و میل الشمس من قبل ارتفاعین لہا متوالیین مع سمیتہا۔

۱۷ فی تعدیل النہار و قوس النہار واللیل معرفة عرض البلد منہ۔

۱۸ فی مطالع البروج و مغاربہا فی البلاد۔

۱۹ فی درجتی طلوع الکوکب و غروبہ۔

۲۰ فی معرفۃ الماضی من النہار من قبل ارتفاع الشمس و عکس ذلک۔
۲۱ فی معرفۃ الوقت من اللیل بقیاس الکواکب الثابتۃ۔
۲۲ فی استخراج الاوتاد الاربعۃ للوقت المعلوم بالمطالع۔
۲۳ فی استخراج الاوتاد بعرض اقلیم الرؤیۃ اذا عدمت مطالع البلد۔
۲۴ فی تحویل الوقت والمطالع من افق آخر۔
۲۵ فی صفۃ قبّۃ الارض واستخراج طالعها۔

فذلک خمسۃ وعشرون باباً

ابواب المقالۃ الخامسہ

۱ فی تصحیح اطوال البلدان بالکسوفات
۲ فی تصحیح اطوال البلدان بما بینهما من المسافات۔
۳ فی استخراج المسافۃ بین بلدین معلومی الطول والعرض۔
۴ فی معرفۃ طول بلد وعرضہ من قبل المسافۃ بینہ وبین آخر من معلوم الطول والعرض۔
۵ فی معرفۃ سموت البلاد بعضها من بعض۔
۶ فی طریق الصناعی لمعرفت سمت القبلۃ وغیرہا۔
۷ فی معرفۃ دور الارض بالاجزاء الاصطلاحیۃ۔
۸ فی ذکر خواص المدارات الموازنۃ بخط الاستوار۔
۹ فی صفۃ المعمورۃ بالاجمال وتحدید اقالیمها طولاً وعرضاً۔

ضمیمۂ دوم ۱۰ فی اثبات اطوال البلدان وعروضها فی جداول ۔

۱۱ فی مسائل المطارح للتدریب ۔

فذلک احدی عشر باباً

ابواب المقالة السادسه

۱ فی تحویل التاریخ من بلد الی آخر ۔

۲ فی تصحیح طول غزنه والاسکندریه ۔

۳ فی کیفیة الوقوف علی اوقات الاعتدال و الانقلاب و سائر المواضع المفروضه من فلک البروج ۔

۴ فی الحاجة الی الافلاک الخارجة المراکز وکیفیة تصورها فی کرة الشمس ۔

۵ فی تصور الحرکة فی الافلاک التی یظن فیهما انهما متقاطعًا ۔

۶ فی حرکة الشمس الوسطی والطریق الذی استخرجها بطلیموس ۔

۷ فی ان اوج الشمس متحرکة ۔

۸ فی مقدار حرکة الاوج ۔

۹ فی تصحیح وسط الشمس واستخراج اصله ۔

۱۰ فی تقطیع التعدیل وتقویم الشمس ۔

۱۱ فی تعدیل الزمان ونقل الایام المختلفه الی المستویة الوسطیٰ ۔

فذلک احدیٰ عشر باباً

ضمیمۂ دوم

ابواب المقالۃ السابعہ

۱ فی ذکر حرکات القمر وحکایت الآراء فی سیرۃ المستوی والمختلف۔
۲ فی تقریب امر حرکتی القمر باسحاق ما لحق الشمس بہ۔
۳ فی تصحیح حرکتی القمر۔
۴ فی حرکۃ القمر فی العرض (ا) فی ذکر ہذہ الحرکۃ وتصحیحہا (ب) فی موضع الراس وتصحیح مسیرہ۔
۵ فی عرض القمر۔
۶ فی ماخذ العودات المتقدمہ۔
۷ فی اختلاف اختلاف القمر (ا) فی النسب الموجب للقمر فلک اوج ومعرفۃ ما بین مرکزہ ومرکز العالم (ب) فی انحراف قطر فلک التدویر ونقطۃ محاذاتہ۔
۸ فی احوال تعادیل القمر (ا) فی الابانۃ عما فی کل جدول منہا (ب) فی عمل تقویم القمر بجداولنا۔
۹ فی کیفیۃ تصور الحرکات المذکورۃ فی الافلاک القمر التی فی کرتہ۔
۱۰ فی اختلاف منظر القمر طولاً وعرضاً من موضعہ المحسوب والمرئی (ا) فی معرفۃ قطر النیرین وظل الارض (ب) فی انحراف قطر فلک التدویر ونقطۃ محاذاتہ۔
۱۱ فی اختلاف منظر الشمس (ا) فی معرفۃ بعد الشمس عن الارض۔

فذلک احدی عشر باباً

ضمیمۂ دوم

ابواب المقالۃ الثامنہ

۱ فی ہیئۃ الشمس و القمر و معرفۃ السبق و التراجع ۔
۲ فی استقبال النیرین و اجتماعہما و سائر الاوضاع الحاصلۃ من بعد بینہما ۔
۳ فی صفۃ الکسوفین و تصورہما و الفرق بینہما و بین الاشکال فی نور القمر قبل الاستقبال و بعدہ ۔
۴ فی ظل القمر و تحدید اوضاعہ ۔
۵ فی الحدود التی یمتنع الکسوفین فیما عداہا ۔
۶ فی استخراج قطری النیرین فی المنظر و قطر الظل ۔
۷ فی حساب کسوف القمر (۱) فی المقدار المنکسف و تکسیرہ (ب) فی اختلاف الوانہ فی انحرافہ و صورتہ ۔
۸ فی اوقات کسوف القمر (۱) فی اوقاتہ بالاطلاق (ب) فی احوالہ بقرب الطلوع و الغروب
۹ فی حساب کسوف الشمس (۱) فی المقدار المنکسف و تکسیرہ (ب) فی انحرافہ و تصویرہ ۔
۱۰ فی اوقات کسوف الشمس ۔
۱۱ فی ما یذکر من الوان کسوف الشمس ۔
۱۲ فی اشکال ضیاء القمر و ساعات اضاءتہ ۔
۱۳ فی اوقات طلوع الفجر و مغیب الشفق ۔
۱۴ فی رویۃ الہلال (۱) فی امکان الرویۃ و امتناعہا و وجوبہا (۲) فی سمت الہلال و قربہ و نصب التریخ علیہ ۔

لندقوسہ

۱۵ فی منازل القمر وموضعه منها وایام منازله۔ ضمیمۂ دوم
۱۶ فی الایام القمریة (ا) فی انصاف الایام القمریه (ب) فی تداخل الایام وشهورها کابها
۱۷ خیال الکسوفین (ا) فی اتحاد مداری النیرین (ب) فی تمادی مداری النیرین۔

فذلک سبعة عشر باباً

ابواب المقالة التاسعه

۱ فی تنویع الاشخاص النیرة (ا) فی الفرق من الکواکب الثابتة وبین السیارة (۲) فی علة تسمیة الثابتة بالثبات۔
۲ فی تقسیم الکواکب الثابتة اقاماً ذاتیة (ا) فی ذکر تفاصلها بالعظم (ب) فی السحابیات والمجرة
۳ فی حرکة الکواکب الثابتة (ا) فی ان حرکة جمیعها علی قطبی فلک البروج۔ (ب) فی احوال الکواکب الکائن علی قطر احدی الحرکتین۔ (۳) فی تحدید حرکة الکواکب الثابتة۔
۴ فی تقسیم الکواکب الثابتة بحسب سکان بقاع الارض (ا) فی احوالها والقابها فی عروض البلدان (ب) فیما یتغیر من هذه الاحوال علی طول الازمنة مع تحدید ما یمکن فیه قبول التغیر وما لا یمکن فیه۔
۵ فی اوضاع الکواکب الثابتة من الشمس واحوالها۔
۶ فی تشریق الکواکب وتغربها۔

ضمیمۂ دوم ۷ فی حصر الکواکب الثابتة (ا)، فی الصور التی تحویها (ب)، فی اثبات مواضع الکواکب الثابتة فی الجداول۔

۸ فی منازل القمر وکواکبها عند العرب والهند۔

۹ فی الانوار والبوارج علیٰ مذهب العرب

فذلک تسعة ابواباً

ابواب المقالة العاشرة

۱ فی اقتصاص احوال الکواکب الخمسة حرکاتها والقاب افلاکها۔

۲ فی طریق الذی وقف بطلیموس منه فی الکوکبین السفلیین احوال اوجیهما وفلک تدویرهما وائحرکات فیهما (ا)، فی الاوج وانتقاله (ب)، فی مقدار خروج مرکز الحرکة عن مرکز العالم (ج)، فی معرفة نصف قطر فلک التدویر وتصحیح الخاصیة فیهما۔

۳ فی طریق الذی منه وصل به بطلیموس فی الکواکب العلویة الی مثل ما کان وصل الیه بطلیموس فی السفلیین (ا)، فی الوجه الذی تفرق منه الی هٰذه المطالب (ب)، فی تحصیل سعة فلک التدویر۔

۴ فی الموضوع فی الجداول (فی الکواکب) وتقویم الکواکب بها۔

۵ فی تحییر الکواکب الخمسة (ا)، فی کیفیة الرجوع العارض الکوکب واستخراج المقامات (ب)، فی معرفة الاقامة والرجوع والاستقامة والرجوع والاستقامة۔

۶ فی ابعاد الکواکب واجرامها (ا)، فی ابعادها عن الارض نحو العلوّ۔ (ب)، فی اقطار الکواکب فی المنظر وتکسیر اجرامها۔

۷ فی تصویر الهیئة التی علیها یستقیم حرکات الثابتة فی اکرها۔
۸ فی اقتصاص الحرکات التی بها تمیل الکواکب الی الشمال و الجنوب۔
۹ فی حکایت طریق بطلیموس فی افراد صنفی العرض۔
۱۰ فی جداول عروض الکواکب و استعمالها۔
۱۱ فی ظهور الکواکب المتحیرة و استخفائها (ا) فی غایة تباعد الزهرة و عطارد عن الشمس (ب) فی اوّل تشریق الکواکب و تغریبها۔
۱۲ فی اقترانات الکواکب و ستر بعضها ببعض
۱۳ فی ستر القمر الکواکب۔

فذلک ثلثة عشر باباً

ابواب المقالة الحادیة عشر

۱ فی طریق تسویة البیوت (ا) فی ذکر الطریق المشهور فیها (ب) فی الطریق الذی آثرته۔
۲ فی اتفاقات المواضع (ا) فی تناظر الکواکب و البروج (ب) فی سائر الاتفاقات بینهما (ج) فی اتصال الکواکب طولاً و عرضاً۔
۳ فی الاستخراج البعد عن الاوتاد۔
۴ فی مطارح الشعاعات (ا) فی العمل المنسوب الی بطلیموس (ب) فی طریق المنتهیین (ج) فی الطریق الذی آثرته۔
۵ فی اعمال التسییرات (ا) فی الطریق المشهور فی ذلک (ب) فی مزج الدرج

ضمیمۂ دوم

والمطالع واستعمالها (ج) فی الطریق الذی آثرته فی التیسیرات (د) فی معرفه مبالغ تسییرات (ﮦ) فی تقسیط القوی بحسب المواضع ۔

٦ فی معرفة وقت بلوغ الکواکب موضعًا مفروضًا من فلک البروج

٧ فی تحاویل سنی العالم والموالید وشهورها

٨ فی انتهاآت الموالید وادارتها بالسنین و ما دونها ۔

٩ فی معرفة النطاقات والتدویر ولوازمها ۔

١٠ فی صعود الکواکب و هبوطها (ا) فی الممرات (ب) فی انواع الاستعلاء الثلثة ۔

١١ فی ذکر قرانات الکواکب العلویه ۔

١٢ فی الالوف و نوب الازمنه ۔

فذلک اثنا عشر بابًا

ضمیمہ سوم

البیرونی کے حالاتِ زندگی کے اسناد و مآخذ

اسلامی تاریخ میں ایسے مصنفین کے بہت سے نام گنائے جا سکتے ہیں جنہوں نے اپنے حالاتِ زندگی یا تو خود لکھے ہیں یا ان کے کسی شاگرد یا دوست نے اُن سے سن کر قلبند کیئے ہیں البیرونی کے معاصرین میں ابن سینا کے اکثر حالات اس کے شاگرد ابو عبیدہ الجوزجانی نے خود ابن سینا سے سن کر لکھے ہیں اور ابن الہیثم نے اپنے بعض حالات مختصر طور پر خود بیان کیئے ہیں متاخرین میں ابن خلدون کے خود نوشتہ حالات اس کی تاریخ میں تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔ البیرونی کی کوئی خود نوشتہ سوانح عمری ہمارے ہاتھ میں موجود نہیں ہے۔ نہ بجز اس کے ایک شاگرد السرخسی کے جس کے چند نوٹ ہم تک پہونچے ہیں البیرونی کے کسی شاگرد یا دوست کے لکھے ہوئے حالات ہم تک پہونچے ہیں۔ برخلاف بعض مصنفین کے جو جابجا اپنا ذکر کرنے اور اپنے واقعات و سوانح بیان کرنے کے عادی ہوتے ہیں البیرونی نے اپنی ان تصانیف میں جو ہم تک پہونچی ہیں شاذ و نادر ہی اپنے متعلق کچھ کہا ہے۔ البیرونی مضامین و مباحثِ کتاب میں ایسا منہمک رہتا ہے کہ کوئی غیر متعلق بات بیان کرنا اس کے لیئے ناممکن ہوجاتا ہے۔ کتاب الہند، آثار الباقیہ، قانون مسعودی، کتاب التفہیم میں جو ہماری نظر سے گزری ہیں محض معدودے

ضمیمۂ سوم

چند مقامات ہی ایسے ہیں جن سے البیرونی کے حالات کے متعلق کچھ استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ البیرونی کا قصیدہ جو یاقوت رومی نے نقل کیا ہے اور وہ مکتوب جو آثار الباقیہ کے ساتھ شائع ہوا ہے اس لحاظ سے سب سے زیادہ مفید ہیں۔ گمان یہ ہے کہ البیرونی کے سب سے زیادہ حالات اس کی ان تاریخی تصانیف میں دستیاب ہو سکتی تھے جو اب مفقود ہیں، مثلاً تاریخ محمود و سبکتگین و تاریخ خوارزم۔ موخر الذکر کتاب کے بعض انتخابات ابوالفضل بیہقی نے نقل کیے ہیں۔ ابوالفضل بیہقی (۳۸۶ھ - ۴۷۰ھ، ۹۹۶ء - ۱۰۷۷ء) البیرونی کا معاصر ہے اور سلطان محمود و سلطان مسعود کے دربار میں کاتب کا عہدہ رکھتا تھا۔ اور اس نے محمود اور اس کے خاندان کی سلطان ابراہیم کے عہد تک نہایت مبسوط تاریخ تیس جلدوں میں لکھی تھی جن میں سے صرف مسعود غزنوی کے عہد کے حالات ہم تک پہونچ سکے ہیں۔ یہ ایک بہترین تاریخ ہے اور فارسی ادب میں بے مثل کہی جا سکتی ہے لیکن افسوس ہے کہ اس مورخ کو زیادہ دلچسپی سیاسی معاملات سے تھی جن سے اسے ہر وقت سابقہ پڑتا تھا، ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ اپنی کتاب میں البیرونی جیسے یکتا فاضل کا ذکر آنے پر بجائے اس کے مفصل حالات لکھنے کے صرف اس قدر الفاظ پر اکتفا کرتا، درآں حالے کہ یہ یقینی امر ہے کہ وہ البیرونی سے ذاتی طور پر واقف تھا۔

"و پیش ازیں مدت در از کتابے دیدم بخطِ اُستاد ابوریحان و او مردے بود در ادب و ہندسہ و فلاسفہ کہ در عصر او چنو دیگرے نبود و بگزاف چیزے نہ نوشتے ...... ہرچند کہ ایں قوم کہ سخن ایشاں می دہم پیش رفتہ اند و سخت اندکے ماندہ اند و راست چنانست کہ ابوریحان گفتہ است۔

ضمیمہ سوم

ثم انقضت تلك السنون باهلها
أكفاهم وكاهنا احلام

ومرا چاره نیست از تمام کردن ایں کتاب تا نام ایں بزرگاں بداں زنده ماند ونیز ازمن یادگارے ماند کہ پس از ما ایں تاریخ بخوانند ... وایں اخبار خوارزم چناں صواب دیدم کہ بر سر تاریخ مامونیاں شوم چناں کہ از استاد بوریحان تعلیق داشتم کہ باز نموده است کہ سبب زوال دولتِ خاندانِ ایشاں چہ بوده است و در دولت محمودی چوں پیوست آں ولایت و امیر ماضی رضی اللہ عنہ آنجا کدام وقت رفت وآں مملکت زیر فرمان وے بر چہ جملہ شد و حاجب التونتاش را آں جا بنشانید و خود باز گشت و حالہا پس ازاں بر چہ جملہ رفت تا آں گاہ کہ پسر التونتاش بخوارزم بر اُفتاد ۔"

غیر معاصر مصنفین میں حسب ذیل قابل توجہ ہیں جن کی تصانیف سے البیرونی کے حالات ماخوذ ہوتے ہیں۔

(۱) ظہیرالدین ابوالحسن بن ابوالقاسم البیہقی (۴۹۹ھ/۱۱۰۵ء - ۵۶۵ھ/۱۱۶۹ء) تتمہ صوان الحکمت

(۲) شمس الدین محمد بن محمود الشہرزوری (تالیف اواخر ششم یا اوائل ہفتم صدی ہجری) کتاب نزہتہ الارواح وروضتہ الافراح فی تواریخ الحکماء المتقدمین والمتاخرین

(۳) نظامی سمرقندی (۵۶۲ھ/۱۱۶۸ء ونصف ۵۵۶ھ/۱۱۶۰ء) چہار مقالہ

(۴) السمعانی: کتاب الانساب (تالیف ۵۵۵ھ/۱۱۵۹ء)

(۵) ابن ابی اصیبعہ (۵۹۱ھ/۱۱۹۵ء - ۶۶۸ھ/۱۲۷۰ء) تاریخ الاطباء

ضمیمۂ سوم

(۶) یاقوت حموی (متوفی ۶۲۲ھ / ۱۲۲۹ع): ارشاد الاریب و معجم البلدان -

(۷) الغضنفر التبریزی (۶۳۰ھ / ۱۲۳۲ع - ۶۹۲ھ / ۱۲۹۲ع) المشاطہ (شرح مکتوب البیرونی)

(۸) میرخواند (۸۳۶ھ / ۱۴۳۲ع - ۸۳۷ھ / ۱۴۳۴ع - ۹۰۳ھ / ۱۴۹۸ع) روضۃ الصفاء

(۹) خواند میر (۸۸۰ھ / ۱۴۷۵ع - ۹۴۱ھ / ۱۵۳۴ع) حبیب السیر

(۱۰) حاجی خلیفہ (۱۰۱۰ھ / ۱۶۰۱ع - ۱۰۶۸ھ / ۱۶۵۸ع) کشف الظنون

(۱۱) الغفاری، نگارستان (مصنفہ ۹۵۹ھ / ۱۵۵۱ع)

(۱۲) رشید الدین فضل اللہ (۶۴۵ھ / ۱۲۴۷ع - ۷۱۸ھ / ۱۳۱۸ع) جامع التواریخ

(۱۳) ابوالفدا (۶۷۲ھ / ۱۲۷۳ع - ۷۳۲ھ / ۱۳۳۱ع) تقویم البلدان

(۱۴) ابوالفضل (۹۵۸ھ / ۱۵۵۱ع - ۱۰۱۱ھ / ۱۶۰۶ع) آئین اکبری

(۱۵) نامہ دانشوران

یورپین مصنفین میں جنھوں نے البیرونی پر خاص طور پر لکھا ہے حسب ذیل ممتاز حیثیت رکھتے ہیں:-

(۱) موسیو رینو (Reinaund) (۱۷۹۵ع - ۱۸۶۷ع)

(۲) سخاو (Sachau) کتاب الہند و کتاب آثار الباقیہ متن و تراجم

(۳) نلینو (Nallino) تاریخ الفلک عند العرب

(۴) سر ہنری ایلیٹ (Sir Henry Elliot) (۱۸۰۸ع - ۱۸۵۳ع)

تاریخ ہند، ا ("History of India. Vol. I")

غیر معاصر مشرقی مورخین میں سب سے زیادہ اہم یاقوت ہے جو حالات اس مصنف نے ارشاد الاریب ج ۶ ص ۳۰۸-۳۱۴ پر البیرونی کے لکھے ہیں وہ سب سے زیادہ مفصل ہیں از

معلومات اور دل چسپ ہیں اگرچہ جزئی اغلاط سے مبرا نہیں کہے جا سکتے۔ یاقوت کی ضمیمہ سوم
معلومات کا خاص ماخذ "سرالسرور" مصنفہ محمد بن محمود النیساپوری ہے۔ ارشاد الاریب
میں اور بھی کچھ انتخابات اس کتاب سے لیئے گئے ہیں جن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا
ہے کہ یہ مصنف وسط ایشیا کے علماء و ادبا کے حالات سے بخوبی واقف تھا یہ امر
یقینی ہے کہ یہ مصنف البیرونی کا معاصر نہیں تھا! اور خود اس نے بھی دیگر مصنفین سے
خوشہ چینی کی ہے۔ مثلاً قاضی کثیر بن یعقوب البغدادی النحوی کی "کتاب السترر" سے۔
البیرونی کے متعلق قاضی صاحب کا ماخذ فقیہ ابو الحسن علی بن عیسیٰ لولو اجی کا بیان ہے
جس سے البیرونی کے وفات کا واقعہ نقل کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فقیہ مذکور
البیرونی کا معاصر اور دوست تھا۔ اس روایت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ البیرونی کے
حالات ضرور بعض معاصرین نے لکھے تھے جو ہم تک نہیں پہونچے۔ یاقوت نے وسط
ایشیا کا سفر کیا تھا اور اس نے لکھا ہے کہ جامع مرو کے کتب خانہ عام میں اس نے
البیرونی کی فہرست کتب دیکھی تھی جو گنجان لکھے ہوئے ساٹھ اوراق میں آئی تھی
اس کے علاوہ یاقوت نے البیرونی کی لکھی ہوئی تاریخ ایام محمود سبکتگین و کتاب المسامرۃ
یعنی تاریخ خوارزم کو خود مطالعہ کیا تھا۔ یاقوت نے کتاب "سرالسرور" ہی سے البیرونی
کے اشعار نقل کیئے ہیں۔ الغرض یاقوت کے لکھے ہوئے حالات تمام ماخذوں
میں سب سے زیادہ اہم ہیں۔ معجم البلدان میں یاقوت نے البیرونی کی کتاب قانون
مسعودی سے بہت کچھ استفادہ کیا ہے۔ السمعانی کی "کتاب الانساب" صرف البیرونی
کے نام کے معنی اور جغرافیائی تحقیقات کے متعلق مستند ماخذ ہے، لیکن اس نے البیرونی
کے حالاتِ زندگی کے متعلق کچھ نہیں لکھا ہے۔

ضمیمۂ سوم

البیہقی اور الشہرزوری نے اپنی تصانیف میں البیرونی کے نہایت مختصر تذکرے لکھے ہیں اور یا تو دونوں کے اکثر حصّے کسی مشترک ماخذ سے منقول ہیں یا شہرزوری نے بیہقی سے کچھ حصہ اخذ کیا ہے۔ اور اخیر حصّہ یقیناً محمد بن محمود النیشاپوری سے لیا گیا ہے اور بعینہٖ النیشاپوری کے الفاظ میں نقل کر دیا گیا ہے۔ جیسا کہ پہلا حصّہ تقریباً بیہقی کے الفاظ میں ہے ان دونوں مصنفوں نے البیرونی کے چند اقوال بھی نقل کیے ہیں۔

الغضنفر البیرونی کی تاریخ ولادت و تاریخ وفات و بعض دیگر جزئیات کے متعلق ہمارا بہترین ماخذ ہے۔ ابن ابی اصیبعہ نے مختصر تذکرہ لکھا ہے، کشف الظنون میں البیرونی کی بعض تصانیف کا ذکر ہے نظامی سمرقندی، میرخواند، غفاری نے اپنی کتابوں میں بعض روایات لکھی ہیں جو باوجود پورے طور پر صحیح نہ ہونے کے البیرونی کے بعض حالات پر روشنی ڈالتی ہیں۔ رشید الدین نے ہند کا جغرافیہ کتاب الہند سے، اور ابو الفدا اور ابو الفضل نے قانون مسعودی سے بکثرت انتخابات کئے ہیں

مغربی محققین و مورخین میں سب سے مقدم سخاو اور نالینو ہیں۔ نالینو نے اپنی کتاب میں البیرونی کا امتیاز بحیثیت ماہر علم ہیئات کے نہایت خوبی کے ساتھ ثابت کیا ہے اور ہمارے خیال میں اس خاص بحث پر اس سے بہتر لکھنے والا دنیا میں کوئی دوسرا مصنف نہیں ہے۔ رینو فرانسیسی مستشرق نے تقریباً سب سے پہلے انیسویں صدی کے نصف اوّل میں البیرونی کی کتاب الہند کی اہمیت کو واضح کیا تھا اور اس سے بہت کچھ قیمتی معلومات فراہم کی تھیں۔ اس کی کتاب اگرچہ عرصہ کی لکھی ہوئی ہے، لیکن آج بھی ویسی ہی وقعت رکھتی ہے۔

سر ہنری ایلیٹ نے کتاب الہند کے جغرافیائی باب کا ترجمہ اپنی تاریخ ہند

میں رشید الدین سے درج کیا ہے اور مقامات متذکرہ کے متعلق مفید حواشی لکھے ہیں۔ ضمیمہ سوم

اِن کے علاوہ ایسے بہت سے مُصنّفین و مؤلفین ہیں جنہوں نے البیرونی پر کچھ نہ کچھ لکھا ہے۔ مثلاً حال ہی میں کرادی وو (Carra de Vaux) نے اپنے سلسلۂ "حالات محققین اسلام" (Les Penseurs ael Islam) میں ایک سے زیادہ مواقع پر البیرونی کے حالات اور علمی تحقیقات کا تذکرہ کیا ہے۔

ہم نے علاوہ اپنے ذاتی مطالعہ و تحقیقات کے تمام مشرقی و مغربی ماخذوں سے جو ہمیں دستیاب ہو سکے استفادہ کیا ہے اور اُن تمام مصنفین و مولفین کے شکر گزار ہیں جن کی کتابوں سے ہمیں البیرونی کی تیاری میں مدد ملی ہے۔

البیرونی کا ہندوستان پر جو استحقاق ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے اگرچہ یہ ناممکن ہے کہ ہم اُس منّت سے جو البیرونی نے اپنی علمی خدمات کے ذریعہ سے ہندوستان پر چھوڑی ہے کبھی عہدہ برآ ہو سکیں، لیکن اتنا ضرور کہہ سکتے ہیں کہ یہ فخر سب سے پہلے صرف اس ملک کی اُردو زبان ہی کو حاصل ہوا ہے کہ اُس میں البیرونی کے حالات زندگی اس شرح و بسط کے ساتھ لکھ کر پیش کیے گئے ہیں۔

خدائے کریم ہماری کتاب کو البیرونی کے فضائل و کمالات کے نشر و اشاعت کا ذریعہ بنائے کہ دنیائے علم میں البیرونی سے بڑھ کر کوئی اس کا مستحق نہیں ہے اور اُس کے حالات کو شائقین علم کی ہدایت و پیروی کا باعث بنائے کہ دنیا میں البیرونی سے بڑھ کر علم کا شیفتہ و دلدادہ ہونا محال ہے۔

سید حسن برنی

ضمیمہ چہارم

جدول سنہ ہجری و سنہ عیسوی من ابتدائے سنہ ۳۶۲ھ لغایت سنہ ۴۴۰ھ

(از ابتدائے سال ولادت تا سال وفات البیرونی)

سنہ ہجری	سنہ عیسوی	سنہ ہجری	سنہ عیسوی
سنہ ۳۶۲	۱۲ر اکتوبر سنہ ۹۷۲ء لغایت یکم اکتوبر سنہ ۹۷۳ء	سنہ ۳۷۵	۲۴ر مئی سنہ ۹۸۵ء لغایت ۱۲ر مئی سنہ ۹۸۶ء
سنہ ۳۶۳	۲ر " سنہ ۹۷۳ء " ۲۰ر ستمبر سنہ ۹۷۴ء	سنہ ۳۷۶	۱۳ر مئی سنہ ۹۸۶ء " ۲ر مئی سنہ ۹۸۷ء
سنہ ۳۶۴	۲۱ر ستمبر سنہ ۹۷۴ء " ۹ر ستمبر سنہ ۹۷۵ء	سنہ ۳۷۷	۳ر مئی سنہ ۹۸۷ء " ۲۰ر اپریل سنہ ۹۸۸ء
سنہ ۳۶۵	۱۰ر " سنہ ۹۷۵ء " ۲۹ر اگست سنہ ۹۷۶ء	سنہ ۳۷۸	۲۱ر اپریل سنہ ۹۸۸ء " ۱۰ر اپریل سنہ ۹۸۹ء
سنہ ۳۶۶	۳۰ر اگست سنہ ۹۷۶ء " ۱۸ر اگست سنہ ۹۷۷ء	سنہ ۳۷۹	۱۱ر اپریل سنہ ۹۸۹ء " ۳۰ر مارچ سنہ ۹۹۰ء
سنہ ۳۶۷	۱۹ر اگست سنہ ۹۷۷ء " ۸ر اگست سنہ ۹۷۸ء	سنہ ۳۸۰	۳۱ر مارچ سنہ ۹۹۰ء " ۱۹ر مارچ سنہ ۹۹۱ء
سنہ ۳۶۸	۹ر اگست سنہ ۹۷۸ء " ۲۸ر جولائی سنہ ۹۷۹ء	سنہ ۳۸۱	۲۰ر مارچ سنہ ۹۹۱ء " ۸ر مارچ سنہ ۹۹۲ء
سنہ ۳۶۹	۲۹ر جولائی سنہ ۹۷۹ء " ۱۶ر جولائی سنہ ۹۸۰ء	سنہ ۳۸۲	۹ر مارچ سنہ ۹۹۲ء " ۲۵ر فروری سنہ ۹۹۳ء
سنہ ۳۷۰	۱۷ر جولائی سنہ ۹۸۰ء " ۶ر جولائی سنہ ۹۸۱ء	سنہ ۳۸۳	۲۶ر فروری سنہ ۹۹۳ء " ۱۴ر فروری سنہ ۹۹۴ء
سنہ ۳۷۱	۷ر جولائی سنہ ۹۸۱ء " ۲۵ر جون سنہ ۹۸۲ء	سنہ ۳۸۴	۱۵ر فروری سنہ ۹۹۴ء " ۴ر فروری سنہ ۹۹۵ء
سنہ ۳۷۲	۲۶ر جون سنہ ۹۸۲ء " ۱۴ر جون سنہ ۹۸۳ء	سنہ ۳۸۵	۵ر فروری سنہ ۹۹۵ء " ۲۴ر جنوری سنہ ۹۹۶ء
سنہ ۳۷۳	۱۵ر جون سنہ ۹۸۳ء " ۳ر جون سنہ ۹۸۴ء	سنہ ۳۸۶	۲۵ر فروری سنہ ۹۹۶ء " ۱۳ر جنوری سنہ ۹۹۷ء
سنہ ۳۷۴	۴ر جون سنہ ۹۸۴ء " ۲۳ر مئی سنہ ۹۸۵ء	سنہ ۳۸۷	۱۴ر جنوری سنہ ۹۹۷ء " ۲ر جنوری سنہ ۹۹۸ء

ضمیمہ چہارم

سنہ ہجری	سنہ عیسوی	سنہ ہجری	سنہ عیسوی
سنہ ۳۸۸	۳ر جنوری سنہ ۹۹۸ء لغایت ۲۲ر دسمبر سنہ ۹۹۸ء	سنہ ۴۰۸	۳۰ر مئی سنہ ۱۰۱۷ء لغایت ۱۹ر مئی سنہ ۱۰۱۸ء
سنہ ۳۸۹	۲۳ر دسمبر سنہ ۹۹۸ء ״ ۱۲ر دسمبر سنہ ۹۹۹ء	سنہ ۴۰۹	۲۰ر مئی سنہ ۱۰۱۸ء ״ ۸ر مئی سنہ ۱۰۱۹ء
سنہ ۳۹۰	۱۳ر دسمبر سنہ ۹۹۹ء ״ ۳۰ر نومبر سنہ ۱۰۰۰ء	سنہ ۴۱۰	۹ر مئی سنہ ۱۰۱۹ء ״ ۲۶ر اپریل سنہ ۱۰۲۰ء
سنہ ۳۹۱	یکم دسمبر سنہ ۱۰۰۰ء ״ ۱۹ر نومبر سنہ ۱۰۰۱ء	سنہ ۴۱۱	۲۷ر اپریل سنہ ۱۰۲۰ء ״ ۱۶ر اپریل سنہ ۱۰۲۱ء
سنہ ۳۹۲	۲۰ر نومبر سنہ ۱۰۰۱ء ״ ۹ر نومبر سنہ ۱۰۰۲ء	سنہ ۴۱۲	۱۷ر اپریل سنہ ۱۰۲۱ء ״ ۵ر اپریل سنہ ۱۰۲۲ء
سنہ ۳۹۳	۱۰ر نومبر سنہ ۱۰۰۲ء ״ ۲۹ر اکتوبر سنہ ۱۰۰۳ء	سنہ ۴۱۳	۶ر اپریل سنہ ۱۰۲۲ء ״ ۲۵ر مارچ سنہ ۱۰۲۳ء
سنہ ۳۹۴	۳۰ر اکتوبر سنہ ۱۰۰۳ء ״ ۱۷ر اکتوبر سنہ ۱۰۰۴ء	سنہ ۴۱۵	۲۶ر مارچ سنہ ۱۰۲۳ء ״ ۱۴ر مارچ سنہ ۱۰۲۴ء
سنہ ۳۹۵	۱۸ر اکتوبر سنہ ۱۰۰۴ء ״ ۷ر اکتوبر سنہ ۱۰۰۵ء	سنہ ۴۱۶	۱۵ر مارچ سنہ ۱۰۲۴ء ״ ۳ر مارچ سنہ ۱۰۲۵ء
سنہ ۳۹۶	۸ر اکتوبر سنہ ۱۰۰۵ء ״ ۲۶ر ستمبر سنہ ۱۰۰۶ء	سنہ ۴۱۷	۴ر مارچ سنہ ۱۰۲۵ء ״ ۲۱ر فروری سنہ ۱۰۲۶ء
سنہ ۳۹۷	۲۷ر ستمبر سنہ ۱۰۰۶ء ״ ۱۶ر ستمبر سنہ ۱۰۰۷ء	سنہ ۴۱۸	۲۲ر فروری سنہ ۱۰۲۶ء ״ ۱۰ر فروری سنہ ۱۰۲۷ء
سنہ ۳۹۸	۱۷ر ستمبر سنہ ۱۰۰۷ء ״ ۴ر ستمبر سنہ ۱۰۰۸ء	سنہ ۴۱۹	۱۱ر فروری سنہ ۱۰۲۷ء ״ ۳۰ر جنوری سنہ ۱۰۲۸ء
سنہ ۳۹۹	۵ر ستمبر سنہ ۱۰۰۸ء ״ ۲۴ر اگست سنہ ۱۰۰۹ء	سنہ ۴۲۰	۳۱ر جنوری سنہ ۱۰۲۸ء ״ ۱۹ر جنوری سنہ ۱۰۲۹ء
سنہ ۴۰۰	۲۵ر اگست سنہ ۱۰۰۹ء ״ ۱۴ر اگست سنہ ۱۰۱۰ء	سنہ ۴۲۱	۲۰ر جنوری سنہ ۱۰۲۹ء ״ ۸ر جنوری سنہ ۱۰۳۰ء
سنہ ۴۰۱	۱۵ر اگست سنہ ۱۰۱۰ء ״ ۳ر اگست سنہ ۱۰۱۱ء	سنہ ۴۲۲	۲۹ر دسمبر سنہ ۱۰۳۰ء ״ ۱۸ر دسمبر سنہ ۱۰۳۱ء
سنہ ۴۰۲	۴ر اگست سنہ ۱۰۱۱ء ״ ۲۲ر جولائی سنہ ۱۰۱۲ء	سنہ ۴۲۳	۱۹ر دسمبر سنہ ۱۰۳۱ء ״ ۶ر دسمبر سنہ ۱۰۳۲ء
سنہ ۴۰۳	۲۳ر جولائی سنہ ۱۰۱۲ء ״ ۱۲ر جولائی سنہ ۱۰۱۳ء	سنہ ۴۲۴	۷ر دسمبر سنہ ۱۰۳۲ء ״ ۲۵ر نومبر سنہ ۱۰۳۳ء
سنہ ۴۰۴	۱۳ر جولائی سنہ ۱۰۱۳ء ״ یکم جولائی سنہ ۱۰۱۴ء	سنہ ۴۲۵	۲۶ر نومبر سنہ ۱۰۳۳ء ״ ۱۵ر نومبر سنہ ۱۰۳۴ء
سنہ ۴۰۵	۲ر جولائی سنہ ۱۰۱۴ء ״ ۲۰ر جون سنہ ۱۰۱۵ء	سنہ ۴۲۶	۱۶ر نومبر سنہ ۱۰۳۴ء ״ ۴ر نومبر سنہ ۱۰۳۵ء
سنہ ۴۰۶	۲۱ر جون سنہ ۱۰۱۵ء ״ ۹ر جون سنہ ۱۰۱۶ء	سنہ ۴۲۷	۵ر نومبر سنہ ۱۰۳۵ء ״ ۲۴ر اکتوبر سنہ ۱۰۳۶ء
سنہ ۴۰۷	۱۰ر جون سنہ ۱۰۱۶ء ״ ۲۹ر مئی سنہ ۱۰۱۷ء	سنہ ۴۲۸	۲۵ر اکتوبر سنہ ۱۰۳۶ء ״ ۱۳ر اکتوبر سنہ ۱۰۳۷ء

ضمیمہ چہارم

ہجری	سنہ عیسوی	ہجری	سنہ عیسوی
سنہ ۴۲۹	۱۴ر اکتوبر سنہ ۱۰۳۷ء لغایت ۲ر اکتوبر سنہ ۱۰۳۸ء	سنہ ۴۳۵	۱۰ر اگست سنہ ۱۰۴۳ء لغایت ۲۸ر جولائی سنہ ۱۰۴۴ء
سنہ ۴۳۰	۳ر اکتوبر سنہ ۱۰۳۸ء " ۲۲ر ستمبر سنہ ۱۰۳۹ء	سنہ ۴۳۶	۲۹ر جولائی سنہ ۱۰۴۴ء " ۱۸ر جولائی سنہ ۱۰۴۵ء
سنہ ۴۳۱	۲۳ر ستمبر سنہ ۱۰۳۹ء " ۱۰ر ستمبر سنہ ۱۰۴۰ء	سنہ ۴۳۷	۱۹ر جولائی سنہ ۱۰۴۵ء " ۷ر جولائی سنہ ۱۰۴۶ء
سنہ ۴۳۲	۱۱ر ستمبر سنہ ۱۰۴۰ء " ۳۰ر اگست سنہ ۱۰۴۱ء	سنہ ۴۳۸	۸ر جولائی سنہ ۱۰۴۶ء " ۲۷ر جون سنہ ۱۰۴۷ء
سنہ ۴۳۳	۳۱ر اگست سنہ ۱۰۴۱ء " ۲۰ر اگست سنہ ۱۰۴۲ء	سنہ ۴۳۹	۲۸ر جون سنہ ۱۰۴۷ء " ۱۵ر جون سنہ ۱۰۴۸ء
سنہ ۴۳۴	۲۱ر اگست سنہ ۱۰۴۲ء " ۹ر اگست سنہ ۱۰۴۳ء	سنہ ۴۴۰	۱۶ر جون سنہ ۱۰۴۸ء " ۴ر جون سنہ ۱۰۴۹ء

ضروری گزارش

دوران کتابت میں بعض الفاظ (اور خصوصاً غیر مانوس ناموں) کے اندر کچھ غلطیاں ہو گئی ہیں۔ براہ مہربانی مطالعہ سے قبل ان کو درست فرما لیجئے۔

برنی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱ (دیباچہ)	۴	دوسرا ایڈیشن	دوسرا ایڈیشن
۵ 〃	۹	نسبة	نسبته
〃 〃	۱۲	حالانکہ قلب اسلامی	
		حسا شریعت عربی ہیں	× × ×
۸ 〃	۸	ببعجم	بمعجم
۱۸ 〃	۱ و ۲	Annale dale Islam	Annali dellIslam
〃 〃		Asabicum	Arabicum
۹ (متن)	۲۱	جس قوم	جس شخص
〃 〃	〃	اس علم	اہل ہند میں علم
۱۴ 〃	〃	Cont angents	Cot-angents
۱۵ 〃	۲۳	البتنگی	البتینی
۲۰ 〃	۷	زمانۂ	زمانہ
۲۱ 〃	۱۲	تامّۂ	تامّہ
۲۳ 〃	۱۴	سوط	سیوط
۲۴ 〃	۱۱	Avn-zoar	Aven-zoar
۳۰ 〃	۷	سنہ ۶۵ھ	سنہ ۵۶۵ھ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۰ (متن)	۱۱	Renaud	Reinaud
〃 〃	۱۶	بیرونی	نیرون
〃 〃	۱۴	ابرایمی	ابراہیمی
۳۱ 〃	۱۵	یمونِ	یمون
〃 〃	۱۶	غربتة	غربته
۳۲ 〃	۴	ابن جوقل	ابن حوقل
〃 〃	۱۱	قریبے قریب	قریب قریب
۳۴ 〃	۱۳	وانی	وافی
۴۲ 〃	۲	جس زمانے	جس کے زمانے
۴۳ 〃	۹	سے ساتھ	کے ساتھ
〃 〃	۱۴	قومیں	قوتیں
۵۱ 〃	۱۳	جناتک	جناشک
۵۴ 〃	۱	یستحلصه	یستخلصه
〃 〃	۳	لمطاعه	المطاعة
۵۷ 〃	۴	زمانۂ بعد	زمانۂ مابعد
۵۹ 〃	۷	خاصته	خاصّة
۶۷ 〃	۶	سلطان	مردان سلطان
۷۳ 〃	۱۷	امیر العباس	امیر ابو العباس
۸۰ 〃	۳	البیرونی کے	البیرونی کو

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۸۰ (متن)	۴	مخاصته	مخاصّة
〃 〃	۵	یسخ	لیسخ
〃 〃	۸	سمندرپر	سمندرپار
〃 〃	۱۳	القرمط	القرمطة
۸۲	۱۵	العجمی	لعجمتی
۹۳	۱۱	صواب کے	کے صواب
۹۵	۱۶	واجب	واحب
۹۶	۱۳	فہل	فسہل
۹۷	قبل از سطر اول	× × ×	ابن الاثیر مسعود کے متعلق لکھتا ہے
۱۰۵	۶	ھا	ھا
〃 〃	۱۱	تنسی	ینسی
۱۱۹	۲۱	ابودلف	ابردلف
۱۲۰	۱۴	ناسدبو	باسدبو
۱۲۱	۳	باتیخل	پاتنجل
۱۲۳	۱۴	محاورات	مجارات
۱۲۷	۱۷	بارہ	پندرہ
۱۳۱	۱۸	باد	پاد
〃 〃	۵ و ۱۰	نضر	نصر
۱۳۷	۱۷	استحرج	استخرج
۱۵۹	۷	موسم گر	موسم گرما
۱۶۵	۳	رکھنے دیا	رکھتے دیکھا
۱۶۹	۱۴	انطیغرسطوس	انطیغرسلوس
۱۷۴	۴	بقیته	بقیّة
〃 〃	۱۹	منوشہروں	منونتروں
۱۷۵	۱۶	پانی	پانی میں
۱۷۹ (متن)	۹	جس کا عربی	کا عربی
〃 〃	۱۰	انفرادی	انفرازی
۱۹۳	۱۷	Rochard	Richard
۱۹۴	۱۸	Ponsoure dee	Pensours del
۲۰۰	۹	پاسی اتیوس	پاسی دانیوس
۲۰۹	۶	ارتقاع	ارتفاع
۲۲۳	۱۲	نقیر	فقیہ
۲۲۷	۱	مقصوحمن جانب	مقصوداً من کل جانب
〃 〃	۶	جناہ	حباہ
۲۲۸	۲	حسان	حبان
〃 〃	۵	رضاعتها	اضاعتها
〃 〃	۹	لزهتنی	لزمتنی
〃 〃	۱۴	خلدنی	خلانی
〃 〃	۱۷	تشفیع	شفع
۲۲۹	۱۱	ارامة	ادامة
〃 〃	۱۸	تتبراء	تبراء
۲۳۰	۷	کلّف	یکلّف
〃 〃	۱۴	تبعدہ	تعدہ
۲۳۲	۱۰	النلاخة	النلاخه
۲۵۰	۱۳	Rein-aund	Rein-aud
۲۵۳	۵	ael	del

تاریخ تمدن | سر ٹامس بکل کی شہرۂ آفاق کتاب کا ترجمہ ہے۔ الف سے ی تک تمدن کے ہر مسئلہ کمال جامعیت سے بحث کی گئی ہے اور ہر اصول کی تائید میں تاریخی اسناد سے کام لیا گیا ہے۔ اس کے مطالعہ سے معلومات میں انقلاب اور ذہن میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ حصہ اول غیر مجلد ایک روپیہ آٹھ آنہ مجلد دو روپیہ کلدار۔ حصہ دوم مجلد دو روپیہ کلدار

وضع اصطلاحات | یہ کتاب ملک کے نامور انشاء پرداز اور عالم مولوی وحید الدین سلیم (پروفیسر عثمانیہ کالج) نے سالہا سال کے غور و فکر اور مطالعہ کے بعد تالیف کی ہے بقول فاضل مؤلف "یہ بالکل نیا موضوع ہے۔ میرے علم میں شاید کوئی ایسی کتاب نہ آج تک یورپ کی کسی زبان میں لکھی گئی ہے نہ ایشیا کی کسی زبان میں" اس میں وضع اصطلاحات کے ہر پہلو پر تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے اور اُس کے اصول قائم کئے گئے ہیں۔ مخالف و موافق رایوں کی تنقید کی گئی ہے اور زبان کی ساخت اور اس کے عناصر ترکیبی مفرد و مرکب اصطلاحات کے طریقے سابقوں اور لاحقوں اردو مصادر اور اُن کے مشتقات غرض سینکڑوں دلچسپ اور علمی بحثیں زبان کے متعلق آگئی ہیں اردو میں بعض اور بھی ایسی کتابیں ہیں جن کی نسبت یہ کہا جاسکتا ہے کہ زبان میں ان کی نظیر نہیں۔ لیکن اس کتاب نے زبان کی جڑیں مضبوط کر دی ہیں اور ہمارے حوصلے بلند کر دئے ہیں اس سے پہلے ہم اردو کو علمی زبان کہتے ہوئے جھجکتے اور اس کی آیندہ ترقی کے متعلق دعوی کرتے ہوئے ہچکچاتے تھے۔ مگر اس کتاب کے ہوتے یہ اندیشہ نہیں رہا۔ اس نے حقیقت کا ایک نیا باب ہماری آنکھوں کے سامنے کھول دیا ہے۔ تعداد صفحات ۵۰۰ قیمت مجلد تین روپیہ بارہ آنہ کلدار

دریائے لطافت | ہندوستان کے مشہور سخن سنج میر انشاء اللہ خاں کی تصنیف ہے۔ اردو صرف و نحو اور محاورات اور الفاظ کی پہلی کتاب ہے۔ اس میں زبان کے متعلق بعض عجیب و غریب نکات درج ہیں۔ قیمت غیر مجلد ایک روپیہ آٹھ آنہ کلدار۔ مجلد دو روپیہ کلدار

سرگزشت حیات | اس کتاب میں حیات کے آغاز اور اس کی نشو و نما کی داستان نہایت دلچسپ طرز پر بہت ہی سلیس زبان میں بیان کی گئی ہے۔ جدید معلومات سے لبریز ہے۔ ہر شخص کو اس کا مطالعہ کرنا لازم ہے۔ حجم ۳۰۰ صفحہ قیمت فی جلد مجلد دو روپیہ آٹھ آنہ کلدار

ملنے کا پتہ:- **انجمن ترقی اردو اورنگ آباد** (دکن)

ترجمہ

کتاب الہند البیرونی

اس کتاب کا ترجمہ اُردو زبان میں انجمن ترقی اُردو کے لئے کیا جارہا ہے اور امید ہے کہ انشاء اللہ اس کی پہلی جلد عنقریب طباعت کے لئے تیار ہو جائے گی۔ یہ کتاب علوم و تمدن ہند پر دنیا کی بہترین تصانیف میں شمار ہوتی ہے۔ اور ہندوستان کے لئے البیرونی کی تمام کتابوں میں سب سے زیادہ دلچسپ اور مفید ہے کتاب کا ترجمہ ایک مبسوط مقدمہ کے ساتھ شایع ہوگا، جس میں کتاب کی قدر و قیمت واضح کی جائے گی اور تاریخی حیثیت سے اس کی اہمیت بتائی جائے گی۔

جو صاحب اس کتاب کے خریدار رہنا چاہیں اور پیشگی فرمایش دینا پسند فرمائیں وہ براہ عنایت سکرٹری صاحب انجمن ترقی اُردو کو اطلاع بخشیں۔

سیّد حسن برنی